حیاتِ اسماعیل شہیدؒ

مؤلفہ:- پیامؔ شاہجہانپوریؒ

ناشرین

ادارۂ تاریخ و تحقیق۔ گیلانی اسٹریٹ ۶۲ چاہ میراں لاہور

حیاتِ اسماعیل شہیدؒ

مولفہ: پیام شاہجہانپوری

ناشرین

اِدارۂ تاریخ و تحقیق — گیلانی اسٹریٹ ۶۲ ؎ چاہ میراں - لاہور

نام کتاب ـــــ حیاتِ اسماعیل شہیدؒ

مولف ـــــ پیامؔ شاہجہانپوری

بار اوّل ـــــ ایک ہزار (۱۰۰۰)

ضخامت ـــــ ۲۶۴ صفحات

زیر اہتمام ـــــ ادارۂ تاریخ و تحقیق لاہور

تاریخِ طباعت ـــــ ۲۵ر جنوری ۱۹۷۳ء

ناشر ـــــ محمد رضی الدین خان

مطبع ـــــ میاں پرنٹرز ۱۸ اردو بازار لاہور

قیمت

کتابت ادارہ پروین کتابت، ریلوے روڈ۔ لاہور

فہرست عنوانات

۶ شاہ اسماعیلؒ کی قیام گاہیں

۷ شاہ اسماعیلؒ میدانِ جہاد میں

۸ شاہ اسماعیلؒ اور جنگِ بالاکوٹ

٩ شاہ اسماعیلؒ کی علمی خدمات

از صـ ۱۷۷ تا صـ ۲۱۰

١٠ شاہ اسماعیلؒ کے نادر خطوط

از صـ ۲۱۱ تا صـ ۲۲۴

١١ شاہ اسماعیلؒ کے عقائد و نظریات

از صـ ۲۲۵ تا صـ ۲۵۰

١٢ شاہ اسماعیلؒ کی شخصیت

از صـ ۲۵۱ تا صـ ۲۶۴

پیش لفظ

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اسلام کے ان عظیم اکابرین سے تھے جن کی شخصیت میں قلم اور تلوار دونوں کا حسین امتزاج ہو گیا تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد اپنے عہد کے وہ سب سے بڑے عالم تھے بلکہ بہت بڑے سیاسی اور دینی مفکر تھے۔ ان کی تصنیف "منصب امامت" ان کی سیاسی بالغ نظری اور تبحر علمی دونوں کا شاہکار ہے۔ وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا دماغ تھے۔ ان میں غیر معمولی تنظیمی صلاحیتیں تھیں، مٹھی بھر مجاہدوں کو لیکر وہ جس بے خوفی سے ایک طاقتور دشمن سے ٹکرائے اور اسے بار بار ہزیمت پر ہزیمت دی۔ اس سے ان کی ذاتی شجاعت اور فن حرب میں غیر معمولی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دشمن بھی انہیں اپنے عہد کا عظیم جرنیل قرار دینے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے صرف اسلام کی سربلندی اور پنجاب، صوبہ سرحد اور کشمیر کے مسلمانوں کی آزادی کی خاطر اپنا گھر بار، اہل و عیال، عیش و آرام، عزت و وجاہت ہر چیز قربان کر دی اور ایسے ایسے مصائب و آلام برداشت کیے کہ آج ڈیڑھ سو سال کے بعد ان کی شدت کا اندازہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ حتیٰ کہ اس پاکیزہ مقصد کی خاطر اپنی جانِ عزیز بھی راہِ خدا میں قربان کر دی۔

قوم کے دانشوروں اور مورخوں کا فرض تھا کہ وہ اسلام کے اس بطلِ جلیل کی تاریخِ حیات قلمبند کرتے تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کو معلوم ہوتا کہ آج ہم جس خطے میں آزادی کا سانس لے رہے ہیں اس کو غیر مسلموں کے تسلط سے نجات دلانے کے لئے آج سے ایک سو اکتالیس سال قبل اس مردِ حری نے جدوجہد کی تھی اور اپنے خون سے حریت کی وہ شمع روشن کی تھی جس کی تابانی میں کاروانِ آزادی اپنا سفر طے کرتا ہوا منزلِ مقصود سے ہمکنار ہو گیا۔ افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور اردو زبان میں ایک نامکمل کتاب (حیاتِ طیبہ) کے سوائے اس عظیم و جلیل شخصیت پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب بھی چونکہ نقشِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس میں وہ تمام خامیاں موجود ہیں جو پہلی کوشش میں ہوتی ہیں بعض پہلو تشنہ ہیں اور بہت سے

امور کا سرے سے ذکر کیا ہی نہیں گیا۔ بعض بیانات محلِ نظر ہیں۔ اس کے باوجود اس میں بہت سی باتیں درست اور کام کی بھی ہیں خصوصاً حضرت شاہ اسماعیلؒ کی نجی زندگی کے متعلق نہایت مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔ اپنی گذشتہ کتاب "شہادت گاہِ بالاکوٹ" کی تالیف کے دوران میری نظر سے معلومات کا جو ذخیرہ گذرا اس پر ایک نظر ڈال کر میں نے محسوس کیا کہ اگر محنت کی جائے اور تلاش و تحقیق کا عمل جاری رکھا جائے تو حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر ایک مستقل اور اچھی کتاب لکھی جا سکتی ہے جیسا کہ میرے بہت سے احباب جانتے ہیں کہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور آپؒ کی تحریک پر عرصے سے کام کر رہا ہوں اور اب تک بالاکوٹ اور ان بہت سے علاقوں کے متعدد سفر کر چکا ہوں جہاں حضرت سید صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کیلئے اپنی زندگی کے عزیز ترین لمحات گذارے۔ پبلک لائبریریوں، تعلیمی اداروں کی لائبریریوں اور اہلِ علم کے ذاتی کتب خانوں میں حضرت شاہ اسماعیلؒ کی زندگی اور کارناموں کے متعلق میں نے وہ تمام لٹریچر دیکھنے کی کوشش کی جو میری دسترس میں تھا۔ بہت سے اہلِ علم اصحاب کو خطوط لکھ کر ضروری اور مفید معلومات منگوائیں اور ان سے بھی استفادہ کیا۔ غرض امکانی حد تک میں نے پوری کوشش کی کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ جامع بناؤں۔ اس کے باوجود میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ کتاب جامع ہے، لیکن مجھے اس امر کا اطمینان ضرور ہے کہ میں نے تلاش و تحقیق، معلومات کی فراہمی اور اس سے استفادہ کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی بلکہ کبھی کبھی تو یہ محسوس ہوا کہ میری عزتِ نفس خطرے میں ہے۔ میں نے بعض ایسے لوگوں کے دروازوں پر حاضری دی جہاں جانا مجھے پسند نہ تھا اور ایسا اندازِ گفتگو برداشت کیا جو میرے مزاج کے قطعاً خلاف تھا۔ میں نے یہ سب کچھ گوارا کر لیا اور اس علمی خدمت کے مقابلے میں ذاتی وقار کی مطلق پروا نہ کی۔ مجھے یہ عرض کرتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ الحمدللہ میری یہ جدوجہد رائیگاں نہیں گئی اور اس کتاب میں حضرت شاہ اسماعیلؒ شہید کے متعلق بہت سی باتیں پہلی بار منظرِ عام پر آ رہی ہیں، مثلاً شاہ صاحبؒ نے اپنے پہلے سفرِ بالاکوٹ میں جو ہوش رُبا مصائب و آلام برداشت کئے ان کی تفصیلات فارسی کی ایک قلمی کتاب "منظورۃ السعداء" میں درج ہیں اور یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ایک سیف میں بند پڑی ہے۔ میں نے یہ کتاب نکلوائی اور لائبریری میں بیٹھ کر کتنے ہی دن اس سے استفادہ کرتا رہا۔ اب یہ تفاصیل اس کتاب میں شامل ہیں۔ انکے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے اسلاف اور اکابر نے اس سرزمین کی آزادی اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کیلئے کیسے کیسے آہن گداز مصائب برداشت کئے۔ شاہ صاحبؒ کے قیام بالاکوٹ کے بعض دلچسپ، بعض تاریخی اور بعض عسکری واقعات جو اب تک کسی کتاب میں شامل نہیں کئے گئے تھے اسی قلمی کتاب کے حوالے سے پہلی بار زیرِ نظر کتاب

میں شائع ہو رہے ہیں۔ میں نے شاہ صاحبؒ کی نثر و نظم کے بعض ایسے شاہکاروں کا بھی سراغ لگایا ہے جن سے اب تک عام لوگ تو کیا بڑے بڑے اہل علم ناواقف تھے۔ انکی یہ تحریریں بھی پہلی بار اس کتاب میں شائع ہو رہی ہیں۔ انکی ایک کتاب "الاربعین فی احوال المہدیین" کو لوگ بالکل فراموش کر چکے تھے میں نے نہ صرف اس کا سراغ لگایا بلکہ اس کا عکس حاصل کیا اور اسکی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ گذشتہ سال مکتوبات کا ایک نادر قلمی مجموعہ میری نظر سے گذرا جس میں آٹھ خط حضرت شاہ اسماعیلؒ کے بھی ہیں۔ ان میں سے دو "سوانح احمدی" میں شائع ہو چکے ہیں۔ باقی چھ خط ابھی تک غیر مطبوعہ تھے، یہ خطوط اور ان کا ترجمہ بھی پہلی بار اس کتاب میں شائع ہو رہا ہے۔ اس کتاب کے یہ چند پہلو ہیں جنکے بارے میں بطور مثال و نمونہ کچھ عرض کیا گیا ہے۔ باقی امور کا قارئین کرام مطالعۂ کتاب کے بعد خود اندازہ کریں گے۔

آخر میں اپنے چند مخلص کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے مخلصانہ تعاون کو اس کتاب کی تکمیل میں بڑا دخل ہے۔ بٹ گرام ضلع ہزارہ کے رئیس حاجی سلطان محمد خان صاحب اور ان کے فرزند سید محمد خان صاحب نے میرے بٹ گرام کے دوران قیام نہایت محبت و شفقت کا سلوک کیا اور وہاں سے متعلق معلومات کی فراہمی میں میری امداد فرمائی۔ ایک اور مہربان پروفیسر قاضی حلیم فضلی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج اوگی "ضلع ہزارہ" کا بھی نہایت ممنون ہوں کہ موصوف نے ریاست امب کے بعض مقامات کی مفید معلومات ارسال فرمائیں۔ مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک نے نہ صرف اس تاریخی مقام کی معلومات فراہم کیں بلکہ جب میں اکوڑہ خٹک گیا تو انہوں نے میرے ساتھ نہایت اخلاص و محبت کا سلوک کیا اور تاریخی نوعیت کے بعض مقامات دکھائے۔ انکی اس عنایت کا بھی خلوص دل سے شکر گذار ہوں۔ امسال جولائی میں میں پھر بالاکوٹ گیا، وہاں کے بزرگوں اور احباب میں بالاکوٹ کے مشہور معالج اور اہل علم بزرگ حکیم سید عبدالرؤف شاہ صاحب نے میرے ساتھ جو پُر خلوص تعاون فرمایا اس کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ اسی طرح بالاکوٹ کے ایک اور معالج اور میرے علم دوست مہربان ڈاکٹر امداد الحق صاحب نے بھی میرے ساتھ قابل قدر تعاون کیا۔ میں ڈاکٹر صاحب کا بھی شکر گذار ہوں۔ خان محمد زمان خاں صاحب روڈ انسپکٹر بالاکوٹ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے مجھے موزوں الفاظ نہیں ملتے کہ موصوف گذشتہ تین سال سے مجھے قیام کیلئے جگہ عنایت فرماتے ہیں اور میرے آرام کا نہایت خیال رکھتے ہیں۔ اپنی کتاب "شہادت گاہ بالاکوٹ" کے آخری ابواب میں نے انہی کے دولت کدے پر مکمل کئے۔ اس کتاب کا بڑا حصہ بھی میں نے خان موصوف کے آرام دہ مکان میں قلمبند کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا سے نوازے۔ آمین

لاہور ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۲ء

پیام شاہجہان پوری

شاہ اسماعیلؒ کے اسلاف

دہلی سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر مغرب کی طرف ایک شہر واقع ہے جو تاریخ میں رُہتک کے نام سے موسوم ہے۔ ایک زمانے میں اس شہر کو ہندوستان کے شہروں میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ رُہتک اور اس کے مضافات کو قدرت نے بڑی فیاضی سے حسن و رعنائی کی دولت عطا فرمائی تھی یہ سارا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ باشندے نہایت مہذب، شائستہ اور متمدن تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے شجاع اور جنگجو بھی تھے۔ صنعت و حرفت عروج پر تھی۔ اس شہر میں ارباب علم و کمال کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اسلئے رہتک علماء و فضلا اور اہلِ ہنر کا بھی مسکن تھا لوگ خوشحال اور فارغ البال تھے بلکہ دولت کی نہایت فراوانی تھی۔

شیخ شمس الدینؒ

رُہتک کی سرسبزی و شادابی اور علم و فضل کی قدر دانی نے بہت سے اہلِ علم کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ عرب کے متعدد اربابِ کمال اور شیوخ ترکِ وطن کر کے اس علم پرور شہر میں آبسے۔ انہی اہلِ کمال میں ایک بزرگ شیخ شمس الدینؒ بھی تھے کہ سرزمینِ حجاز کو خیرباد کہہ کر رُہتک تشریف لائے اور پھر اسی شہر کو اپنا مسکن بنا لیا۔ شیخ شمس الدینؒ نہ صرف عربی تھے بلکہ ان کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے سیدنا حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) سے جا ملتا ہے۔ نہایت عابد و زاہد اور متقی و پارسا بزرگ تھے۔ فقر و غنا آپ کی سیرت کا نہایت تابناک جوہر تھا۔ روشن ضمیری، ریاضت و مجاہدہ اور روحانی بلندی نے آپ کو عوام و خواص دونوں میں مقبول بنا دیا تھا۔ اپنے زمانے کے جیّد عالم تھے۔

قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور فلسفہ و منطق کے علاوہ علم ادب اور انشا پردازی میں بھی آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔

شیخ شمس الدینؒ جس دور میں ہندوستان تشریف لائے وہ اشاعتِ اسلام کا ابتدائی دور تھا یہاں کے لوگ اگرچہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر ابھی تک ان میں زمانۂ جاہلیت کے بعض اثرات باقی تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اسلام قبول کرنے کے بعد جس ذہنی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان نومسلمو کو میسر نہ آسکی تھی شیخ شمس الدینؒ نے رہتک میں قیام کے دوران یہاں کے نومسلم باشندوں کے اخلاق و عادات، رسوم و رواج اور افکار و کردار کا غائر نظر سے مشاہدہ کیا اور پھر ان کی ذہنی و علمی تربیت کے لئے ایک مدرسہ کے قیام کا فیصلہ کیا۔ مدرسہ کے قیام سے اس علاقے میں ایسے روحانی و علمی انقلاب کی بنیاد پڑ گئی جس کے ثمرات سے بعد کی نسلیں لطف اندوز ہوئیں۔ اس مدرسہ نے بعض ایسی شخصیتوں کو جنم دیا جو نہ صرف ہندوستان بلکہ ترکیہ و عرب تک یکساں واجب الاحترام قرار پائیں اور عالمِ اسلام کے بعض اکابر علما نے ان سے اکتساب فیض کرنا اپنے لئے باعثِ فخر و سعادت خیال کیا۔

شیخ شمس الدینؒ کی اولاد

شیخ شمس الدینؒ کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ کمال الدین مفتیؒ اپنے والدِ بزرگوار کے جانشین ہوئے۔ شیخ کمال الدینؒ اپنے نامور والدِ ماجد کی طرح نہایت عابد و زاہد، روشن ضمیر اور جید عالم تھے۔ نظر بڑی باریک اور وسیع پائی تھی۔ علم دین پر غیر معمولی دسترس اور خداداد ذہانت و فراست کی بدولت آپ کو رہتک کے منصبِ قضا پر مامور کیا گیا اور یہ منصب جلیلہ مدتِ دراز تک آپ کی اولاد کو ملتا رہا۔ شیخ کمال الدینؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبِ علم و فضل فرزند شیخ قطب الدینؒ اپنے والد بزرگوار کے جانشین ہوئے۔ شیخ کی وفات کے بعد ان کے فرزند اکبر شیخ عبدالمالکؒ اپنی آبائی مسند پر متمکن ہوئے شیخ موصوف ابتدائے عمر ہی سے نہایت علم دوست اور نکتہ رس تھے۔ آپ کو اساتذہ بھی اس پائے کے ملے اور خانوادہ بھی ایسا علم پرور نصیب ہوا کہ باید و شاید۔ چنانچہ بہت جلد قرآن و حدیث اور تفسیر وغیرہ علوم میں کمال حاصل کر لیا ماشاءاللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان میں بڑی تاثیر رکھی تھی۔ آپ کی مجلسِ وعظ میں لوگ بڑی کثرت سے شریک ہوتے اور ایک خاص اثر لے کر اُٹھتے۔

شیخ عبدالمالکؒ نے اپنے جدِ بزرگوار شیخ شمس الدینؒ کے مشن کو آگے بڑھایا اور اپنی ساری توجہ اس عہد کے مسلمانوں کی اخلاقی و نظریاتی اصلاح پر مرکوز کر دی۔ آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شیخ عبدالمالکؒ کو جس امر کا سب سے زیادہ خیال تھا وہ بُت پرستی کی بیخ کنی تھی۔ اسلامی تعلیمات میں شرک و بدعت اور لغو رسوم و رواج کی آمیزش نے دین کی حقیقی شکل کو بالکل مسخ کر دیا تھا چنانچہ آپ نے اسے ان آلائشوں سے پاک و صاف کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اپنی زندگی اس مقدس کام کے لئے وقف کر دی۔

افسوس کہ شیخ عبدالمالکؒ کی عمر نے وفا نہ کی اور آپ عالمِ شباب میں انتقال کر گئے۔ آپؒ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند قاضی بدھؒا اپنے والد گرامی کی مسند پر فائز ہوئے۔ قاضی بدھؒا اپنے والد اور دوسرے اہلِ خاندان کی طرح جیّد عالم نہ تھے مگر ذوقِ مطالعہ خداداد ذہانت و فراست اور غیر معمولی قوتِ فیصلہ کی بدولت آپ نے نہ صرف عہدۂ قضا کی ذمہ داریوں کو پورا کیا بلکہ اپنے حسنِ اخلاق اور خدمتِ خلق کے پاکیزہ جذبہ کی بدولت عوام میں بھی حیرت انگیز مقبولیت حاصل کی۔

قاضی بدھؒا کے انتقال کے بعد ان کے فرزند قاضی قائمؒ مسند نشین ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد قاضی قادنؒ کو یہ منصب جلیلہ ملا۔ قاضی قادنؒ علم و فضل عقل و دانش اور ذہانت و فراست کے لحاظ سے اپنے خاندان کی آبرو تھے۔ انہوں نے منصبِ قضا اور شیخ شمس الدینؒ کی درس گاہ دونوں کی ذمہ داریوں کو کمال خوش اسلوبی سے پورا کیا۔ انتقال کے وقت دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ شیخ محمود اور شیخ آدم۔

عسکری دور کا آغاز

قاضی قادن کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ محمودؒ اپنے والدِ ماجد کی مسند پر متمکن ہوئے۔ شیخ محمودؒ کی تعلیم و تربیت قاضی قادن جیسے فاضلِ زمانہ نے کی تھی۔ اس لئے ان میں علم و فضل کے علاوہ وہ تمام خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں جو اس منصب کے لئے ضروری تھیں جس پر وہ متمکن ہوئے تھے۔ انہیں رہتک اور اس کے مضافات میں بڑی عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا مگر ان تمام باتوں کے باوجود انہوں نے اچانک عہدۂ قضا سے علیحدگی اختیار کر کے سپاہیانہ زندگی کا آغاز کیا۔

تذکرہ نگاروں نے اس حیرت انگیز تبدیلی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس عہد میں ہندوستان مختلف قسم کے سیاسی تغیرات سے گزر رہا تھا۔ شیخ محمودؒ صاحبِ علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اولوالعزم بزرگ تھے۔ ان میں شجاعت کا جوہر بدرجہ اتم موجود تھا اور وہ اپنی صلاحیتوں کو صرف قضا تک محدود رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ سپاہیانہ زندگی اختیار کر کے ان سیاسی تغیرات میں موثر کردار ادا کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال شیخ محمودؒ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اپنے خاندان کی روایات کو ختم کر کے ایک نئی روایت کا آغاز کیا جو اس خاندان کی اختتامی روایت بننے والی تھی۔

شیخ محمودؒ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ احمدؒ نے اس خاندان کے نام کو روشن کیا۔ شیخ احمد صاحبؒ علم و فضل ہونے کے علاوہ نہایت صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیوی وجاہت اور دولت و امارت سے بھی انہیں حصۂ وافر ملا تھا۔ افسوس کہ ان کے مشاغلِ حیات کے متعلق مستند معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ شیخ احمدؒ نے دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک شیخ منصورؒ اور دوسرے شیخ حسینؒ۔ ان میں سے شیخ منصورؒ نے اپنی تواضع اور حسنِ اخلاق کے اعتبار سے بڑا نام پایا۔ اپنے دادا شیخ محمودؒ کی طرح انہوں نے بھی سپاہیانہ زندگی کو اپنا شعار بنایا اور بہادری میں بھی بڑی ناموری حاصل کی[1]

شیخ معظمؒ

شیخ منصورؒ کے ہاں چار فرزند پیدا ہوئے۔ شیخ معظم، شیخ اعظم، شیخ عبدالغفورؒ اور شیخ اسماعیلؒ۔ ان میں سے اول الذکر یعنی شیخ معظمؒ نے اپنے زمانے میں بڑی شہرت حاصل کی۔ شیخ معظمؒ بڑے عالم فاضل بزرگ تھے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ انہوں نے فنونِ حرب کی تحصیل بھی جاری رکھی اور اس عہد کے تمام عسکری فنون مثلاً نیزہ بازی، شہسواری اور شمشیر زنی میں کمال حاصل کر لیا۔ شیخ معظمؒ کی وضع قطع درویشانہ تھی مگر طبیعت میں جنگجوئی اور شجاعت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ نوجوانی کے زمانے ہی سے ان کی شجاعت و نبرد آزمائی کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا تھا۔ ان کے والد شیخ منصورؒ نے شیخ معظمؒ کے جذبۂ شجاعت کی تربیت میں خود حصہ لیا اور اپنی زیرِ نگرانی میدانِ جنگ میں لے جا کر جنگ کے نشیب و فراز

---

[1] یہ حالات دکوائف "حیاتِ دلی" مصنفہ مولانا حافظ محمد رحیم بخش دہلوی سے ماخوذ ہیں۔

سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اس بزرگ خاندان کے رکن رکین اور اپنے عہد کے فاضل اجل مولانا شاہ عبدالرحیمؒ صاحب بیان کرتے ہیں کہ شیخ معظمؒ کی نوجوانی کا زمانہ تھا کہ ان کے والد شیخ منصورؒ کو ایک ہندو راجہ سے جنگ درپیش آگئی۔ اس جنگ میں شیخ معظمؒ بھی شریک ہوئے۔ چند گھنٹوں کی جنگ کے بعد جب فیصلہ کی صورت پیدا نہ ہو سکی تو شیخ منصورؒ نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور دوسرے حصے کی کمان شیخ معظمؒ کے سپرد کر دی۔ شیخ معظمؒ نے اپنی فوج کے ساتھ دشمن پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ چند گھنٹوں ہی میں اس کا ٹڈی دل لشکر پسپا ہو گیا اور شیخ معظم نے دشمن کے بہت سے دمدموں پر قبضہ کر لیا۔ راجہ نے باقی وقت کیلئے جنگ موقوف کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ اپنی صفیں درست کر سکے۔ اُدھر شیخ معظمؒ بھی نئی ترتیب و تنظیم سے دشمن پر حملہ کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے راجہ کی درخواست منظور کر لی۔

اس دوران میں شیخ معظمؒ کا حوصلہ پست کرنے کیلئے یہ خبر اڑا دی گئی کہ ان کے والد شیخ منصورؒ اس جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان کی فوج کے سیکڑوں بہادر تہ تیغ ہو چکے ہیں اور باقی میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر شیخ معظمؒ پر مایوسی یا گھبراہٹ طاری ہونے کی بجائے ان کی رگوں میں بجلی کی سی تیزی اور حیرت انگیز جوش پیدا ہو گیا ــــ انہوں نے کمال بے خوفی و جرأت سے اپنی فوج کو آگے بڑھا کر غنیم پر اس شدت سے حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ غیظ و غضب اور انتہائی جوش کے عالم میں شیخ معظمؒ اپنی فوج کے ساتھ یورش پر یورش کرتے راجہ کے ہاتھی کی طرف بڑھتے جا رہے تھے کہ اتنے میں راجہ کا وزیر نیزہ تولتا ان کی طرف بڑھا تاکہ اپنے راجہ کو انکی تلوار کی زد سے بچا کر اور انہیں تہہ تیغ کر کے منہ مانگا انعام پائے۔ وزیر بڑا بہادر اور جنگجو شخص تھا۔ اسے فنِ حرب پر بڑا عبور حاصل تھا۔ وزیر نے نشانہ لے کر پوری قوت سے شیخ معظمؒ پر نیزہ کا وار کیا مگر شیخؒ نے پہلو بچا کر کمان میں زہر آلود تیر جوڑ کر ایسا وار کیا کہ یہ تیر، تیر قضا ثابت ہوا اور وزیر خاک و خون میں تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

راجہ نے جب یہ منظر دیکھا تو اس نے اعلان کر دیا کہ اس نوجوان پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد وہ ہاتھی سے اتر کر خود شیخ معظمؒ کی طرف بڑھا اور قریب آ کر ان کی بہادری پر تحسین و آفرین کے کلمات کہے اور ان سے دریافت کیا کہ اس غیر معمولی غیظ و غضب کا کیا سبب ہے؟ شیخ معظمؒ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری فوج کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے میرے والد شہید ہو گئے ہیں

اس لئے میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ یا تو خود بھی شہید ہو کر ان کے پاس چلا جاؤں یا تمہیں اور تمہارے لشکر کو تہہ تیغ کر دوں، راجہ نے انہیں بتایا کہ تمہارے والد کی شہادت کی خبر بالکل غلط ہے وہ دیکھو اس طرف ان کا علم لہرا رہا ہے اور وہ اپنے لشکر کے درمیان موجود ہیں یہ سن کر شیخ معظمؒ نہایت بے تابی سے اپنے والد کی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد راجہ نے شیخ منصورؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں تحریر کیا کہ میں آپ کے نوجوان بیٹے کی شجاعت اور بے جگری سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔ اب مزید جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ آپ صلح کی جو شرائط مقرر کریں مجھے منظور ہونگی شیخ منصورؒ نے شرائط صلح لکھ کر راجہ کے پاس بھیجدیں، اگرچہ یہ شرائط راجہ کیلئے کسی طرح قابل قبول نہ تھیں مگر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جس لشکر میں شیخ معظمؒ جیسا بہادر اور بے خوف سپہ سالار موجود ہے اسے شکست دینا ناممکن ہے چنانچہ اس نے یہ شرائط منظور کر لیں [1]

شیخ معظمؒ کی زندگی کا یہ ایک واقعہ ہے ورنہ تاریخ ان کی دینی غیرت اور غیر معمولی شجاعت کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور یہ بات حیرت سے دیکھی جاتی ہے کہ ان کی شخصیت میں سیف و قلم کا اجتماع اس خوبصورتی سے ہوا تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ناممکن تھا۔ یہ وہ روایت تھی جس کا آغاز ان کے جدِ بزرگوار شیخ محمودؒ نے کیا اور شیخ معظمؒ نے اس روایت کو حیرت انگیز طور پر آگے بڑھایا۔

شیخ وجیہہ الدینؒ

شیخ معظم نے تین فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ شیخ جمال الدین، شیخ فیروز اور شیخ وجیہہ الدین ان میں سے شیخ وجیہہ الدینؒ کی شخصیت بڑی پُر کشش تھی اور انہیں تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ انہی شیخ وجیہہ الدینؒ سے اس پاک نسل کا آغاز ہوا جس نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ہماری کتاب کے ہیرو حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کو جنم دیا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ وجیہہ الدینؒ کے حالات قدرے تفصیل سے بیان کر دیئے جائیں۔

شیخ وجیہہ الدینؒ ابتدا ہی سے نہایت ذہین، ہونہار، کم گو، متحمل مزاج اور غور و فکر کے عادی

---

[1] حیاتِ ولی صفحہ ۲۴

تھے۔ چار سال کی عمر میں آپ کے والدِ ماجد شیخ معظمؒ نے آپ کو مکتب میں داخل کر دیا اور آپ نے بہت جلد قرآنِ حکیم کی تعلیم مکمل کر لی۔ تیرہ سال کی عمر میں عربی و فارسی درسیات کی ابتدائی کتب ختم کر لیں اس کے ساتھ ساتھ ریاضت و مجاہدہ کا شغل بھی جاری رکھا اور بہت جلد روحانی مراتب طے کر لئے۔ علم ظاہری و باطنی کے علاوہ آپ نے فنونِ جنگ کی تربیت بھی حاصل کی اور جلد ہی اپنے زمانے کے بہترین سپاہی بن گئے۔

اس کے بعد شیخ وجیہہ الدینؒ رہتک سے روانہ ہوئے اور دہلی پہنچکر مغل بادشاہ کے لشکر سے وابستہ ہو گئے۔ یہ شاہجہان کا عہد حکومت تھا[1]۔ اس طرح اس خاندان نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میرے واجب الاحترام والد نہایت محتاط اور متورع آدمی تھے چونکہ آپ کا قلب بالکل سپاہیانہ تھا اور آپ فطرتاً چاق و چست تھے اس لئے شمشیر زنی کرنے اور اپنی بے خوف شجاعت کے جوہر ظاہر کرنے کا آپ کو زیادہ شوق تھا جسے سپاہیانہ قالب کی سچی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ابتدائی زمانے سے سلطنت مغلیہ کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور اپنے کارِ نمایاں کے صلے میں کوئی بڑا اور معزز فوجی اعزاز رکھتے تھے۔ جب اسلامی فوجیں مخالفانِ اسلام کی بیخ کنی اور ان کی نخوت و غرور کی گردنیں توڑنے کے لئے کسی طرف بڑھتیں تو آپ بڑے جوشِ مسرت کے ساتھ ان میں شریک ہوتے۔ باوجود ان تمام باتوں کے آپ کا تورع اور احتیاط انتہا سے زیادہ قابل تعریف اور لائق تقلید تھا۔ جب لشکر کے گھوڑے بیچارے غریب کسانوں کی کھیتیاں روندنے اور پامال کرتے ہوئے بے محابا چلے جاتے تو آپ کمال احتیاط کی وجہ سے لشکر سے الگ ہو جاتے اور اپنے گھوڑے کی باگ کھیتوں سے اور طرف موڑ لیتے[2]۔

شیخ وجیہہ الدینؒ نے مغل بادشاہ، شاہجہان اور اورنگ زیب کا زمانہ پایا اور ان دونوں بادشاہوں کے عہد حکومت میں برپا ہونے والی متعدد جنگوں میں حصہ لیا۔ صوبہ مالوہ کے قرب و جوار کے ایک ہندو راجہ نے جو شاہجہان کا خراج گذار تھا جب سرکشی اختیار کی اور سید حسین کو اس کی سرکوبی کیلئے مامور کیا گیا تو شیخ وجیہہ الدینؒ اس لشکر کے ساتھ تھے۔ خونریز جنگ کے بعد راجہ نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ دوسرے دن وہ سید حسین کی خدمت میں معاہدۂ صلح کی تکمیل کے لئے حاضر ہوا مگر دھوکا دینے کر

---

[1] واقعات دار الحکمت دہلی صد ۵۸۵ مولفہ مولوی بشیر الدین احمد
[2] حیات ولی صد ۶۱

سید حسین پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ سید حسین نے کمال ہوشیاری سے پہلو بچا لیا۔ وار خالی گیا۔ اس وقت بجلی کی سی سرعت کے ساتھ شیخ وجیہہ الدینؒ آگے بڑھے اور قبل اس سے کہ راجہ دوسرا وار کرتا انہوں نے اپنے خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ شیخ وجیہہ الدینؒ کی حاضر دماغی اور پھرتی دیکھ کر سید حسینؒ بہت متاثر ہوا اور آگے بڑھ کر شیخ کو گلے لگا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر راجہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو سید حسینؒ کے قتل ہونے سے شاہجہانی سطوت کو سخت ضعف پہنچتا۔

راجہ کے قتل کے بعد سید حسینؒ کے لشکر نے صوبہ مالوہ کا رخ کیا۔ اس لشکر میں بھی شیخ وجیہہ الدینؒ شامل تھے اور ایک حصۂ لشکر کے کمانڈر تھے۔ جنگ سے قبل مالوہ کے راجہ سے سید حسین کا دو بدو مقابلہ ہوا۔ اس مقابلے میں بھی شیخ وجیہہ الدین نے کمال شجاعت اور چابکدستی کا مظاہرہ کیا اور عین اس وقت جب راجہ کی تلوار سید حسینؒ کا کام تمام کرنا ہی چاہتی تھی کہ شیخؒ نے آگے بڑھ کر اپنی شمشیر آبدار سے راجہ کا قصۂ حیات پاک کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے راجہ کی فوج کے دو جرنیلوں کو جو سید حسین اور خود شیخ وجیہہ الدین کو دعوت مبارزت دینے نکلے تھے موت کی نیند سلا دیا۔ اس کے بعد جب عام جنگ شروع ہوئی تو اس جنگ میں بھی شیخ نے اپنی تلوار کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ دوران جنگ میں شیخ وجیہہ الدینؒ کے شدید زخم آئے اور تین روز تک آپ زخموں کی شدت کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لے سکے۔ چوتھے روز جب آپ کے زخم کسی حد تک مندمل ہو گئے تو آپ پھر میدانِ جنگ میں اترے۔ اس وقت مغلیہ فوج تعداد کے لحاظ سے کم تھی اور راجہ مالوہ کی فوج ٹڈی دل لشکر کی طرح ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ بظاہر فتح کے امکانات کم تھے مگر شیخ وجیہہ الدینؒ نے سید حسین کو نہایت مفید مشورے دیکر فوج کی تنظیم اس طرح کی کہ جب مغلیہ فوج نے حملہ کیا تو راجہ کی فوج کے بڑے بڑے جرنیل تہہ تیغ ہو گئے اور کثیر تعداد میں سپاہی بھی ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد شیخ وجیہہ الدینؒ نے دوسرا حملہ کیا۔ راجپوت جی توڑ کر لڑے مگر کچھ دیر کے بعد ان کے قدم اکھڑ گئے اور میدان سید حسینؒ اور شیخ وجیہہ الدینؒ کے ہاتھ رہا۔

اورنگ زیبؒ عالمگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد اسے اپنے بھائیوں سے جتنی جنگیں لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں شیخ وجیہہ الدینؒ نے عالمگیر کی طرف سے حصہ لیا اور اپنی شجاعت کے انمٹ نقوش یادگار چھوڑے۔ ایک جنگ میں شہزادہ شجاع نے زرہ پوش ہاتھیوں کے ساتھ اورنگزیب

کے لشکر پر حملہ کیا۔ شاہ وجیہ الدینؒ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اس شدت سے ہاتھیوں پر تلوار کی پے در پے ضربیں لگائیں کہ ان میں سے ایک ہاتھی کی سونڈ کٹ گئی، ہاتھی بوکھلا کر پیچھے کو بھاگے اور شہزادہ شجاع کی فوج کو کچل ڈالا۔ مخالف فوج میں بعض بڑے بہادر راجپوت شریک تھے۔ ان میں سے بہت سے شاہ وجیہ الدینؒ کی شمشیرِ آبدار کا نشانہ بنے۔ آخر عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے شیخ موصوف فوجی خدمات سے دستکش ہو گئے، مگر جب دکن میں مرہٹوں نے فتنہ برپا کیا تو آپ نے عالمگیر کی طرف سے شریکِ جہاد ہونے کے لئے گھوڑا خریدا اور دکن روانہ ہو گئے۔ راستے میں ڈاکوؤں سے مقابلہ پیش آیا۔ اسی مقابلے میں شہادت پائی۔ روایت ہے کہ ان کے جسم پر زخموں کے بائیس نشانات تھے۔[1]

شیخ وجیہ الدینؒ اپنے زمانے کے عظیم سپہ سالار، جیّد عالم اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ عقل و فراست معاملہ فہمی اور اصابتِ رائے میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ حافظہ بہت اچھا پایا تھا۔ علم اور صاحبانِ علم کے اتنے بڑے قدرداں تھے کہ ان کی مجلس میں علماء و فضلا کا ہجوم رہتا تھا۔ مساکین اور غربا کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی سے پیش آتے اور ان کی ہر ممکن دستگیری کرتے کلام اللہ سے غیر معمولی عشق تھا۔ سفر ہو یا حضر، صحیفۂ مقدس کبھی ان سے جدا نہ ہوتا۔

شاہ عبدالرحیمؒ

شیخ وجیہ الدینؒ نے تین فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ شیخ عبدالحکیم، شیخ عبدالرحیمؒ اور شیخ ابوالرضا محمد۔ شیخ عبدالرحیمؒ اور شیخ ابوالرضا محمدؒ نے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں بڑا نام پایا۔ لیکن شیخ عبدالرحیمؒ جو اگرچہ شیخ ابوالرضا سے عمر میں چھوٹے تھے علم و فضل اور اپنی شخصیت کی عظمت کے لحاظ سے اپنے برادرِ اکبر پر سبقت لے گئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی آغوشِ تربیت سے وہ شمس العلوم طلوع ہوا جس کا نام نامی شاہ ولی اللہ تھا اور جس کے لئے ہماری کتاب کے ہیرو شاہ اسماعیل شہیدؒ کا جد امجد ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ شیخ عبدالرحیم جنہیں ان کی روحانی بلندی کی وجہ سے شاہ عبدالرحیمؒ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اوائل ۱۰۵۴ھ میں دہلی کے خطۂ مردم خیز

---

[1] تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۲۲۸ مولفہ مولانا مناظر احسن گیلانی

میں پیدا ہوئے۔ اس وقت اورنگ زیب عالمگیر ہندوستان کی مسندِ حکومت پر متمکن تھا اور شاہ عبدالرحیمؒ کے والد ماجد شاہ وجیہہ الدینؒ اورنگ زیب کے رکنِ سلطنت کی حیثیت سے ایک بلند منصب پر فائز تھے اس لئے قدرتی طور پر شاہ عبدالرحیمؒ کی پرورش نہایت ناز و نعمت کے ماحول میں ہوئی مگر اس ماحول نے ان کی سرشت کو قطعاً متاثر نہ کیا۔ امراء اور رؤسا کے بچوں میں ناز برداریوں کی وجہ سے جو بُری عادتیں پیدا ہوجاتی ہیں شاہ عبدالرحیمؒ کا دامن ان سے بالکل پاک رہا۔ وہ ابتدا ہی سے نہایت متین و سنجیدہ اور کم گو تھے۔ چار سال کی عمر میں انکی تعلیم کا آغاز ہوا۔ انکے صاحب کمال والدِ گرامی شیخ وجیہہ الدینؒ نے انہیں قرآنِ حکیم پڑھایا۔ آپ کی تعلیم و تربیت میں والدِ گرامی کے علاوہ آپکے برادرِ اکبر شیخ ابوالرضا محمدؒ اور ایران کے مشہور فاضلِ یگانہ مرزا محمد زاہد ہرویؒ نے بھی حصہ لیا چنانچہ شرح عقائد اور حاشیہ خیالی کا درس آپؒ نے اپنے برادرِ بزرگ شیخ ابوالرضا محمدؒ سے لیا اور شرحِ مواقف سے لے کر نصاب کی اختتامی کتابوں تک تمام کتب مرزا محمد زاہد ہرویؒ سے پڑھیں۔ بارہ سال کی عمر تک شیخ عبدالرحیمؒ نے صرف و نحو، ادب و کلام، اصول و معقول اور فلسفہ و حکمت کی کتابیں ختم کرلیں۔ فقہ اور حدیث کی تعلیم آپؒ نے اپنے والد شیخ وجیہہ الدینؒ کی خدمت میں رہ کر مکمل کی۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد شاہ عبدالرحیم کو علوم باطنی کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپؒ اپنی روحانی پیاس بجھانے کیلئے حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے فرزند حضرت خواجہ خردؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے آخر خواجہ خردؒ کے مشورے سے ایک بزرگ سید عبداللہؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ یہ سید عبداللہؒ ساداتِ بارہہ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دہلی میں مقیم تھے اور سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ادریس سامانیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ سید عبداللہؒ کے علاوہ شاہ عبدالرحیمؒ نے خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی اور سید عظمت اللہ جیسے اکابر علم و فضل سے بھی کسب فیض کیا اور ان بزرگوں سے اجازت بیعت حاصل کی۔ اسی دوران میں آپ نے ہندوستان کے متعدد مقامات کا سفر کر کے مختلف اہل اللہ اور بعض مجذوبوں سے ملاقات کی اور انکی صحبت میں رہ کر روحانی مدارج طے کیے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کے حالاتِ زندگی، آپ کے علمی و روحانی کمالات اور آپ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ بڑی تفصیل چاہتا ہے۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ شاہ عبدالرحیمؒ علم کا سمندر اور روحانیت کا آفتاب تھے۔ علم حدیث میں آپ کا پایہ اتنا بلند تھا کہ آپ کے عہد کے جید علماء آپ کو شیخ الحدیث کے لقب سے

یاد کرتے تھے۔ ہزاروں حدیثیں مع انکی اسناد کے آپ کی نوکِ زبان رہتی تھیں، قرآنِ حکیم کی تفسیر میں آپ کو یدِطولیٰ حاصل تھا اور جب آپ آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تشریح فرماتے تھے تو آپؒ کے ایک تذکرہ نگار کے بقول یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وحی نازل ہو رہی ہے[1]۔ ذہانت و طباعی اور نکتہ رسی کے جوہر آپؒ کے مزاج کا خاصہ تھے۔ آپؒ کے اساتذہ بھی آپ کے اِن کمالاتِ طبعی کے قائل و معترف تھے۔ خلیفہ ابوالقاسمؒ اکبرآبادی آپ کے استاد و رہبر تھے مگر ایک علمی نکتہ پر آپ نے انہیں بھی لاجواب کر دیا۔ اس واقعے کے بعد خلیفہ موصوف کی نگاہوں میں آپ کی نہایت درجہ قدر و منزلت پیدا ہو گئی۔ علومِ دین اور خصوصاً علمِ فقہ پر آپ کو جو دسترس حاصل تھی اس کا اندازہ کرنے کیلئے یہ امر کافی ہے کہ جب اورنگ زیب عالمگیرؒ نے فتاویٰ عالمگیریؒ کی ترتیب و تدوین کا حکم دیا اور اس عہد کے جیّد علما و فضلا کو فتاویٰ کی ترتیب و تدوین پر مقرر کیا تو شاہ عبدالرحیمؒ کو بھی اس خدمتِ عظیمہ کی دعوت دی گئی۔ روایت ہے کہ انہیں معقول مشاہرہ کے علاوہ جاگیر کی بھی پیش کش کی گئی مگر انہوں نے اپنے استاد خلیفہ ابوالقاسمؒ اکبرآبادی کے مشورے پر یہ پیشکش قبول نہ کی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اسکی وجہ ان کے مزاج کا استغنا قرار دیا ہے مگر جب شیخؒ کی والدہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے شیخؒ کو یہ خدمت قبول کرنے کی ہدایت کی اور اس قدر اصرار کیا کہ شیخ عبدالرحیمؒ کو یہ خدمت قبول کرنا ہی پڑی۔ چنانچہ انہوں نے فتاویٰ پر نظرِ ثانی کی اور بعض فقہی اغلاط کو درست کیا۔

ان کے فرزندِ گرامی حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی جن کے علم و فضل اور فکر و نظر کی وسعت و بلندی نے برصغیر میں حیرت انگیز روحانی انقلاب پیدا کر دیا، شاہ عبدالرحیمؒ کی نسبت کہا کرتے تھے کہ "میں ان کے آگے ایسا ہوں جیسے بحر کے آگے قطرہ"۔ یہ کچھ شاعرانہ مبالغہ نہ تھا بلکہ جس نے شاہ عبدالرحیمؒ کی تصانیف اور ان کے حواشی کو دیکھا ہے جو انہوں نے معقول اور حدیث کی کتابوں پر چڑھائے ہیں، وہ ان سے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اس قول کی صداقت کا پورا اندازہ کر سکتا ہے[2]۔ شاہ عبدالرحیمؒ صرف جید عالم ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ کرامت بزرگ بھی تھے، دن اور رات کے اکثر اوقات میں اوراد و اذکار میں مشغول رہتے آپ نہایت مستجاب الدعوات تھے۔ قبولیتِ دعا آپ کی سب سے بڑی کرامت تھی۔ آپؒ نے بہت سی پیش گوئیاں بھی کیں اور وہ سب لفظ بہ لفظ پوری ہوئیں۔ آپؒ کے ان کمالات نے نہ صرف دہلی کے عوام و خواص بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں بکثرت لوگوں کو آپؒ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ آپؒ کے عہد میں جو مقبولیت

---

[1] حیاتِ ولی صفحہ ۲۶۷۔ [2] حیاتِ طیبہ صفحہ ۱۹ مولفہ مرزا حیرت دہلوی (مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر جنوری ۱۹۳۳ء)

آپؒ کو حاصل ہوئی اور مخلوقِ خدا کا رجوع آپ کی طرف ہوا۔ اس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔

شاہ عبدالرحیمؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شرک و بدعت، اور جہالت کی تاریکیوں میں علم و ہدایت کی شمع روشن کی۔ یہ تابناک مشعل دہلی کا " مدرسہ رحمانیہ " ہے جس کی بنیاد انہوں نے اپنے ہاتھوں سے رکھی اور اس مدرسہ کے ذریعہ انہوں نے علم دین کی ترویج و اشاعت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ اس مدرسہ نے اتنی شہرت حاصل کی کہ خاص دہلی کے طالبانِ علم کے علاوہ دور دور سے طلبہ آتے اور اس چشمۂ علم سے فیضیاب ہوتے۔ قرآنِ حکیم کی تفسیر اور حدیث کی تعلیم کا اس مدرسہ میں خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس عہد کے مسلمانوں کی زبوں حالی اور دین سے لاتعلقی کی اصل وجہ یہی تھی کہ انہوں نے قرآنِ حکیم کی باریکیوں پر غور کرنا اور احادیثِ نبوی کا مطالعہ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ شرک و بدعت، بدعملی اور غیر اسلامی رسوم کا سیلاب علمِ دین سے اسی غفلت کا نتیجہ تھا۔ شاہ عبدالرحیمؒ نے ایک ماہر نباض اور حاذق طبیب کی طرح مرض کی نشاندہی کی اور اس کا صحیح علاج تجویز کیا۔ یہ علاج کارگر ثابت ہوا اور آپؒ نے جس مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی آپکے فاضل جانشینوں نے اسکے دائرے کو اور وسیع کیا۔ اس طرح مدرسۂ رحیمیہ برصغیر کے مسلمانوں کیلئے روحانی دارالشفا ثابت ہوا۔

اس قدر دنیوی وجاہت اور علمی بلندی کے باوجود شاہ عبدالرحیمؒ کے مزاج میں تمکنت نام کی کسی چیز کا وجود تک نہ تھا۔ وہ نہایت منکسر، خوش خلق اور متواضع انسان تھے۔ بناوٹ اور تکلف سے ان کے مزاج کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے۔ اہلِ علم اور اہل اللہ کے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آتے اور ان سے ملاقات کرنے انکے گھر جاتے مگر امراء و رؤسا کے محلات میں جانے سے گریز کرتے۔ فیاض اتنے تھے کہ دور دور تک آپ کی سخاوت کی شہرت تھی۔

شاہ عبدالرحیمؒ کی شہرت جید عالم اور صاحبِ کرامت بزرگ کی حیثیت سے ہوئی مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے برصغیر کی سیاسیات میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ جب مرہٹے دکن اور شمالی ہند میں تباہی مچا رہے تھے اور مسلمان ان کے ہاتھوں برباد ہو رہے تھے تو شاہ عبدالرحیمؒ نے دکن کے طاقتور مسلمان حکمران نواب نظام الدولہ آصف جاہ سے رابطہ قائم کیا اور اسے مرہٹوں کے خلاف تحریک کی۔ شاہ عبدالرحیمؒ کا آصف جاہ کے نام یہ خط سید سلیمان ندوی مرحوم نے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں خود دیکھا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحیمؒ کے دل میں مسلمانوں کی عظمت و آزادی کا شعلہ روشن تھا

اور مسلمانوں کی بربادی و خستہ حالی کی وجہ سے وہ سخت مضطرب تھے۔

آخر کار علم و فضل اور سیرت و کردار کا یہ آفتاب ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو غروب ہو گیا۔ انتقال سے قبل ہیضہ کے آثار ظاہر ہوئے[1]۔ درمیان میں کچھ افاقہ ہو گیا مگر پھر حالت بگڑنے لگی اور انجام کار یہی مرض جان لیوا ثابت ہوا۔

---

[1] حیات ولی ص ۳۱۷

شجرۂ نسب شاہ اسماعیل شہیدؒ

- شیخ شمس الدینؒ
  - شیخ کمال الدینؒ
    - شیخ قطب الدینؒ
      - شیخ عبد المالکؒ
        - قاضی بڈھاؒ
          - قاضی قاسمؒ
            - قاضی قادنؒ
              - شیخ محمودؒ
                - شیخ احمدؒ
                  - شیخ منصورؒ
                    - شیخ معظمؒ
                      - شیخ جمال الدینؒ
                      - شیخ فیروزؒ
                      - شیخ وجیہ الدینؒ
                        - مولانا شیخ ابو الرضا محمدؒ
                        - مولانا شاہ عبد الرحیمؒ
                          - شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
                            - شاہ عبد العزیزؒ
                            - شاہ رفیع الدینؒ
                              - مولوی شاہ محمد موسیٰؒ
                              - مولوی شاہ مخصوص اللہؒ
                              - مولوی شاہ محمد یحییٰؒ
                              - مولوی شاہ حسن جانؒ
                            - شاہ عبد القادرؒ
                            - شاہ عبد الغنیؒ
                              - مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ
                                - شاہ محمد عمرؒ (لاولد)
                          - شاہ اہل اللہؒ
                        - شیخ عبد الحکیمؒ
                    - شیخ اعظمؒ
                    - شیخ عبد الغفورؒ
                    - شیخ اسماعیلؒ
                  - شیخ حسنؒ
                    - محمد سلطانؒ
                    - محمد مرادؒ
              - شیخ ادہمؒ
            - شیخ کمال الدین ثانیؒ
              - شیخ نظام الدینؒ
          - قاضی منکنؒ
            - قاضی یونسؒ

شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلویؒ

شاہ عبدالرحیمؒ نے دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک ولی اللہ اور دوسرے اہل اللہ۔ اول الذکر فرزند ولی اللہ تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّثؒ دہلوی کے معزز و محترم لقب سے مشہور ہوئے حقیقت میں یہی وہ یگانۂ عصر وجود تھا جس نے اس خاندان کا نام ابدالآباد تک زندۂ جاوید کر دیا اور جس کے ذریعے سے برصغیر پاک و ہند میں ایک ایسا علمی، روحانی اور سیاسی انقلاب رونما ہوا جس کی نظیر ماضی میں کہیں نہیں ملتی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے قبل آپ کے عارف باللہ والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے بعض مبشر خواب دیکھے جن میں ایک ایسے فرزند کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی جو علم و عمل کا آفتابِ عالم تاب بن کر طلوع ہوگا۔ اس فرزند کی پیدائش کے متعلق آپ کو الہام بھی ہوئے۔ اور آپ کے عہد کے بعض اہل اللہ نے بھی اسی قسم کی بشارتیں دیں۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ الہامات اور بشارتیں منجانب اللہ تھیں اور اپنے وقت پر بڑی شان سے پوری ہوئیں۔

شاہ ولی اللہؒ بچپن ہی سے نہایت متین و سنجیدہ، فضول کھیل کود سے دور، بہت کم گو اور والدین کے فرماں بردار تھے۔ بڑوں کا ادب اور ان کی ہر بات پر بجا و درست کہنا آپ کی فطرت کا خاصہ تھا۔ آپ کے ایک تذکرہ نگار کا بیان ہے کہ "جناب شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ابتدائی زندگی بالکل غیر معمولی اور ایک ایسی نرالی طرز و ادا کی تھی جو دنیا کے بچوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتی"۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کے مراحل آپؒ نے نہایت سرعت سے طے کر لئے۔ جب آپؒ کی عمر ساڑھے چار سال کی ہوگئی تو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ ساتویں سال میں آپ نے قرآن حکیم ختم کر لیا۔ اسکے بعد فارسی کی درسی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور ایک سال کی قلیل مدت میں یہ نصاب بھی مکمل کر لیا۔ فارسی درسیات کی تکمیل کے بعد آپ نے عربی زبان کی تحصیل شروع کی اور دس سال کی عمر

میں صرف و نحو کی کتابیں اس باریک بینی سے پڑھیں کہ اس علم کے اساتذہ بھی آپؒ کی قابلیت دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔ اسکے بعد آپؒ نے حدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ، فقہ، کلام، تاریخ، ہندسہ، طب اور سلوک و معرفت، غرض تمام علوم متداولہ کی نہ صرف تکمیل کر لی بلکہ ان علوم میں ایسا کمال حاصل کر لیا کہ عرب و عجم کے علما آپ کی ہم نشینی پر فخر کرنے لگے۔

شاہ ولی اللہ کی اس غیر معمولی علمی فضیلت و عظمت میں آپ کے نامور والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی توجہ کو بھی بڑا دخل تھا جنھوں نے ذاتی طور پر آپ کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کی اور علوم ظاہری و باطنی کے اسرار و رموز پر آپ کو مطلع کیا۔ آپ کی عمر ۱۴ سال کی تھی کہ والد ماجد نے دہلی کے معززین، علما، فقہا اور مشائخ کے ایک اجتماع میں آپ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ اسی مجلس میں شاہ عبدالرحیمؒ نے آپ کو علومِ دین اور علم سلوک کے درس و تدریس کا اجازت نامہ عطا فرمایا۔ والد گرامی کے انتقال کے بعد شاہ ولی اللہ نے مدرسہ رحیمیہؒ میں اپنے درس کا آغاز کیا اور بلاشبہ آپؒ کے ذریعہ اس مدرسے نے ایک ایسے دار العلوم کی حیثیت اختیار کر لی جس کی آغوش میں عالم اسلام کے وہ مایہ ناز فرزند تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر نکلے جن کی زندگیاں قرونِ اولیٰ کے اکابر اسلام کی یاد دلاتی تھیں۔

بارہ سال تک مدرسہ رحیمیہ میں فرائضِ تدریس ادا کرنے کے بعد آپؒ کو حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سفر کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ آپ سرزمینِ حجاز کے علما و فضلا سے ملاقات کرنا اور ان سے استفادۂ علوم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۱۴۳ھ میں آپ عازمِ حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ یاب ہونے کے بعد عرب کے علما و مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ جن علماء سے آپ نے استفادۂ علمی کرنے کے بعد سند حاصل کی، ان میں شیخ محمد وفد اللہ بن شیخ محمد بن سلیمان المغربی، شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی، شیخ تاج الدین قلعی حنفی، شیخ احمد شناوی، شیخ احمد قشاشی، سید عبدالرحمٰن ادریسی، شیخ شمس الدین محمد بن علاء بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری مغربی، شیخ ابراہیم کردی مدنی، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بن سالم البصری جیسے فاضل اجل علما شامل ہیں۔ ان میں سے ہر شیخ علم کا بحرِ ناپیدا کنار تھا۔

۱۱۴۵ھ میں آپ نے دوسری بار حج کیا۔ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ کو دہلی واپس پہنچے اور پھر مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اپنی زندگی کے باقی اکتیس ۳۱ سال آپ نے علم دین کی اشاعت

مسلمانوں کی اخلاقی و معاشرتی اور مذہبی اصلاح۔ ان کی سیاسی عظمت کی بحالی اور تالیف و تصنیف میں بسر کر دیئے۔

قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ

شاہ ولی اللہؒ کی دینی خدمات میں ان کی ایک عظیم خدمت قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ ہے۔ شاہ صاحبؒ سے قبل کلام اللہ کی تلاوت صرف اس کے عربی متن تک محدود تھی۔ کیونکہ کسی نے اس کا ترجمہ نہ کیا تھا۔ مولانا دولت آبادیؒ نے شیر شاہ سوری کے عہد میں قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ ضرور کیا تھا مگر وہ رائج نہ ہو سکا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عربی داں اصحاب کے سوائے عوام کو قرآن حکیم کی تلاوت کرتے وقت کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں ان کی رہنمائی کے لئے کیا ہدایات دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ دین کی حقیقی روح سے ناواقف رہ جاتے تھے اور مُلّا انہیں جو کچھ بتا دیتا تھا اس کو وحیٔ و الہام سمجھ لیتے تھے۔ اس طرح ملانوں کو دین پر مکمل اجارہ داری حاصل تھی۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس اجارہ داری کو توڑا اور قرآن کی لازوال دولت کو عام کیا۔ اسکی انہیں نہایت گراں قیمت ادا کرنی پڑی۔ مرزا حیرتؔ دہلوی نے اپنی کتاب "حیات طیبہ" میں ایک واقعہ درج کیا ہے جس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے قرآنِ حکیم کی تعلیم کو عوام تک پہنچانے کیلئے کیسے کیسے خطرات مول لئے۔ مرزا حیرتؔ لکھتے ہیں کہ :۔

"قرآن عموماً رمضان میں یا یوں ہی معمولی طور پر مسلمان پڑھتے تھے لیکن بیچارے معنی نہ جاننے کی وجہ سے خدا کے احکام سے محض نابلد تھے۔ کٹ ملانوں نے یہ سمجھا دیا تھا کہ قرآن شریف کے معنی پڑھنے گناہ مول لینا ہے۔ جب ولی اللہ صاحبؒ نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملانوں کے گروہ میں پایا گیا اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جانی دشمن ہو گئے اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحبؒ کو کیوں کر قتل کیا جائے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے اور آپ گویا محمدیوں کی جماعت کے امام تھے ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا کہ دروازوں پر غل و شور کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں اور لوگ کچھ غیر معمولی طور پر چیر ڈپیر کرتے ہوئے معلوم ہوئے۔ جب شاہ صاحبؒ کو

بہ تحقیق معلوم ہوگیا کہ یہ میرے قتل کے لئے نرغہ کرکے آئے ہیں تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم جان بچا کر چلے جاؤ اور مجھے ان مفسدوں کے ہاتھوں شہید ہونے دو۔[1]

مرزا حیرت کا بیان ہے کہ شاہ صاحبؒ کے ارادتمندوں کی غیرت اور شاہ صاحبؒ سے غیر معمولی محبت نے انہیں تنہا چھوڑنا گوارا نہ کیا اور وہ سب تلواریں سونت کر مقابلے پر آ گئے۔ یہ بدمعاشوں کا گروہ تھا جو ملانوں کے ساتھ آ گیا تھا اور بدمعاش ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔ ملانے اگر خود کسی قابل ہوتے تو بدمعاشوں کو ساتھ کیوں لاتے۔ غرض شاہ صاحبؒ کے عقیدتمندوں کو مقابلہ پر آمادہ دیکھ کر مخالف بے حوصلہ ہو گئے اور شاہ صاحبؒ کا فاروقی جلال بھی کام آیا۔ وہ ایمانی جوش کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مسجد سے نکلے اور مفسدوں کی دستبرد سے آزاد ہو کر بعافیت گھر پہنچ گئے۔

شاہ صاحبؒ نے قرآن حکیم کے ترجمے کا آغاز کر کے ایک ایسی مقدس روایت کا آغاز کیا جو انکے بعد بدستور آگے بڑھتی رہی اور ہندوستان کی مختلف زبانوں مثلاً اردو، سندھی، بنگالی، پشتو اور پنجابی میں قرآن حکیم کے ترجمے ہوئے کہ ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی تنہا یہی خدمت ان کا نام ابدالآباد تک زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف

حضرت شاہ ولی اللہؒ غیر معمولی دل و دماغ کے انسان تھے۔ ذہانت و فراست اور طباعی کے لحاظ سے ان کے خاندان میں ان کا ہم پلہ کوئی شخص نہیں گذرا۔ جملہ علوم کے تمام گوشوں پر انکی بڑی وسیع نظر تھی انکے عہد میں علماء نے علم دین کو بہت محدود کر دیا تھا۔ علم ہندسہ، علم تاریخ، علم جغرافیہ، علم حکمت اور علم حساب کی تحصیل کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ چکی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان علوم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور ان میں سے بعض علوم پر انہوں نے مبسوط کتابیں بھی سپردِ قلم کیں۔ وہ عالمِ اسلام کے بہت بڑے مصنف مورخ اور انشا پرداز تھے۔ انہوں نے ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھی۔ وہ عربی و فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان میں تقریر و خطابت کی بھی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ بلاشبہ ایسی جامع الصفات ہستی ان سے قبل برصغیر پاک و ہند نے پیدا نہیں کی۔ ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ان تصانیف کی فہرست

---

[1] حیات طیبہ ص ۱۲

درج کی جاتی ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کی بہت سی تصانیف ہیں جو ابھی تک طبع نہیں ہو سکیں اور مخطوطات کی صورت میں بعض کتب خانوں کی زینت ہیں۔

۱۔ فتح الرحمٰن۔ یہ قرآن حکیم کا وہی فارسی ترجمہ ہے جس پر شاہ صاحبؒ کے خلاف کفر کے فتوے دئے گئے تھے اور انہیں شہید کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی) ۳۔ فتح الخبیر (عربی) ۴۔ مسوی شرح موطا (عربی) ۵۔ المصفیٰ شرح موطا (فارسی) ۶۔ تاویل الاحادیث (عربی) ۷۔ حجۃ اللہ البالغہ (عربی) ۸۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی) ۹۔ ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفا (فارسی) ۱۰۔ الدر الثمین فی المبشرات النبی کریم (عربی) ۱۱۔ انفاس العارفین (عربی) ۱۲۔ الطاف القدس (فارسی) ۱۳۔ فیوض الحرمین (عربی) ۱۴۔ سطعات (فارسی) ۱۵۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی) ۱۶۔ چہل حدیث ۱۷۔ الارشاد الی مہمات علم الاسناد ۱۸۔ فیما یجب حفظہ للناظر (عربی) ۱۹۔ مسلسلات (عربی) ۲۰۔ انتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (عربی) ۲۱۔ شرح رباعیتین (فارسی)، ۲۲۔ ہوامع شرح حزب البحر (فارسی)، ۲۳۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) ۲۴۔ قصیدہ الجیب المنعم فی مدح سید العرب والعجم (عربی) یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طویل نظم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مطالعے سے آپ کی شاعرانہ قادر الکلامی اور عشق رسولؐ دونوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۲۵۔ لمعات (فارسی)، ۲۶۔ ہمعات (فارسی)، ۲۷۔ زہراوین (فارسی)، ۲۸۔ شفا القلوب (فارسی)، ۲۹۔ تفہیمات الٰہیہ (فارسی) ۳۰۔ مکتوبات المعارف (فارسی) ۳۱۔ عوارف (عربی)، ۳۲۔ القول الجمیل (عربی)، ۳۳۔ فتح الودود المعرفۃ الجنود (عربی) ۳۴۔ رسالہ مکتوب مدنی (عربی)، ۳۵۔ سرور المحزون فی سیر الامین المامون (فارسی) ۳۶۔ مکاتیب عربی ۳۷۔ مکتوبات مع فضائل ابو عبداللہ اسماعیل بخاریؒ (فارسی)، ۳۸۔ فیض عام (فارسی) ۳۹۔ المقالۃ الوضیئۃ فی النصیحۃ والوصیۃ (فارسی) ۴۰۔ المقدمہ السنیہ (عربی) ۴۱۔ الخیر الکثیر (عربی) ۴۲۔ حسن العقیدہ (عربی)، ۴۳۔ البدور البازغہ (عربی) ۴۴، ۴۵۔ شاہ صاحبؒ نے دو رسالے حضرت امام بخاریؒ کی احادیث کے تراجم کے سلسلے میں لکھے تھے، یہ دونوں عربی میں ہیں۔ ۴۶۔ العطیۃ الصمدیہ۔ ۴۷۔ الانفاس المحمدیہ ۴۸۔ بندۃ الابریز یہ فی طبقۃ العزیزیہ ۴۹۔ الامداد فی مآثر الاجداد ۵۰۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین ۵۱۔ البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیینؐ۔

شاہ ولی اللہؒ کی سیاسی خدمات

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف کے مطالعے کے بعد اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپؒ عالمِ اسلام کے بہت بڑے مفکر اور عظیم روحانی پیشوا تھے جنہوں نے تجدید دین کا عظیم الشان فریضہ انجام دیا۔ بلاشبہ آپؒ اپنی صدی کے مجدد تھے اور خود آپؒ نے بڑی تحدی سے دعویٰ کیا کہ خداتعالےٰ نے مجھے اس صدی کا مجدد بنا کر مامور فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ:-

"جب اللہ تعالیٰ کا منشا کسی ایسے نظام کو قائم کرنا ہوتا ہے جس کا مقصد خیر و فلاح ہو تو وہ اس مقصد کے حصول کے لئے مجھے ذریعہ بناتا ہے[1]"

شاہ ولی اللہؒ نے کئی پہلوؤں سے اپنے دور بلکہ بعد کے ادوار کو بھی متاثر کیا۔ انکی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے کمالات جمع کر دیئے تھے وہ بیک وقت اپنے عہد کے ممتاز عالم، وسیع النظر مفکر، روحانی پیشوا، ملہم من اللہ، صاحبِ طرز انشاپرداز، اعلیٰ پائے کے محقق و مصنف اور سیاسی مدبر تھے۔ ان کی سیاسی خدمات تاریخ پاک و ہند میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ایک زمانے میں تو ان کی ذات ملکی سیاسیات کا محور تھی، یہ انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ پانی پت کی دوسری جنگ میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کو ایسی عبرت ناک شکست ہوئی کہ برصغیر پر راج رام قائم کرنے سے متعلق ان کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا۔ شاہ صاحبؒ نے مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں کے خوفناک عزائم ان کی زبردست طاقت اور ان کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی کے واقعات دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ ہندوستان سے مسلمانوں کا وجود حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا چاہتے ہیں، چنانچہ اس خطرے کا اندازہ کر کے انہوں نے ہندوستان کے طاقتور اور باحمیت مسلمان حکمرانوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں مسلمانوں کی نصرت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے روہیلکھنڈ کے بہادر حکمران نواب نجیب الدولہ، نواب حافظ رحمت خاں، تاج محمد خاں بلوچ، دکن کے مسلمان حکمراں نواب نظام الملک آصف جاہ اور افغانستان کے بہادر اور اولوالعزم بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو نہایت موثر خطوط لکھ کر ان مسلم طاقتوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور پھر پانی پت میں وہ خوں ریز جنگ ہوئی جس نے ہمیشہ کے لئے مرہٹوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کے مختلف حکمرانوں کو جو سیاسی خطوط

---

[1] فیوض الحرمین ص ۸۹ مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

لکھے تھے" وہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" کے عنوان سے پروفیسر خلیق نظامی نے کتابی صورت میں شائع کردیئے ہیں، ان کے مطالعے سے شاہ صاحبؒ کی سیاسی بصیرت، مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لئے انکی دلی تڑپ اور حقیقی اسلامی نظام کے قیام کیلئے ان کی مساعی جمیلہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۱۷۶ھ میں عالم اسلام کے اس بطلِ جلیل کا انتقال ہوگیا۔ دہلی میں اپنے والدِ ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کا بیان ہے کہ جب شاہ ولی اللہ صاحبؒ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے نا امیدی ہوگئی تو تقاضائے بشریت کے تحت بچوں کی صغرسنی کی وجہ سے ان کے بارے میں تردد پیدا ہوا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ "تو کاہے کو فکر کرے ہے جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری۔" آپؒ کو اطمینان ہوگیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ اب ان کی اولاد میں بجز عبد السلام غیر تعلیم یافتہ اور کوئی نہیں۔[1]

شاہ عبد العزیزؒ

شاہ عبد العزیزؒ شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے فرزند اور سب سے زیادہ لائق اور جیّد عالم تھے۔ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر ہی سے اپنے اکابر خاندان کی طرح نہایت ذہین تھے۔ حافظہ ایسا اعلیٰ درجہ کا پایہ تھا کہ بایدو شاید۔ سر سید احمد خاں کا بیان ہے کہ "آپ نے غیر معروف کتابوں کی عبارتوں کی عبارتیں محض اپنے حافظہ پر زور دے کر شاگردوں کو لکھوا دیں اور جب اتفاقاً کتابیں دستیاب ہوئیں تو دیکھا گیا کہ جو عبارت آپ نے لکھوائی تھی اس میں من و عن کا فرق نہ تھا۔"[2]

شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی ذکاوتِ طبع، اعلیٰ درجے کے حافظے اور علم کے ساتھ اپنی طبعی دلچسپی کی بدولت تحصیلِ علوم کی منازل نہایت سرعت سے طے کرلیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان کی تعلیم و تربیت میں خاص طور پر دلچسپی لی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ عبد العزیزؒ نے پندرہ سولہ سال کی عمر میں قرآن، حدیث، تفسیر، صرف و نحو، فقہ، ہندسہ، ہیئت، فلسفہ، منطق، جغرافیہ اور تاریخ کے علوم میں کمال حاصل کرلیا۔ اپنے بزرگ اور نامور والدِ گرامی کی وفات کے وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ اس کم عمری میں وہ اپنے نابغۂ روزگار والد کی مسندِ

---

[1] ملفوظاتِ عزیزیہ ص ۱۳ ؛ [2] ارواح ثلاثہ ص ۱۹ نظرثانی مولانا اشرف علی تھانوی مطبوعہ کتب خانہ امداد الغربا سہارنپور ؛ [3] آثار الصنادید ص ۵۸ باب چہارم مولفہ سر سید احمد خاں مطبوعہ مطبع منشی نولکشور

رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے اور اس منصب کی ذمہ داریوں کو اس خوش اسلوبی اور قابلیت سے سرانجام دیا کہ بڑے بڑے علما دنگ رہ گئے۔ درس و تدریس کے علاوہ ہفتہ میں دو دن مجلسِ وعظ و تلقین منعقد کرتے تھے۔ سر سید احمد خاں کے بقول ان مجالس میں لوگ مور و ملخ کی طرح بڑی کثرت سے شریک ہوتے تھے۔ فن تقریر میں وہ کمال حاصل تھا کہ جب تقریر کرتے تو خود یگانۂ عصر حضرت شاہ ولی اللہؒ حیرت و استعجاب سے دیکھتے۔ شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد ان کی غیر معمولی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے جوہر خوب خوب چمکے اور انہوں نے اپنی ساری زندگی اپنے والدِ گرامی کے مشن کی تکمیل کے لئے وقف کر دی۔ شاہ عبدالعزیزؒ تقریر اور تحریر دونوں میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے مختلف و متضاد علوم پر نہایت بسیط اور عالمانہ کتابیں تصنیف کیں جنہوں نے نہ صرف برصغیر کے گوشے گوشے میں بلکہ ممالکِ روم و عرب میں بھی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ انہیں ہر علم اور ہر فن سے واقفیت تھی حتیٰ کہ جن علوم و فنون سے علما کو عام طور پر دلچسپی نہیں ہوتی شاہ عبدالعزیزؒ ان علوم پر بھی نگاہ رکھتے تھے چنانچہ مولانا امیر شاہ خاں صاحب خورجویؒ کا بیان ہے کہ" شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس ایک جہاز راں انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو ہر فن میں دخل ہے۔ جہاز رانی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کئے ہیں تو وہ اس (انگریز جہاز راں) کو بھی یاد نہ تھے اس کو حیرت ہوئی پوچھا تو فرمایا کہ بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی اس میں سے ہی کچھ یاد ہو گیا ہے[۱] اس واقعے سے سر سید احمد خاں کی اس رائے کی مزید تائید ہوتی کہ شاہ صاحبؒ نے نہایت اعلیٰ درجے کا حافظہ پایا تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتے تھے خواہ وہ آپ کے مذاق کی ہو یا نہ ہو اس کے مطالب آپ کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتے تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ متبحر عالم ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے بہت بڑے مفتی بھی تھے۔ ان کے فتوے اس قدر مدلل ہوتے تھے کہ بڑے بڑے مفتی اور جید علما انہیں پڑھ کر شاہ صاحبؒ کی عالمانہ بصیرت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ سلاطینِ وقت بھی ان کے غیر معمولی علمِ فتاویٰ کی وجہ سے ان کے معتقد تھے۔ چنانچہ عالم اسلام کے فاضلِ اجل ملا رشیدیؒ شاہ عبدالعزیزؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:-

---

[۱] ارواح ثلاثہ ص ۷۴ [۲] حیات طیبہ ص ۱۸

"شاہ صاحب! آپ کا کچھ ایسا اثر بلادِ اسلامیہ میں ہوا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علما اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتوے میں آپ کی مہر کا متلاشی رہتا ہے اور وہ فتویٰ جب تک اس پر آپ کی مہر نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آدیں تو ہم لوگوں کے لئے بڑے افتخار کی بات ہے اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں[۵]۔"

جن لوگوں نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے وہ ملا رشیدیؒ کی اس رائے کو مبالغہ پر مبنی قرار نہیں دیں گے۔ بلاشبہ انکی کتابوں سے علم کے چشمے پھوٹتے محسوس ہوتے ہیں اور حکمت کے دریا بہتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے فاضلِ اجل والدِ گرامی کی طرح کثیر التصانیف مصنف نہ تھے مگر انہوں نے جتنی کتابیں بھی لکھیں ان میں سے ہر کتاب اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ کتابیں مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں مثلاً تفسیر، حدیث، تاریخ، منطق، مناظرہ اور عقاید ان میں سے کچھ کتابیں عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں، ذیل میں ان کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کی تصانیف

۱۔ تفسیر فتح العزیز (فارسی) ۲۔ بستان المحدثین (فارسی) ۳۔ عجالۂ نافعہ (فارسی) ۴۔ تحفۂ اثنا عشریہ (فارسی) ۵۔ عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس (عربی) ۶۔ شرح میزان المنطق (عربی) ۷۔ سر الشہادتین (عربی) ۸، ۹۔ علم منطق اور علم عقائد کی دو مشہور کتابوں بدیع المیزان اور شرح عقائد کے حواشی (عربی، غیر مطبوعہ) ۱۰۔ ہدایت المومنین (اردو) ۱۱۔ تقریر دلپذیر فی شرح عدیم النظیر (فارسی)

شاہ عبدالعزیزؒ کے ملی احساسات

شاہ عبدالعزیزؒ اپنے والدِ گرامی کی طرح عربی اور فارسی زبانوں کے مسلم الثبوت ادیب و شاعر بھی تھے انہوں نے اپنے اساتذہ، اپنے معاصرین اور اپنے شاگردوں کو جو خطوط لکھے ہیں ان سے شاہ صاحبؒ کی

۵۔ حیاتِ طیبہ ص۱۸۱

شاعرانہ صلاحیتوں اور ادب و انشاء میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان مکتوبات میں بعض نظمیں خاص طور سے قابلِ مطالعہ ہیں جن سے آپ کے ان جذبات و احساسات کا پتا چلتا ہے جو برصغیر میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے متعلق آپ کے دل و دماغ میں موجزن تھے۔ ان نظموں میں آپ نے دلی کی تباہی، اسلام کی غربت و مسکینی اور سکھوں اور مرہٹوں کی غارت گری کا نہایت موثر نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ دہلی اور کابل کے مابین مسلم اکثریت کا علاقہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کے انحطاط کے متعلق اپنے دوستوں اور بزرگوں کو خطوط لکھنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس صورتِ حال کے تدارک اور برصغیر میں مسلمانوں کی بحالیٔ عظمت کیلئے موثر قدم بھی اٹھایا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک انہی کی تربیت و تربیت کی مرہونِ منت تھی۔ سید صاحبؒ کو تعلیم و تربیت دے کر انہوں نے وسطِ ہند کے بہادر دوالوالعزم افغان سردار نواب امیر خاں کے پاس بھیجا تاکہ اسکے لشکر میں رہ کر وہ فنونِ جنگ کی تربیت حاصل کریں اور اس کی امداد سے سکھوں کا استیصال کر کے پنجاب و سرحد کے مظلوم مسلمانوں کو اس ظلمِ عظیم سے نجات دلائیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ کی بصیرت

شاہ عبدالعزیزؒ اس روشن ضمیر باپ کے بیٹے تھے جس کی روحانی بصیرت ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کمال سے شاہ عبدالعزیزؒ کو حصۂ وافر ملا تھا۔ آپؒ کی بصیرت کا ایک حیرت انگیز واقعہ مولانا امیر شاہ خاں صاحب خورجوی نے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں "مولوی عبدالقیوم صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف صاحب فرماتے تھے کہ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اب ہندوستان کی سلطنت حکماء کے ہاتھ میں آگئی ہے ان کے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ یہ روایت میں نے مولوی یوسف صاحب سے بلا واسطہ بھی سنی ہے اور بواسطہ مولوی محی الدین خاں صاحب مرادآبادی بھی سنی ہے۔"[1]

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ شاہ صاحبؒ کی پیش گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔ بلاشبہ انگریزوں نے بڑی حکمت و دانش سے حکومت کی اور دو سو سال تک وہ اس ملک کے حکمران رہے۔

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص۳۴ نظرِ ثانی مولانا اشرف علی تھانوی

شاہ عبدالعزیزؒ کے تلامذہ

شاہ عبدالعزیزؒ بنیادی طور پر معلّم تھے۔ اس کے بعد مصنّف۔ معلّم کی حیثیت سے انہوں نے دین اور علوم کی جو گراں بہا خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ اسلام کا مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گا "مدرسۂ رحیمیہ" جس کے وہ صدر مدرس اور ناظم اعلیٰ تھے، دراصل ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی دارالعلوم تھا جس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے طول و عرض بلکہ کابل، و غزنی اور قندھار و ہرات تک سے طالبانِ علم آتے اور علم کی پیاس بجھاتے۔ شاہ عبدالعزیزؒ صرف معلم ہی نہ تھے بلکہ اخلاقیات کے بہت بڑے ماہر بھی تھے۔ انکی ذاتی اور نجی زندگی نہایت پاکیزہ تھی۔ وہ تقویٰ کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے۔ ان کے اخلاقی اوصاف کا انکے شاگردوں پر بھی گہرا اثر پڑا اور انہوں نے اپنی ذاتی توجہ سے اپنے شاگردوں کی اخلاقی تربیت کر کے انہیں اس بلندی پر کھڑا کر دیا کہ وہ علم و فضل کے علاوہ اخلاقی اعتبار سے بھی عوام و خواص دونوں کیلئے قابلِ تقلید نمونہ بن گئے۔ اس طرح شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا مشن جاری رکھنے کے لئے ایسے افراد کی ایک کھیپ تیار کی جو ایک طرف علومِ دین میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے اور دوسری طرف ان میں ایسا جوہر پیدا ہو گیا تھا جس کی تابانی و درخشانی بگڑے ہوئے معاشرے کو راہِ راست دکھاتی تھی۔ آج ان کے شاگردوں کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ ان شاگردوں میں یقیناً بڑے بڑے فاضل اور صاحب کردار لوگ بھی ہوں گے۔ ذیل میں شاہ صاحبؒ کے صرف ان چند شاگردوں کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے تاریخ کے صفحات میں شہرت و ناموری اور بقائے دوام حاصل کی۔

شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ عبدالغنیؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، شاہ محمد اسحاق مہاجرؒ، مفتی صدرالدین خاںؒ آزردہ، شاہ غلام علیؒ، مولانا شاہ مخصوص اللہؒ، مولانا عبدالحیؒ مولوی رشیدالدین خاںؒ دہلوی، مولوی میر محبوب علیؒ، شاہ محمد یعقوبؒ، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ مولانا حسن علی لکھنویؒ، مولانا حسین احمد ملیح آبادیؒ، مولوی محمد قاسمؒ، علامہ فضلِ حق خیرآبادیؒ۔ سید عبدالخالقؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ، مولانا سلامت اللہ بدایونیؒ، شاہ ابوسعیدؒ، حکیم فیاض خاں بلاسپوریؒ، شاہ احمد سعید مجددیؒ، مولانا خرم علی بلہوریؒ، مولوی محمد شکور مچھلی شہریؒ، مولوی سید حیدر علیؒ، سید جیلانی فاروقیؒ، مولانا شاہ ظہور الحق قادری پھلواریؒ

مولوی عیاض خاںؒ، سید جیلانی فاروقیؒ، شاہ رحمٰن بخش چشتیؒ، شیخ فضل حقؒ کاکوروی اور مولوی سید رمضان علیؒ
ان میں سے ہر شاگرد علم و فضل میں ممتاز تھا اور بیشتر سیرت و کردار میں شاہ صاحب کی تصویر معلوم ہوتے تھے ۔
وہی بے نفسی، حق گوئی اور مسائل دین کے اظہار میں بے خوفی جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی فطرت کا نمایاں جوہر تھا
آپؒ کے شاگردوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ چنانچہ مشہور بزرگ مولانا امیر شاہ خاں خورجوئی شاہ عبدالعزیزؒ کے
ایک شاگرد مولوی محبوب علی صاحبؒ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ :۔

"غدر میں بہت علما مخالف تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے، انہی میں مولوی میر محبوب علی صاحبؒ بھی
تھے اور آپ وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کو غدر سے روکتے تھے۔ جب غدر فرد ہوا تو انگریزوں
کی طرف سے ان کو گیارہ گاؤں سالم انعام میں دیئے گئے اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ
لے کر خود مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپ کی وفاداری کے صلے میں
آپ کو گیارہ گاؤں عطا کئے ہیں اور یہ پروانۂ معافی ہے۔ مولوی صاحب یہ سن کر نہایت برہم ہوئے
اور پروانہ لے کر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لئے یہ کام کیا
تھا، میرے نزدیک مسئلہ یوں ہی تھا اس لئے میں لوگوں کو منع کرتا تھا"[1]

شاہ عبدالعزیزؒ کے ہاں اولادِ نرینہ پیدا نہیں ہوئی۔ تین صاحبزادیاں تھیں جو صاحب اولاد ہو کر آپ کی زندگی ہی
میں فوت ہو گئیں۔ آخر علم و فضل کا یہ آفتاب بھی، شوال المکرم ۱۲۳۹ھ کو غروب ہو گیا۔

شاہ رفیع الدینؒ

شاہ ولی اللہؒ کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین تھے، یہ شاہ عبدالعزیزؒ سے چھوٹے اور اپنے برادرِ
اکبر کی طرح علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی، اس زمانے کے
جید علماء کے علاوہ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہؒ سے بھی تعلیم حاصل کی، قرآن، حدیث، تفسیر، فلسفہ، منطق،
ادب و انشا اور علم کلام کی تکمیل کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ سے تفسیر و حدیث کی سند حاصل کی، حافظہ نہایت اعلیٰ
درجہ کا پایا تھا، نہایت ذہین انسان تھے۔ علمی قابلیت اور قادر الکلامی کا یہ عالم تھا کہ بیک وقت متضاد
علوم کی تعلیم دیتے اور جب ایک علم کا درس دینے کے بعد فوراً دوسرے علم کی تدریس کی طرف متوجہ ہوتے

[1] ارواح ثلاثہ ص۱۲۴ نظرثانی مولانا اشرف علی تھانوی

تو کسی قسم کا تکلف یا انقطاع محسوس نہ ہوتا۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ آخری عمر میں نہایت ضعیف ہو گئے تھے اور مختلف عوارض نے آپ کو اس قدر مضمحل کر دیا تھا کہ تعلیم و تدریس کی ذمہ داریاں ادا کرنا آپ کیلئے ممکن نہ رہا تھا۔ اس دور میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ ہی نے اس خلا کو پُر کیا اور شاہ عبدالعزیزؒ کے فرائض کو اس خوش اسلوبی سے ادا کیا کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء دنگ رہ گئے۔

سخاوت اور خدمتِ خلق

شاہ رفیع الدینؒ جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی لحاظ سے بھی نہایت عالی مرتبت تھے۔ بیحد منکسر المزاج، نہایت حلیم الطبع، بہت غیور اور متانت و سنجیدگی کا اعلیٰ نمونہ۔ جود و کرم اور سخاوت آپکی سیرت کا گراں بہا جوہر تھا۔ توکل علی اللہ کے اس بلند مقام پر فائز تھے کہ شاہ عبدالغنیؒ کے علاوہ آپکے معاصرین میں آپ کی نظیر نہ ملتی تھی، آپ کی سخاوت اور خدمتِ خلق کا ایک ایمان افروز واقعہ "ارواحِ ثلاثہ" کے حوالے سے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

امیر شاہ خاں صاحب خورجویؒ کا بیان ہے کہ "چار شخص شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ صاحبؒ) کے خاندان میں بہت سخی تھے۔ ایک شاہ رفیع الدین صاحبؒ، آپکی نسبت سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ ان کا کیسہ زر خالی رہتا تھا۔ یہ مکان سے باہر چبوترے پر بیٹھا کرتے تھے اور اس پر فرش نہ ہوتا تھا بلکہ صرف چٹائی ہوتی تھی۔ اور کبھی چٹائی بھی دیدیتے تھے اور خالی زمین پر بیٹھتے تھے۔ سارے محلے کی عورتوں کا کام کیا کرتے تھے۔ ایک روز شاہ صاحب عورتوں کا سودا خریدنے گئے۔ چونکہ سودے مختلف اور متعدد تھے۔ اسلئے اول انہوں نے رومال میں باندھے، جب رومال میں گنجائش نہ رہی تو کرتے میں لے لئے جب اس میں بھی گنجائش نہ رہی اور ایک سودا باقی رہ گیا تو اسے ٹوپی میں لے لیا۔ ایک معتقد میاں جی محمدی نے عرض کیا کہ حضرت دال مجھے دیدیجئے اور ٹوپی خالی کر کے اوڑھ لیجئے۔ تو آپ نے فرمایا نہیں مسلمان کی ہر چیز کام میں آنی چاہیئے۔"[1]

شاہ رفیع الدینؒ اپنے والد گرامی شاہ ولی اللہؒ کی طرح کثیر التصانیف بزرگ نہ تھے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ کا دامن کمال تالیف و تصنیف کے جواہرِ آبدار سے خالی تھا۔ آپ نے بعض نہایت مفید کتابیں تصنیف کیں جن میں اسرار المحبۃ، تکمیل الاذہان، قیامت نامہ، مقدمۃ العلم، دافع الباطل،

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص ۴۱

کتاب التکمیل، رسالہ عروض، تفسیر آیہ نور اور حملۃ العرش کی تحقیق میں ایک فاضلانہ رسالہ شاہ رفیع الدینؒ کی علمی و ذہنی بلندی کا پتا دیتا ہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن حکیم کا اردو ترجمہ ہے یہ سب سے پہلا اردو ترجمہ ہے اور لفظی ہے، یہ واحد ترجمہ ہے جو ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک قابلِ اعتماد اور قابلِ قبول ہے۔ جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ کر کے کتاب اللہ کی تعلیمات کو فارسی داں لوگوں کیلئے قابلِ فہم و قابلِ عمل بنایا۔ اسی طرح شاہ رفیع الدینؒ کا یہ کارنامۂ عظیم اسلامی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ آپ نے قرآنِ حکیم کا اردو میں ترجمہ کر کے کلامِ الٰہی کو مسلمان عوام کی اس عظیم اکثریت کیلئے قابلِ فہم بنایا جو نہ عربی جانتی تھی نہ فارسی۔

اپنے اسلاف اور اکابرِ خاندان کی طرح شاہ رفیع الدینؒ بھی عربی و فارسی کے نہایت اچھے انشاپرداز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر و سخن کا بھی بڑا ستھرا مذاق عطا فرمایا تھا۔ خود شاعر تھے، معراجِ نبوی پر آپ کا قصیدہ خاصے کی چیز ہے۔ نفس کے متعلق ایک مخمس بھی آپ کی یادگار ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدینؒ عربی زبان کے نہایت قادر الکلام شاعر تھے۔ یہ مخمس دراصل حکیم بو علی سینا کے قصیدے کا جواب ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نظم کیا تھا۔ شاہ رفیع الدینؒ نے اس کی تضمین کر کے مخمس کی صورت دی۔

شاہ رفیع الدینؒ کے چار فرزند تھے شاہ محمد موسیٰؒ، مولوی شاہ مخصوص اللہ، مولوی شاہ محمد عیسیٰؒ۔ اور مولوی شاہ حسن جانؒ، ان میں سے مولوی مخصوص اللہ نے بہت شہرت و ناموری اور مقبولیت حاصل کی۔ آخر ستر سال کی عمر پا کر شاہ رفیع الدینؒ نے ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی اور دہلی میں اپنے والد بزرگوار کے قریب دفن کئے گئے۔

شاہ عبد القادرؒ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تیسرے فرزند شاہ عبد القادر تھے، شاہ رفیع الدینؒ سے چھوٹے اور فضل و کمال میں اپنے دونوں برادرانِ اکبر کے جانشین تھے، ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے نہایت متین و سنجیدہ اور ذہین و طباع تھے تعلیم اپنے عہد کے علما و فضلا کے علاوہ اپنے والد ماجد اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے حاصل کی اور تمام علوم مروجہ میں کمال حاصل کر لیا۔ قرآن فہمی اور اسکے اسرار و رموز بیان

کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے علوئے مرتبت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے قرآن حکیم کی تعلیم آپ ہی سے حاصل کی تھی، علمی فضیلت کے علاوہ آپکو دنیوی وجاہت بھی حاصل تھی، بادشاہِ وقت اور قلعہ معلّی کے شاہزادے آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے اور آپ سے مشورے اور رہنمائی حاصل کرتے۔ شہر کے اکابر اور رؤسا بھی آپ کے ساتھ نہایت اعزاز و احترام سے پیش آتے، شاہ صاحبؒ کے ایک تذکرہ نگار کا بیان ہے کہ :-

"اگرچہ درویش صفت انسان تھے مگر رؤسائے شہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، بسببِ ادب کے خاموش بیٹھتے اور بدون آپ کی تحریک کے مجالِ سخن نہ پاتے اور ایک یا دو بات سے زیادہ منہ سے نہ نکلتی"[1]

اس دنیوی وجاہت کے باوجود آپکے مزاج میں وہی درویشی اور انکسار تھا جو آپ کے اہل خاندان کا خاصہ تھا۔ لوگوں سے خواہ وہ کسی حیثیت کے ہوں نہایت اخلاق و تواضع سے پیش آتے شریعت کی نہایت سختی سے پابندی کرتے اور دوسروں کو بھی پابندیٔ شریعت کی تلقین کرتے۔ جب کسی شخص کی غیر اسلامی طرزِ بود و باش دیکھتے تو اسکی اس طرح اصلاح فرماتے کہ وہ فوراً اس روش کو ترک کر دیتا۔ سنت نبوی کی پیروی میں غلط کار لوگوں کو ان کا نام لیکر سرِ عام کبھی نہ ٹوکتے بلکہ تنہائی میں بھی کسی شخص کو اس طرح مخاطب نہ فرماتے کہ جس سے اسے احساس ہو کہ اس پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ وعظ فرما رہے تھے، اسی دوران میں ایک شخص کو دیکھا کہ اسکا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا ہے، وعظ ختم کرنیکے بعد اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جائیے، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے، اس کے بعد اسے خلوت میں لیگئے اور فرمایا کہ "بھائی! میرے اندر ایک عیب ہے، کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور اسکے متعلق حدیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں اور اپنا پائجامہ دکھانے کیلئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ خوب غور سے دیکھنا کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے اس شخص نے شاہ صاحبؒ کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ حضرت آپکے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا البتہ میرے اندر ہے مگر اس طریق سے آجتک مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا، اب میں تائب ہوتا ہوں، انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا"[2]

اس اخلاقِ عالیہ اور منکسر المزاجی کے باوجود علم اور اسکے وقار کا بہت خیال رکھتے تھے، شاگرد

---

[1] واقعات دار الحکمت دہلی ص ۵۸۶ [2] ارواح ثلاثہ ص ۵۶

خواہ کتنے ہی بڑے مرتبے کا مالک اور رئیس زادہ یا شہزادہ کیوں نہ ہو وہ اس سے یہی توقع کرتے کہ جب حصولِ علم کیلئے آئے تو عام شاگردوں کی طرح آئے۔ جس شاگرد میں درس کیلئے آتے وقت بھی شاہانہ خو بو محسوس کرتے اسے پڑھانے سے انکار کر دیتے۔ چنانچہ شاہ صاحب کے ایک تذکرہ نویس کا بیان ہے کہ علامہ فضل حق اور مفتی صدر الدین صاحب "جس روز خود کتاب لیکر جاتے اس روز شاہ عبد القادر صاحب سبق پڑھاتے تھے اور جس روز اپنی کتابیں خدمتگار سے اٹھوا کر لاتے اس روز سبق نہ پڑھاتے"۔[1]

نہایت صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ بعض واقعات کے متعلق از روئے کشف آپ نے قبل از وقت پیش گوئی کی اور وہ من وعن پوری ہوئی۔ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کا بیان ہے کہ شاہ عبد القادر صاحب سے کرامات کا اس زور شور سے صدور ہوتا ہے جیسے خزاں کے زمانے میں پت جھڑ ہو یا بارش کے وقت بوندیں گرتی ہوں"۔[2]

دنیا اور علائقِ دنیا سے زیادہ محبت نہ تھی۔ اپنی زندگی ہی میں اپنی کل جائیداد قانونِ شریعت کے مطابق اپنی صاحبزادی اور اپنے بھائیوں کے نام کر دی تھی۔ چونکہ مولوی اسماعیل صاحب شہید سے آپ کو بہت محبت تھی اور آپ نے انکو متبنٰی بھی بنا لیا تھا اسلئے اپنی بیٹی اور بھائیوں کی اجازت سے کچھ حصہ انکے نام بھی کر دیا تھا اور خود متوکل ہو کر بیٹھ گئے تھے اور یہ بھی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ نہ لیتے تھے۔ شاہ عبد العزیز سے انکو محبت تھی اسلئے شاہ صاحب دونوں وقت نہایت اہتمام سے ان کیلئے کھانا بھجوایا کرتے تھے اور جب کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو کپڑے بھی شاہ صاحب ہی بنا دیا کرتے تھے۔[3]

تصنیفی کارنامے

شاہ عبد القادر کو عبادت و ریاضت اور تعلیم و تدریس کی مصروفیات کی وجہ سے تالیف و تصنیف کی طرف توجہ دینے کا وقت نہ مل سکا۔ قرآن حکیم کا اردو ترجمہ اور "موضح القرآن" صرف یہ دو آپ کی تالیفی و تصنیفی یادگاریں ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی دو کارنامے تصنیفی دنیا میں آپ کا نام ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ قرآن حکیم کا اردو ترجمہ سب سے پہلے شاہ عبد القادر کے برادر اکبر شاہ رفیع الدین صاحب نے کیا تھا مگر وہ لفظی ترجمہ تھا۔ شاہ عبد القادر نے بامحاورہ ترجمہ کر کے ایک عظیم الشان دینی و علمی کارنامہ

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص۴۹ [2] ارواحِ ثلاثہ ص۵۰ [3] ارواحِ ثلاثہ ص۵۲

سرانجام دیا، یہ ترجمہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں یکساں مقبول ہوا۔ اس ترجمے کی زبان نہایت سلیس ہے اس میں بڑا اثر اور جذب ہے۔ فقرے چھوٹے چھوٹے اور عبارت نہایت فصیح و بلیغ۔ اس ترجمے کو دیکھ کر ایک جید عالم نے بجا کہا تھا کہ:

"اگر قرآن مجید اردو زبان میں نازل ہوتا تو وہ انہی محاورات کے لباس سے آراستہ ہوتا جن کی رعایت جناب مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس ترجمہ میں پیش نظر رکھی ہے"[1]

شاہ عبدالقادرؒ کا دوسرا کارنامہ "موضح القرآن" ہے، قرآن حکیم کے مطالب کو سمجھنے اور اس کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونے کیلئے اردو زبان کی یہ سب سے پہلی اور نہایت مفید کتاب ہے جس کے مطالعے سے شاہ عبدالقادرؒ کی روحانیت اور اس طبعی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے جو آپ کو قرآن کے ساتھ تھا افسوس کہ ۱۲۳۰ھ میں یہ فاضل اجل اور عاشقِ قرآن علائقِ دنیا سے قطعِ تعلق کر کے مولائے حقیقی سے جا ملا۔

شاہ عبدالغنی رح

حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے فرزند شاہ عبدالغنیؒ تھے ۱۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ خاندانی رواج کے مطابق پانچویں سال میں تعلیم کا آغاز کر دیا گیا، آپ نے خداداد فراست اور علم سے طبعی تعلق کی بنا پر تحصیلِ علوم کے مراحل بڑی تیزی سے طے کر لئے۔ تمام علوم میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ حدیث اور فقہ کی تعلیم اپنے برادرِ بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کی، علم و فضل اور روحانی بلندی میں اگرچہ اپنے برادرانِ گرامی کے ہم پلّہ تھے مگر عمر نے وفا نہ کی اور سب سے پہلے فوت ہو گئے۔ پھر ہمیشہ گوشہ نشیں رہے اسلئے اُنکی شہرت زیادہ نہ ہو سکی اور باغِ اسلام اس گلِ نوبہار کے رنگ و بو سے زیادہ عرصے زینت نہ پا سکا مگر جن لوگوں کی اس بحرِ علم و معرفت تک رسائی ہو گئی انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ اسکی گہرائی میں کیسے کیسے گوہرِ آبدار پوشیدہ تھے۔ آپ نے ساری عمر درس و تدریس میں گذار دی۔ نہایت مستغنی المزاج بزرگ تھے۔ گھر میں کئی کئی دن فاقے ہوتے تھے۔ شاگردوں میں بڑے بڑے امیر زادے اور رئیس زادے شامل تھے مگر کسی کا احسان لینا گوارا نہ کیا۔ ایک بار آپ کی خادمہ کی زبانی مولوی صدرالدین خاں آزردہ کو جو دہلی کے صدر الصدور تھے کسی طرح معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحب کے یہاں کئی روز سے فاقہ ہے

[1] حیاتِ ولی صـ۴۲۶

انہوں نے تین سو روپے کی رقم بھیجی، شاہ صاحبؒ نے قبول نہ کی۔ مفتی صاحب خود حاضر ہوئے اور اصرار کیا کہ یہ رشوت کی نہیں میری جائز اور محنت کی کمائی ہے، آپ قبول کر لیں۔ فرمایا کہ "میں تمہاری نوکری کو پسند نہیں کرتا اس لئے معذور ہوں"[1]

شاہ صاحبؒ کی خودداری کا ایک اور واقعہ صاحبِ "ارواح ثلاثہ" نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

ایک بار مفتی صدر الدین خاں آزردہ نے مطالعے کی غرض سے چند کتابیں شاہ عبدالقادرؒ سے عاریتہً منگوائیں۔ انکی جلدیں شکستہ تھیں۔ مفتی صاحبؒ نے نئی جلدیں بندھوا کر کتابیں واپس کر دیں، شاہ صاحبؒ نے یہ نئی جلدیں توڑ دیں اور مفتی صاحب کو پیغام بھیجا کہ ہمارے وہی پرانے پھٹے بھیج دو[2]۔

آپؒ کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ شاہ عبدالغنیؒ اپنے سب بھائیوں میں وضع لباس اور خُلق کے اعتبار سے اپنے والد ماجد کے بہت مشابہ تھے[3]۔ ایک تذکرہ نگار لکھتا ہے کہ شاہ صاحبؒ شکل و صورت میں اپنے والد گرامی سے اس قدر مشابہ تھے کہ جس نے ان کو دیکھا اس نے حضرت شاہ ولی اللہ کو دیکھ لیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ "جس قدر نفس سے دُوری ہے اسی قدر قربِ حق تعالیٰ حاصل ہے"[4]۔

علمی کمالات کے علاوہ اپنے اوصافِ حمیدہ اور فیوضِ باطنی کے لحاظ سے بھی شاہ عبدالقادرؒ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ اتباعِ شریعت کی پابندی نہایت سختی سے کرتے تھے۔ بہت محتاط زندگی گذارتے تھے اور دوسروں خصوصاً اپنے شاگردوں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ جن لوگوں کو بدعات کی طرف راغب پاتے انہیں مطلق پسند نہ کرتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی عزیز سے عزیز شاگرد بھی انکے دینی معیار پر پورا نہ اترتا تو اسے بھی سندِ فراغت عطا نہ کرتے، "مولوی محمد حسین مرادآبادی کے والد مولوی احمد حسن شاہ عبدالغنیؒ کے شاگرد تھے مگر اعمال وغیرہ میں بدعات کا رنگ تھا قوالی سنتے تھے عرسوں وغیرہ میں بھی شریک ہوتے تھے اسوجہ سے شاہ عبدالغنیؒ نے ان کو حدیث کی سند بھی نہ دی"[5]

۵۷ سال کی عمر پاکر شاہ عبدالغنیؒ ۱۲۲۷ھ میں فوت ہو گئے، ایک فرزند اپنی یادگار چھوڑا جس کا نام محمد اسماعیل تھا، یہی محمد اسماعیل تاریخِ اسلام میں حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مقدس و معزز نام سے مشہور ہوئے آئندہ صفحات میں ہم شاہ اسماعیل شہیدؒ کے سوانح حیات سیرت و کردار تعلیمات و ارشادات عسکری زندگی اور آپکی شہادت کے واقعات مختلف ابواب کے تحت بیان کریں گے۔

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۳۳ [2] ارواح ثلاثہ صفحہ ۳۹ [3] واقعات دارالحکومت دہلی صفحہ ۵۹ [4] ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۹ [5] ارواح ثلاثہ صفحہ ۱۲

شاہ اِسمَاعیل شہیدؒ

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو اپنے نانہال بمقام پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ والدین نے محمد اسماعیل نام رکھا۔ خاندانی بزرگی اور ذاتی تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے شاہ اسماعیلؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ والدِ ماجد کا اسم گرامی شاہ عبدالغنیؒ اور والدہ ماجدہ کا نام نامی فاطمہؒ تھا۔ آپ کی پیدائش کے وقت والدہ مکرمہ نہایت کمزور تھیں اسلئے حضرت شاہ عبدالغنیؒ کی رائے تھی کہ آپؒ کو کسی شریف انا کا دودھ پلایا جائے" مگر شاہ اسماعیلؒ کی والدہ نے اپنی جسمانی کمزوری کے باوجود اپنے فرزند کو کسی دایہ کے سپرد کرنے کی بجائے خود دودھ پلایا اور اس وقت تک پلاتی رہیں جب تک کہ شرعی مدت پوری نہ ہو گئی۔

بچپن اور جوانی

شاہ اسماعیلؒ والدہ محترمہ کی جسمانی کمزوری کی وجہ سے پیدائش کے وقت دبلے پتلے تھے نوجوانی اور جوانی میں بھی آپؒ فربہ اندام نہ ہوئے بلکہ آخر وقت تک بدن اکہرا ہی رہا مگر ورزش کرنے اور سپاہیانہ فنون کی تربیت حاصل کرنے کی وجہ سے آپؒ کا جسم نہایت مضبوط ہو گیا تھا اور اس میں بلا کی طاقت اور حیرت انگیز پھرتی اور چستی پیدا ہو گئی تھی۔ ابتدائے عمر ہی سے نہایت حلیم و بردبار تھے۔ بچپن میں بھی ایسے خوش خلق اور ملنسار کہ محلے کے بچے آپ کے ساتھ کھیلنے میں نہایت خوش رہتے تھے مگر اپنے خاندان کے دوسرے بچوں کی طرح سنجیدہ نہ تھے۔ آپ کے ایک تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ:۔

لہ حیاتِ طیبہ صفحہ ۱۷ مولفہ مرزا حیرت دہلوی۔ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

"شاہ عبدالغنی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ کچھ ایسا چپ اور غریب ہے کہ رونا مطلق نہیں جانتا"[۱] اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ شاہ اسماعیلؒ نہایت خاموش طبع اور سنجیدہ بزرگ تھے، در اصل شاہ عبدالغنیؒ کا یہ ارشاد اس زمانے کے متعلق ہے، جب شاہ اسماعیلؒ شیر خوار تھے مگر لڑکپن اور نوجوانی کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد یہ کیفیت نہ تھی۔ بعض بزرگوں کی ثقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خاندان کے دوسرے بچوں کے برعکس آپؒ شروع ہی سے شوخ مزاج تھے۔ ابتدائے عمر میں طبیعت کا رجحان کھیل کود کی طرف زیادہ رہتا تھا، میلوں ٹھیلوں میں بھی بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، بچپن میں پتنگ اڑانے کا بھی شوق تھا اور اکثر اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر اس شغل سے دل بہلاتے تھے، نوجوانی میں شطرنج بھی کھیلتے تھے۔

بڑوں کا ادب

شاہ صاحبؒ نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی تھی وہ ہمارے دور کی طرح مسائل سے بھرپور معاشرہ نہ تھا، بے فکری عام تھی، لوگ آزاد منش تھے، چنانچہ شاہ صاحبؒ نے بھی ابتدا میں اس معاشرے سے اثر قبول کیا، ہمارے تذکرہ نگاروں کا عام انداز یہی ہے کہ جب وہ کسی شخص کو ہیرو کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو اسے ہر لحاظ سے آسمانی مخلوق کا ایک ممتاز ترین فرد بنا کر پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ بات اصولِ تذکرہ نویسی اور قاعدۂ تاریخ نگاری دونوں کے خلاف ہے، واقعات کو ان کی حقیقی شکل میں پیش کرنا چاہیئے، شاہ اسماعیلؒ بھی اسی دنیا کے ایک فرد تھے، اسلئے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوئے جو چیز قابل ذکر ہے وہ یہ کہ ان کی سلامتیٔ طبع جو انہیں ورثے میں ملی تھی ہر حال میں ہر رنگ پر غالب رہی، حیا، شرم اور بزرگوں کا ادب حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کا خاصا تھا حضرت شاہ اسماعیلؒ کو بھی اس صفتِ کاملہ سے حصۂ وافر ملا تھا اور اپنے بزرگوں کا ادب ابتدا ہی سے انکی فطرت کا نمایاں جوہر تھا، چنانچہ انکے ایک تذکرہ نگار کا بیان ہے کہ "مولانا شہیدؒ ابتدا میں نہایت آزاد تھے۔ کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے کنکوا (پتنگ) بھی اڑاتے تھے، شطرنج بھی کھیلتے تھے مگر باوجود اس آزادی کے

---

[۱] حیاتِ طیبہ صد ۱۸

بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑا رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں۔ مخالف کے پتنگ کو کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادرؒ صاحب حجرے سے نکلے اور آواز دی "اسماعیل"! یہ آواز سنتے ہی جواب دیتے "حضور"! اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔ کھیل کود سے شاہ اسماعیلؒ کی یہ دلچسپی اور آزادروی آپؒ کے حصولِ تعلیم کے عمل پر مطلق اثر انداز نہ ہوئی اور نہ ان مشاغل نے آپ کے اخلاق و کردار پر کوئی ناخوشگوار اثر ڈالا۔ جلد ہی آپؒ کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آگیا جس نے آپؒ کے دل و دماغ کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

حصولِ تعلیم

شاہ صاحبؒ کی عمر چھ سال کی تھی کہ آپؒ کو حصولِ علم کیلئے مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ ایک بزرگ معلّم کو آپؒ کی تعلیم کیلئے مقرر کیا گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں آپؒ نے قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ برصغیر کے لاتعداد حفّاظ میں یہ فخر و سعادت شاہ اسماعیل صاحبؒ کو حاصل تھی کہ آپؒ نے قرآن حکیم کو طوطے کی طرح رٹ لینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے معلّم کی رہنمائی میں کلام الہٰی کے مفہوم و مطالب بھی ازبر کر لئے۔ اسکے بعد آپؒ کے والد گرامی نے آپؒ کی تعلیم کا فریضہ خود سرانجام دینا شروع کیا اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھا کر معقول اور فقہ پڑھانا شروع کیا۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ آپؒ نے دو تین سال میں صرف و نحو پر ایسا عبور حاصل کر لیا کہ اچھے اچھے صرفی و نحوی رشک کرنے لگے۔ اس دوران میں شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد شاہ اسماعیلؒ کے عمِ بزرگوار حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے آپکی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے یتیم بھتیجے کی پرورش اپنے فرزندوں کی طرح کی اور انکی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرمائی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے علاوہ اس عہد کے فاضل جلیل مولانا مولانا عبدالحئیؒ سے بھی آپ نے تعلیم حاصل کی۔ فلسفہ و منطق کی تحصیل کے بعد آپ نے شاہ عبدالعزیزؒ سے حدیث پڑھنی شروع کی۔ تکمیل حدیث کے بعد فقہ کی تعلیم مکمل کی۔

علمِ ریاضی اور علومِ جغرافیہ و تاریخ کسی زمانے میں خاص مسلمانوں کے علوم سمجھے جاتے تھے اور عالمِ اسلام نے ان علوم کے بڑے بڑے فاضل بلکہ یگانۂ روزگار عالم پیدا کئے مگر افسوس کہ ہندوستان

لہ ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۹۰

کے مسلمان علمانے ان علوم کو شجرِ ممنوعہ سمجھ لیا بعض نے تو قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ کے علاوہ دوسرے علوم پڑھنا کفر قرار دیدیا تھا چنانچہ صاحب تفسیر مدارک کا یہ شعر ہمارے اس دعوے کی تائید کرتا ہے کہ ؎

علمِ دین فقہ است و تفسیر و حدیث　　　ہر کہ خواند بیش ازیں گردد خبیث

یعنی علم دین نام ہے فقہ، تفسیر اور حدیث کا جو شخص اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ کوئی علم حاصل کرتا ہے وہ خبیث ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ البتہ برصغیر کے علمی خاندانوں میں شاہ ولی اللہ کا خانوادہ ایک ایسا منفرد و ممتاز خاندان تھا کہ جس میں قرآن و حدیث اور تفسیر و فقہ کے ساتھ ساتھ علم ریاضی، علم جغرافیہ اور علم تاریخ کی تحصیل لازمی قرار دے دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس خانوادے کے علما میں حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بڑے پائے کے مورخ اور جغرافیہ داں عالم پیدا ہوئے، شاہ اسماعیلؒ بھی اسی بزرگ اور علمی خاندان کے فرد تھے، انہوں نے اپنے اپنے اسلاف کی روایات پر عمل کرتے ہوئے ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ کے علوم میں وہ دسترس اور مہارت حاصل کی کہ آج اس پر یقین کرنا بھی مشکل ہے، علم تاریخ اور علم جغرافیہ سے انہیں غیر معمولی شغف تھا اور ہندوستان کی تاریخ کا وہ بڑی دلچسپی اور غور سے مطالعہ کیا کرتے تھے، غرض سولہ سال کی عمر میں شاہ اسماعیلؒ نے قرآن، حدیث، تفسیر، فلسفہ، منطق، کلام، فقہ، ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ کے علوم پر مکمل عبور حاصل کر لیا۔

ذہانت و طبّاعی

شاہ اسماعیلؒ اپنے عہد کے غیر معمولی ذہین و فہیم اور طبّاع انسان تھے۔ ان کی ذہانت و طباعی کا مظاہرہ ابتدائے عمر ہی سے شروع ہو گیا تھا، انہیں حصولِ علم سے فطری مناسبت تھی۔ اسی طبعی مناسبت اور ذہانت و فراست کی بدولت انہوں نے حصولِ علم کے مراحل نہایت سرعت سے طے کر لئے اور بعض دفعہ اپنے ہم سبق تو رہے ایک طرف اپنے اساتذہ کو بھی حیران و ششدر کر دیا۔ مرزا حیرت دہلوی کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیلؒ کی عمر کا بارہواں سال تھا جب آپ "صدرا" پڑھتے تھے۔ جو اقلیدس کی نہایت مشکل کتاب ہے اور کسی مقام پر رُکے بغیر آٹھ آٹھ دس دس صفحات پڑھ جایا کرتے تھے اس دوران میں استاد سے کوئی بات دریافت بھی نہ کرتے تھے۔ آپ کے ایک ہم سبق عبدالکریم بخاری جو

سن رسیدہ طالب علم تھے آپؒ کی اس ذکاوت طبع کی وجہ سے حسد کرنے لگے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ جب شاہ اسماعیلؒ نے کتاب کھولی تو انہیں یاد نہ رہا کہ کل کہاں تک پڑھا تھا۔ چنانچہ انہیں ورق گردانی کرتے دیکھ کر عبدالکریم بخاری نے شاہ صاحبؒ سے کہا میاں صاحبزادے! لکھی عار کر رکھ لیا کرو تاکہ کتاب کھولتے ہی تمہیں معلوم ہو جائے کہ کل یہاں تک سبق پڑھا تھا۔ یہ سنکر شاہ صاحبؒ مسکرا دیئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ ایک روز صدرا کا ایک مقام پڑھتے ہوئے عبدالکریم کو یقین ہو گیا اسماعیلؒ یہاں سے بغیر پوچھے نہ گذر سکیں گے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شاہ صاحبؒ یہاں سے بھی فرفر پڑھتے آگے بڑھ گئے تو عبدالکریم صاحب کو غصہ آگیا اور انہوں نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "صاحبزادہ! تم کچھ سمجھے بھی یا یونہی گھاس کاٹتے چلے جاتے ہو" شاہ صاحبؒ نے کسی ناگواری یا غصہ کا اظہار کئے بغیر نہایت تحمل و بردباری سے جواب دیا کہ اگر آپ کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی ہو تو دریافت فرمالیں۔ انہوں نے فوراً سوال کیا کہ اس عبارت کی وضاحت کر دیجئے۔ شاہ صاحبؒ نے اس مشکل مقام کو اس عمدگی اور خوش اسلوبی سے حل کر دیا اور ایسے معنی بیان کئے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور طلبہ دنگ رہ گئے اسکے بعد آپؒ نے "صدرہ" کے حاشیے پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ اس مقام پر مصنف نے جو معنی بیان کئے ہیں وہ غلط ہیں۔ آپؒ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں نہایت وزنی دلائل پیش کئے۔[1] اقلیدس کے علم سے انہیں شروع ہی سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ ایک ماہ کے قلیل عرصے میں اقلیدس کے چار مقالے انکے لوحِ ذہن پر اس طرح نقش ہو گئے کہ ان کی مدد سے نئی نئی اشکال بھی حل کر لیتے تھے۔ حساب کے پورے قواعد انہوں نے پندرہ دن میں ضبط کر لئے۔ اسی طرح جبر مقابلہ، علم مثلث اور مساحت وغیرہ ریاضی کی جتنی شاخیں تھیں انہیں سب پر عبور حاصل ہو گیا۔ ریاضی کے بڑے بڑے مسائل وہ چٹکیوں میں سلجھا دیتے تھے اور لاکھوں روپے کی رقموں کا جوڑ صرف دو چار منٹ کے تامل سے فوراً بتا دیتے تھے[2] نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا بیان ہے کہ علم حساب ان کی انگلیوں پر رہتا تھا۔[3] گویا انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں کو حساب نہیں آتا یا عالم ہونے

---

[1] مرزا حیرت نے یہاں شاہ عبدالغنیؒ کا نام لکھا حالانکہ اس وقت شاہ عبدالغنیؒ زندہ ہی نہ تھے، دراصل یہ واقعہ شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانۂ درس کا ہے (مولف) [2] حیات طیبہ صہ۲۲ [3] حیات طیبہ - اتحاف النبلا، المتقین باحیا ماثر الفقہا المحدثین صہ۱۴ مولفہ نواب صدیق حسن خاں مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ (ملوکہ مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف امیر جمعیۃ اہل حدیث لاہور)

کیلئے ریاضی اور جغرافیہ سے کورا ہونا ضروری ہے۔ انکی اعلیٰ درجے کی ذہانت اور بلا کے حافظے نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ غیر معمولی حافظہ اور غیر معمولی ذہانت جب یہ دونوں خوبیاں کسی ایک ذات میں جمع ہو جائیں تو وہ نابغۂ روزگار بن جاتی ہے۔ شاہ اسماعیل کو ان دونوں صفات سے حصۂ وافر ملا تھا انکی ذہانت و ذکاوت دیکھ کر مشہور شاعر اور اس عہد کے باغ و بہار شخص سعادت یار خاں رنگین نے کہا تھا کہ "اس خاندان سے جو اٹھتا ہے باون گز اٹھتا ہے"[1]۔

غیر معمولی حافظہ

شاہ اسماعیلؒ کے تمام تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ وہ جو کتاب مدرسہ میں پڑھتے تھے گھر آکر اسے کبھی کھول کر نہ دیکھتے تھے۔ اس کے باوجود سولہ سال کی عمر میں تمام علوم کے فارغ التحصیل ہو گئے اور فارغ التحصیل بھی ایسے کہ ہر کتاب کی عبارتیں ازبر تھیں۔ پھر ان سے صدہا نئے نئے نکتے اور باریکیاں پیدا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا کا حافظہ پایا تھا جس زمانے میں شاہ اسماعیلؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے حدیث پڑھ رہے تھے مولوی کرامت علی حیدرآبادی بھی آپ کے ہم سبق تھے مولوی صاحب کا بیان ہے کہ:۔

> "میں مولانا شہیدؒ کا حدیث میں ہم سبق تھا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی مطالعہ نہیں کیا نہ پڑھے ہوئے کو کبھی پھیرا (یعنی دہرایا) عام طلبہ جو آپکے ساتھی تھے مولانا شہید کو بے پروا کہتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ پڑھنے کی طرف مولانا کی توجہ نہیں ہے۔ شب و روز تیراندازی، گولی چلانا اور گھوڑے پر چڑھنے کے سوا وہ کبھی کتاب کھول کے بھی نہیں دیکھتے۔ روزمرہ اس قسم کی باتیں سن سن کے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے طلبہ کے مجمع میں مولانا شہید سے یہ شکایت کی کہ تم کھیل کود میں زیادہ وقت صرف کرتے ہو لیکن مطالعۂ کتب نہیں کرتے۔ شاہ صاحبؒ نے عرض کیا آپ مجھ سے پڑھا ہوا کچھ دریافت فرمائیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے طلبہ کے سامنے مولانا شہیدؒ سے (حدیث کا کوئی مقام) دریافت کیا آپ نے فرفر بتا دیا اور اس عمدگی سے بیان کیا کہ طلبہ کا کل مجمع دنگ ہو گیا"[2]۔

---

[1] جماعت مجاہدین صفحہ ۱۲۱ مولفہ۔ مولانا غلام رسول مہر
[2] حیات طلبہ صفحہ ۲۰

ظاہر ہے کہ کوئی شخص علم اور خصوصاً حدیث جیسے علم کو اس طرح ذہن نشین رکھنے میں یہ کمال اس وقت تک پیدا نہیں کر سکتا جب تک اس نے غیر معمولی حافظہ نہ پایا ہو۔ یہ ان کے حافظے ہی کا کمال ہے کہ بڑے بڑے علما بڑی ادق کتابوں کی عبارتوں کے متعلق سر راہے ان سے استفسار کرتے اور وہ ان کو مطمئن کر دیتے۔

غیر معمولی قابلیت

اس اعلےٰ درجے کے حافظے، شاہ عبد العزیزؒ اور مولانا عبد الحئیؒ کی توجہ اور خود مولانا اسماعیلؒ کی خداداد ذہانت نے ان میں ایسی قابلیت پیدا کر دی تھی کہ بعض دفعہ تو ان کے اساتذہ بھی عش عش کر اٹھتے تھے، چنانچہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ "ایک روز مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ کسی بڑے اہم مسئلے کا فتویٰ لکھ کر اور اس کو اپنی نشست گاہ میں چھوڑ کر اندر مکان میں تشریف لے گئے۔ اس عرصے میں مولوی اسماعیل صاحب شہیدؒ بھی تشریف لے آئے اور اس فتوے کا ملاحظہ کر کے بعض فروگذاشتوں کو اپنے قلم سے تصحیح کر کے فتوے کو وہیں رکھ کر چلے گئے۔ جب شاہ صاحبؒ واپس تشریف لائے اور ان ترمیموں کو دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ:۔

"اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ علم ابھی ہمارے خاندان میں باقی ہے[1]"

انتہا یہ ہے کہ جب شاہ اسماعیلؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کی معیت میں حج کی غرض سے حجازِ مقدس تشریف لے گئے تو مکہ کے بڑے بڑے فضلا پر ان کی غیر معمولی قابلیت کا اس قدر اثر تھا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ عجم کے علما تحصیلِ کمال اور تکمیلِ علم کے لئے مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ جاتے اور وہاں کے فضلا سے سندِ فضیلت حاصل کرتے تھے۔ یہ علمائے عجم کے لئے بڑا اعزاز ہوتا تھا مگر شاہ اسماعیلؒ جب مکۂ معظمہ گئے تو وہاں کے علما نے آپ سے کسبِ فیض کیا، چنانچہ مولوی عبد الاحد ابو سعید صاحب کا بیان ہے کہ جب شاہ اسماعیلؒ حج کے لئے تشریف لے گئے تو مولانا عبد اللہ سراج مکہ کے شیخ العلما تھے۔ وہ اکثر:۔

"مولانا شہید کے روبرو دو زانو بیٹھ کر اپنے شبہاتِ علمی کو پوچھا کرتے تھے اور علمِ مناظرہ انہوں نے مولانا شہید ہی سے سیکھا تھا[2]۔"

سر سید احمد خاں نے بھی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "آثار الصنادید" میں شاہ اسماعیلؒ کے غیر معمولی علم و فضل اور

---

[1] تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۳۳ مولفہ مولانا جعفر تھانیسری [2] تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۴۷

ان کی عدیم النظیر قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ اور دہلی میں شاہ صاحبؒ کے علمی تبحر کی جو شہرت تھی اپنے بزرگوں اور شاہ صاحبؒ کے واقفانِ حال سے تحقیق کر کے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ کی ذہانت و قابلیت کی شہر میں ایسی دھوم تھی کہ اکثر فضلائے کمال
وہ مقاماتِ باریک کہ جن کو سمجھنے میں طویل عرصہ درکار ہوتا ہے آپ سے
سرِ راہ ملاقی ہو کر دریافت کرتے[۱]"

اس قدر حاضر دماغ تھے اور ذہن ایسا سریع الانتقال پایا تھا کہ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھا کر بیک وقت پانچ مختلف موضوعات پر مضامین لکھولتے اور اس طرح بتلاتے اور املا کراتے کہ کسی کا قلم نہ رکتا[۲]

عام طور پر مشہور تھا کہ شاہ صاحبؒ دینیات میں فاضل اجل ہیں مگر علم منطق میں کچھ زیادہ درک حاصل نہیں۔ چنانچہ مولانا رشید الدین خاںؒ نے بھی جو شاہ عبدالعزیزؒ کے باکمال شاگرد تھے اور اپنی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے رشید المتکلمین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے ایک دفعہ اثنائے درس میں طلبہ سے کہا تھا کہ مولانا اسمٰعیلؒ کو دینیات کے ساتھ شغف ہے باقی معقولات کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں ہے (مطلب یہ تھا کہ معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں رکھتے) اتفاقاً ایک روز شاہ اسمٰعیلؒ کو بخار آگیا اور مولانا رشید الدین خاں صاحبؒ عیادت کیلئے تشریف لے گئے اثنائے گفتگو میں شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا! آج بخار میں دماغ پریشان تھا اور اس پریشانی اور انتشار کی حالت میں فلسفہ کے فلاں فلاں مسئلے کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے۔ مولانا رشید الدین خاں بالکل ساکت رہے۔ واپسی میں ان کے تلامذہ نے جو شاہ صاحبؒ کی عیادت کے لئے ساتھ گئے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضرت آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیلؒ کو معقولات کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ مولانا رشید الدین خاں نے جواب دیا کہ:۔

"بیشک میں نے یہ کہا تھا کہ مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور
افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات
کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔"[۳]

---

[۱] آثار الصنادید صد ۵۶ مولفہ سرسید احمد خاں [۲] ارواحِ ثلاثہ صد ۹۸ [۳] ارواحِ ثلاثہ صد ۹۱

شاہ اسماعیلؒ کی اس غیر معمولی قابلیت نے بہت جلد ہندوستان کے طول و عرض میں انہیں شہرتِ دوام بخش دی اور یہ عالم ہو گیا کہ جب وہ کسی دور افتادہ مقام پر بھی تشریف لے جاتے تو انکی قابلیت کی شہرت ان کے وہاں پہنچنے سے قبل پہنچ جاتی۔ چنانچہ زمانۂ جہاد کا واقعہ ہے کہ دورانِ سفر آپؒ ایک سرائے میں ٹھہرے، اس شہر کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مولانا اسماعیلؒ آئے ہوئے ہیں چنانچہ وہاں کے بہت سے عالم فاضل لوگ شاہ صاحب کی زیارت کیلئے سرائے میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپؒ کی وضع سپاہیانہ تھی، سر پر پیچیدہ عمامہ چست پاجامہ اور گلے میں تلوار۔ علما نے دیکھا کہ اس وضع قطع کا ایک شخص اپنے گھوڑے کو کھریرا کر رہا ہے۔ انہوں نے آپؒ کو شاہ اسماعیلؒ کا خادم سمجھ کر استفسار کیا کہ "میاں سپاہی! مولوی محمد اسماعیل صاحب کہاں ہیں؟" سپاہی نے جواب دیا کہ آپ کو ان سے کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا زیارت سے مشرف ہو کر کچھ مسائل کی تحقیق کریں گے۔ آپؒ نے فرمایا کیا مسائل ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے دقیق مسائل جو سوچ کر لائے تھے بیان کئے آپؒ نے گھوڑے پر کھریرا کرتے کرتے انکے ایسے جواب باصواب دیئے جو کسی دوسرے مولوی سے مہینوں میں بھی نہ بن آتے۔ تب وہ لوگ سمجھ گئے کہ غالباً یہی شخص مولوی محمد اسماعیل ہے — تب انہوں نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ حضرت آپ کے ساتھ کچھ کتابیں نہیں ہیں، آپؒ نے فرمایا کہ :۔

"کتاب اللہ میرے سینے میں ہے۔ اوّل اس سے سمجھاتا ہوں جب کوئی اس سے نہیں مانتا تو یہ تلوار جو میرے گلے میں پڑی ہے اس کا علاج ہے۔ ان دونوں کے ہوتے ہوئے اور کتابوں کی کیا ضرورت ہے۔"[۱]

مولانا اسماعیل شہیدؒ کی عادت تھی کہ مطالعے کے وقت زیرِ مطالعہ کتابوں پر حاشیے لکھا کرتے تھے جن میں مشکل مقامات کی تشریح ہوتی تھی جن عبارتوں یا جس مفہوم سے انہیں اختلاف ہوتا تھا اس کی نشاندہی کر کے وجہ اختلاف بیان کر دیتے تھے اور اپنے وزنی دلائل بھی لکھ دیتے تھے۔ جن اہلِ علم اصحاب نے یہ حواشی دیکھے ہیں وہ انکی افادیت و اہمیت اور مولانا اسماعیلؒ شہید کی غیر معمولی قابلیت کا اعتراف کرتے اور ان حواشی کو علمی معلومات کا بیش بہا خزانہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ دار و گیر میں جب مولانا رشید الدین خاںؒ دہلوی کا نہایت قیمتی کتب خانہ لٹ گیا تو انکے فرزند مولوی سدید الدین خاں کہا کرتے تھے کہ ہمیں اپنا کتب خانہ کا افسوس ہے مگر اس سے کہیں زیادہ افسوس ان کتابوں کے ضائع ہو جانے کا ہے جن پر

---

[۱] تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۴۷

مولوی اسماعیل شہیدؒ نے اپنے دستِ مبارک سے حاشیے لکھے تھے کیونکہ وہ ضائع شدہ کتابیں دوبارہ میسّر آسکتی ہیں مگر وہ حاشیے نہیں مل سکتے جو مولانا اسماعیلؒ نے لکھے تھے[۱]۔

قرآن فہمی اور اس کی تفسیر ان کا خاص موضوع تھا۔ علوم قرآنیہ سے انہیں فطری لگاؤ تھا ایک ہی آیت اور ایک ہی رکوع کی تفسیر و تشریح وہ اس انداز سے کرتے تھے کہ ہر بیان میں ندرت ہوتی تھی، یہ شاہ صاحبؒ سے زیادہ دراصل قرآن کا کمال ہے کہ اسکے ایک بطن میں کئی کئی معنی ہیں اور قرآن کا ہر لفظ معنی کا گنجینہ ہے لیکن ان معانی تک رسائی اور ان کا دلپذیر بیان ہر ایک کو کہاں نصیب۔ شاہ اسماعیلؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ انکی وسیع نظر قرآن حکیم کے وسیع ولامحدود معانی و مطالب تک پہنچ جاتی تھی۔ انکے اس کمال کے ان کے ہم عصر بھی معترف تھے۔ چنانچہ ایک بار شاہ صاحبؒ وعظ فرما رہے تھے۔ قرآن حکیم کے ایک رکوع کی تلاوت کی اور پھر اس کی تفسیر و تشریح اس خوبی سے شروع کی کہ مولانا امام بخش صہبائی۔ مولوی عبداللہ خاں اور مفتی صدرالدین خاں آزردہ جیسے جید علماء جو اس مجلس وعظ میں موجود تھے بے حد متاثر ہوئے اور شاہ صاحبؒ سے اس رکوع کے دوبارہ بیان کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ نے ایک اور وعظ میں اس رکوع کی تفسیر و تشریح کی اور اس فصاحت و بلاغت اور اس انداز سے کی کہ ہر نکتہ نیا اور ہر مفہوم منفرد۔ تیسرے وعظ میں سامعین نے پھر اسی رکوع کی تفسیر و تشریح کی درخواست کی۔ اس بار شاہ صاحبؒ نے اس انداز سے اس رکوع کی تشریح فرمائی۔ کہ آپ کا بیان گذشتہ دونوں بیانوں سے بڑھ چڑھ کر تھا[۲]۔ ہر مفہوم نیا ہر مطلب میں ایک عجیب ندرت، تاثیر بیان میں نئی شان۔ ظاہر ہے کہ یہ کمال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان غیر معمولی ذہین و طباع ہو۔ اس میں غیر معمولی قابلیت ہو، اس نے نظر غیر معمولی باریک بین پائی ہو اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسے اپنے موضوع سے فطری لگاؤ ہو۔

سپاہیانہ ورزشیں

اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے جس قسم کے کام لینا چاہتا ہے اسے ویسی ہی صلاحیتیں بھی ودیعت فرما دیتا ہے اور اس کی فطرت میں اسی قسم کے جوہر رکھ دیتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شاہ اسماعیلؒ سے امت کی اخلاقی و دینی اصلاح کے ساتھ ساتھ ستم رسیدہ مسلمانوں کی رستگاری کا کام بھی لینا چاہتا تھا اس لئے

---

[۱] تواریخ عجیبہ ص ۱۴۳ [۲] سوانح احمدی ص ۱۴۶

اس نے آپؒ کو دونوں قسم کی صلاحیتوں سے نوازا، آپؒ کی فطرت میں حصولِ علم کا ایسا جوہر پیدا کردیا جس کی تابناکی نے ایک زمانے کی نگاہیں خیرہ کردیں۔ دوسری طرف آپؒ کو سپاہیانہ جوہر بھی عطا کئے۔ ان جوہروں کی نمود اوران کا اظہار علمی جوہروں کی طرح آپؒ کے بچپن ہی سے شروع ہوگیا تھا چنانچہ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ زمانۂ طالب علمی ہی میں آپؒ مدرسہ کے اوقات کے بعد اپنا زیادہ وقت فنونِ سپہ گری مثلاً تیر اندازی، بندوق زنی، اور شہ سواری سیکھنے پر صرف کرتے تھے اوران فنون کی تحصیل میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ جب آپ کے عمِ محترم اور استادِ مکرم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے شکایت کیگئی تو آپؒ کو تنبیہ کرنا پڑی تھی۔ تحصیل علم سے فراغت حاصل کرلنے کے بعد آپؒ کوان فنون میں کمال حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ساری توجہ جسمانی ورزشوں اور سپاہیانہ کمالات کے حصول پر صرف کردی۔

شاہ اسماعیلؒ نے جس عہد میں آنکھ کھولی تھی اگرچہ وہ مسلمانوں کے سیاسی، اخلاقی، سماجی اور دینی انحطاط کا عہد تھا لیکن سپاہیانہ ورزشوں کا کچھ نہ کچھ ذوق ابھی ان میں باقی تھا مگر افسوس کہ ان مردانہ کمالات سے ہمارے علما کو کچھ سروکار نہ تھا حالانکہ قرونِ اولیٰ کے علماء کی زندگی سپاہیانہ جوہروں سے بھی آراستہ تھی بلکہ بعد کے زمانوں میں بھی صاحب سیف علما کی اکثریت کے ذکر سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔ شاہ اسماعیلؒ کے عہد میں ان علما نے اپنے فرائض مسجدوں اور حجروں تک محدود کرلئے تھے۔ ان کا کام مریدوں سے نذر و نیاز وصول کرنا رہ گیا تھا یا طوطے کی طرح دینی مسائل رٹا دینا۔ مگر چونکہ شاہ اسماعیلؒ کی تعلیم و تربیت ایسے قدسی نفوس کے ذمے تھی جو ضروریاتِ دین کے ساتھ ساتھ ضروریاتِ زمانہ سے بھی پوری طرح باخبر تھے اور جن کے سامنے ایک بلند و جامع مقصد تھا۔ ورزشِ جسمانی اس منصوبے کا اہم حصہ تھا کیونکہ فنِ سپہ گری کیلئے اسکی حیثیت بنیاد کی سی ہوتی ہے۔ اسلئے شاہ اسماعیلؒ نے ان بزرگوں کی زیرِ نگرانی یہ کمالات اس طرح حاصل کئے گویا یہ بھی ان کے نصابِ تعلیم کا جزو تھے۔ وہ اس خانوادے کے ممتاز فرد تھے جس نے شیخ محمودؒ، شیخ منصورؒ، شیخ معظمؒ اور شیخ وجیہ الدینؒ جیسے بہادر جرنیل پیدا کئے گویا سپہ گری ان کا آبائی ورثہ تھا۔ شاہ صاحبؒ تاریخ اسلام خصوصاً اپنے خاندان کے اکابر کی تاریخ سے بخوبی واقف بلکہ اس علم کے بہت بڑے عالم تھے۔ پس سپاہیانہ فنون سے ان کی غیر معمولی دلچسپی میں تاریخ کے وسیع مطالعے اوران کی خاندانی روایات کو بھی بڑا دخل تھا۔

شہ زوری

غرض ان اسباب وعوامل نے مل کر ان کے مزاج میں جسمانی ورزشوں اور سپاہیانہ کمالات سے غیر معمولی دلچسپی پیدا کردی۔ دہلی میں ان کے مکان کے قریب چتلی قبر کے پاس ایک اکھاڑہ تھا جس میں شہر کے بڑے بڑے شہ زور، زور آزمائی کیا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق یہ اکھاڑہ خود انہوں نے ہی قائم کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے بھی اس اکھاڑے میں جانا شروع کردیا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے اس فن میں وہ کمال پیدا کرلیا کہ اچھے اچھے شہ زور انکی قوتِ زور آزمائی پر رشک کرنے لگے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ شہ زوری میں مصروف تھے کہ قلعہ معلّٰے کے دو شہزادے بھی آگئے اور انہیں دیکھ کر مسکرانے لگے۔ یہ تحقیر آمیز مسکراہٹ اس لئے تھی کہ مولوی کو شہ زوری اور سپاہیانہ فنون سے کیا تعلق؟ جب شاہ صاحبؒ شہ زوری سے فارغ ہوئے تو انہوں نے شہزادوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ :۔

"میں ان لوگوں کی اولاد ہوں جنہوں نے اسی حالت میں نہ صرف اسلام کی اشاعت کی بلکہ بڑی بڑی سلطنتیں بھی قائم کردیں اور آپ ان لوگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے اپنی آرام طلبی اور عیش پسندی سے بنی بنائی سلطنت برباد کردی حضرت عمرؓ شہزادے نہ تھے اور پانچ لاکھ عرب جو آپ کی ماتحتی میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں پامال کررہے تھے نہ لال قلعے کے رہنے والے تھے اور نہ شہزادے تھے۔ جو کارنامے انہوں نے انجام دیے' وہ بھی زمانے کی پیشانی پر درج ہیں اور جو کچھ آپ کے بزرگوں کی آرام طلبی نے کیا اسے بھی زمانہ نہیں بھولا۔"

اس کے بعد آپؒ نے فرمایا کہ :۔

"صاحب عالم! کوئی ہنر اور علم کسی کا خاص حصہ نہیں ہے۔ اللہ اسی کو اپنی ودیعت سونپتا ہے جو اس کے قابل ہوتا ہے۔[1]"

شہزادے شاہ صاحبؒ کی یہ مدلل و مسکت تقریر سن کر نہایت شرمندہ ہوئے اور ان سے معافی مانگی۔ اس کے بعد آپ نے انہیں دو دو ہاتھ کرنے کی دعوت دی۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا مگر جب شاہ صاحبؒ

---

[1] حیات طیبہ صفحہ ۳۰

نے زیادہ اصرار کیا تو وہ اکھاڑے میں اتر آئے مگر انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ جس ملا زادے پر وہ ہنسے تھے سپاہیانہ فنون میں وہ ان سے بہت آگے ہے۔

شہ سواری

شہ زوری کے علاوہ جس فن میں شاہ اسماعیلؒ نے کمال حاصل کیا وہ فن شہ سواری ہے۔ گھوڑے کی سواری کا فن انہوں نے دہلی کے مشہور چابک سوار میاں رحیم بخش سے سیکھا اور اس میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ بڑے بڑے سرکش اور منہ زور گھوڑے انکی ران کے نیچے آکر سیدھے ہو جاتے۔ اگرچہ وہ دُبلے پتلے اور متوسط قد کے آدمی تھے مگر بلند قامت سے بلند قامت گھوڑے پر بغیر رکاب کے نہایت پھرتی سے چڑھ جاتے اور اسکی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر اسے میلوں دوڑاتے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے چالیس چالیس میل تک گھوڑا دوڑایا اور واپسی پر معمولی سا تکان بھی محسوس نہ ہوا۔

بنوٹ اور بندوق زنی

شہ سواری میں کمال حاصل کرنیکے بعد شاہ صاحبؒ گتکہ اور بنوٹ سیکھنے کی طرف متوجہ ہوئے کہ یہ بھی اس زمانے کے سپاہیانہ فنون تھے اور تلوار کی لڑائی میں نہایت کارآمد ہوتے تھے۔ ان فنون کو بھی انہوں نے اس زمانے کے مشّاق اور ماہر اساتذہ سے سیکھا اور ان میں بھی کمال حاصل کر لیا۔ مرزا رحمت اللہ بیگ دہلی کے نامور پٹہ باز اور بنوٹ کے ماہر تھے۔ قلعہ معلّٰی کے تمام شہزادے ان کے شاگرد تھے۔ مرزا صاحبؒ اپنی مہارتِ فن کی وجہ سے ان شہزادوں سے گراں قدر تنخواہیں پاتے تھے۔ جب شاہ اسماعیلؒ نے ان سے یہ فنون سیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو مرزا صاحبؒ شاہ اسماعیلؒ کی خاندانی بزرگی کی وجہ سے نہ صرف بخوشی تیار ہو گئے بلکہ انہوں نے آپ کو وہ داؤں پیچ بھی سکھا دیئے جو عام طور پر وہ کسی کو نہ سکھاتے تھے اور اس کا کوئی معاوضہ نہ لیا۔ اس کے بعد آپؒ نے بندوق چلانے کی مشق شروع کی اور اس میں ایسی دسترس حاصل کر لی کہ ان کا نشانہ ضرب المثل بن گیا۔ شاہ صاحب کا ایک تذکرہ نگار لکھتا ہے کہ بندوق زنی میں انہیں ایسی مہارت حاصل ہو گئی تھی کہ درخت میں بیٹھے ہوئے چھوٹے سے چھوٹے پرندے کو بھی گرا دیتے تھے اور ان کا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ ایک روز اثنائے شکار میں انہوں نے خود

بیان کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی جانور میرے سامنے آئے اور پھر زندہ نکل جائے۔ ایک ساتھی نے ہنس کر کہا کر اگر اس کی موت ہی نہ ہو تو آپ اسے کیونکر مار سکتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ جب اس کی موت نہ ہوگی تو وہ میرے سامنے آئے ہی گا نہیں[1]

تیراکی

فنونِ جنگ میں کمال حاصل کرنے کے بعد شاہ صاحب نے تیراکی کی مشق شروع کی، وہ گھنٹوں پانی میں رہتے اور اس دوران میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا جب درس کا وقت آتا اور طالب علم دریا کے کنارے جمع ہو جاتے تو آپ پانی میں سے نکل کر آتے انہیں سبق دیتے اور پھر دریا میں جا کر تیرنے لگتے۔ غوطہ خوری میں بھی انہوں نے مہارت حاصل کر لی۔ پانی میں بکثرت رہنے کی وجہ سے دِلّی والوں میں آپ "جل مانس" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق شاہ صاحبؒ تین چار سال تک تیرنے اور غوطہ خوری کی مشق کرتے رہے۔ تیراکی میں انہوں نے یہاں تک کمال حاصل کر لیا تھا کہ دریائے جمنا کی راہ سے تیرتے ہوئے وہ متعدد بار دہلی سے آگرہ اور آگرہ سے دہلی آئے۔ دہلی کے نامور اور ماہر تیراکوں سے ان کے مقابلے بھی ہوئے اور ان مقابلوں میں کامیابی نے ہمیشہ انہی کے قدم چومے۔ اس زمانے میں شیخ سدو نامی ایک تیراک کے کمالِ فن کا دور دور تک شہرہ تھا۔ اسکے متعلق مشہور تھا کہ آلتی پالتی مار کر دریا کی سطح پر بیٹھ جاتا اور پھر ہاتھوں سے چپوؤں کا کام لیکر دور تک تیرتا چلا جاتا۔ ایک روز اس نے شاہ صاحبؒ سے کہا کہ ابھی آپ نے تیراکی کے فن میں سے کچھ حاصل نہیں کیا اسلئے آپ اس پر فخر نہ کریں کہ آپ کو تیراکی آتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ نہ میں تیراکی کی روٹی کھاتا ہوں اور نہ اپنے فن کا تماشا دکھاتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ پھر آپ کو اس محنتِ شاقہ سے کیا فائدہ ہوا۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ صرف اتنا حاصل ہوا کہ میں اپنے زبردست مخالف سے بھی پانی میں مغلوب نہیں ہو سکتا۔ شاہ صاحبؒ کا یہ جواب سن کر وہ نہایت حقارت سے ہنسنے لگا۔ آخر کار دونوں کے درمیان مقابلہ کی ٹھہر گئی۔ چونکہ شاہ صاحبؒ کو اپنے کرتب کا تماشہ دکھانا منظور نہیں تھا اس لئے فیصلہ یہ ہوا کہ مقابلہ رات کے وقت ہو تاکہ عوام الناس نہ جمع ہو جائیں۔ غرض رات کے وقت دونوں تیراک پانی میں اترے۔ جلد ہی شاہ صاحبؒ نے اسے آگے رکھ لیا اور اس قدر غوطے دیئے کہ وہ چیخ اٹھا

---

[1] حیاتِ طیبہ صفحہ ۳۰

اس کی طاقت نے بالکل جواب دیدیا۔ آخر اس خیال سے کہ کہیں یہ مرنہ جائے شاہ صاحبؒ نے اسے پانی سے نکال کر نیم مردہ حالت میں دریا کے کنارے ڈال دیا۔[1]

جسمانی ریاضتیں

اللہ تعالیٰ نے شاہ اسماعیلؒ کو جن مقاصد کیلئے پیدا کیا تھا وہ بڑی سخت کوشی اور سخت جانی کے متقاضی تھے۔ آئندہ زندگی میں آپؒ کو جن دشوار گذار مراحل سے گزرنا تھا اور جو مہمات سر کرنا تھیں ان کیلئے سخت بدنی ریاضتوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ کی طبیعت میں مادے بھی ایسے ہی ودیعت کر دیئے گئے تھے اور آپ کو طبعاً ایسے مشاغل سے دلچسپی تھی جن سے انسان میں سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کئی کئی دن بھوکا پیاسا رہنا۔ تپتی ہوئی زمین پر گھٹنوں چلنا، کئی کئی رات مسلسل جاگنا۔ میلوں پا پیادہ دوڑنا۔ شدید سردی کے موسم میں راتوں کو بغیر گرم لباس کے گھنٹوں ٹہلتے رہنا یہ وہ مشقتیں تھیں جو شاہ صاحبؒ نے برداشت کر کے اپنی حیرت انگیز قوت و صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس زمانے میں بھی یہ امور نہایت حیرت سے دیکھے جاتے تھے کہ کڑاکے کا جاڑا ہے رات کا وقت ہے۔ لوگ لحافوں میں دبکے پڑے ہیں اور شاہ صاحبؒ ململ کا کرتہ پہنے مکان کی چھت پر چہل قدمی کر رہے ہیں۔ بلا کی گرمی پڑ رہی ہے، زمین تمازت آفتاب سے تپ رہی ہے اور شاہ صاحبؒ ننگے پاؤں دو چار منٹ نہیں بلکہ گھنٹوں اس تپتی ہوئی زمین پر چل رہے ہیں۔ آپ کے ایک تذکرہ نگار کا بیان ہے کہ شاہ صاحبؒ نے تپتی ہوئی زمین پر ننگے پیر چلنے کی ایسی مشق بہم پہنچائی تھی کہ شدید گرمی کے موسم میں دہلی کی جامع مسجد کے سرخ پتھر کے فرش پر گھنٹوں آہستہ آہستہ ٹہلتے تھے۔ نہ انہیں سورج کی سخت تمازت نقصان پہنچاتی تھی اور نہ آگ کی طرح گرم فرش ان کے پیروں کو کوئی مضرت پہنچاتا۔ بھوکا پیاسا رہنے کی آپ نے ایسی مشق کی تھی کہ تین تین دن تک کچھ کھائے پیئے بغیر اپنے فرائضِ منصبی ادا کرتے تھے اور ان میں کوئی کوتاہی یا سستی نہ ہوتی تھی۔ اسی حالت میں وعظ فرماتے تھے اور آواز ایسی گرجدار نکلتی تھی کہ کوئی شخص یقین نہ کر سکتا تھا کہ یہ شخص تین روز سے بھوکا پیاسا ہے۔ مسلسل جاگنے اور بالارادہ سو کر وقتِ مقررہ پر بیدار ہونے کی بھی انہوں نے مشق کی اور ایسی مشق کہ آٹھ آٹھ روز

---

[1] حیاتِ طیبہ صہ ۳۱

مسلسل جاگتے رہتے تھے اور جب دو بجے شب کو بیدار ہونے کا ارادہ کر کے سوتے تھے تو ٹھیک دو بجے ہی بیدار ہوتے تھے۔ ممکن ہے یہ امور آج خوارقِ عادت میں شمار کیے جائیں یا انہیں مبالغہ قرار دیا جائے لیکن جن لوگوں کو انسان کی ایک پوشیدہ قوت یعنی قوتِ ارادی کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ مضبوط دل و دماغ اور مضبوط ارادے کے لوگوں کے لیے یہ امور کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ انسان مستقل مزاج ہو۔

ایک حکیمانہ جواب

شاہ صاحبؒ کو اس قسم کی جسمانی ریاضتیں کرتے دیکھ کر دہلی کے لوگوں کو تعجب تھا کہ ان جیسا روشن خیال عالم اور نہایت دانشمند انسان اس قسم کی جسمانی اذیتیں کیوں برداشت کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ اپنی جان پر اتنی مصیبتیں کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمادیا ہے کہ اپنے نفس کو اتنی تکلیف میں نہ ڈالو جسکی تم میں استطاعت نہ ہو۔ آپؒ نے جواب دیا کہ میں اپنے نفس پر اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہوں جتنا وہ برداشت کر سکتا ہے۔ دوبارہ پھر اس نے اپنا وہی سوال دہرایا کہ آخر اس قدر سختی برداشت کرنے اور اپنی جانِ شیریں کو ہلاکت میں ڈالنے کا کیا فائدہ۔ اس سوال کے جواب میں آپؒ نے نہایت حکیمانہ بات کہی، آپ نے فرمایا کہ :-

"میں انسانی قوتوں کا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ودیعت ہوئی ہیں فطری قوتوں سے مقابلہ کر کے اندازہ کرتا ہوں کہ آیا انسان اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے ان سب پر غالب آسکتا ہے تو میں نے اس کا تجربہ کر لیا ہے کہ ہاں اگر انسان چاہے تو اسے خاک، باد، آب، آتش مضرت نہیں پہنچا سکتی۔[1]"

اس طرح شاہ اسماعیلؒ نے پیہم مشق کر کے عناصرِ اربعہ پر غلبہ پالیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے نفس کے سرکش گھوڑے کو اس طرح قابو میں کر لیا کہ آپؒ کے اذن کے بغیر اسے جنبش کرنے کا یارا باقی نہ رہا۔ غرض علمی اور عملی دونوں قسم کے ہتھیاروں سے آراستہ ہونے کے بعد آپ نے جہادِ زندگانی میں قدم رکھا۔ یہ جہاد دو قسم کا تھا۔ اسلامی معاشرے میں جو لغویات داخل ہو گئی تھیں ایک انکے خلاف جہاد اور مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانے کی مساعیٔ جمیلہ۔ دوسرا جہاد بالسیف۔ انہوں نے اپنے جہاد کا آغاز پہلے قسم کے جہاد سے کیا کہ

---

[1] حیاتِ طیبہ ص ۳۳

اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس جہاد کی تھی کیونکہ جب تک یہ جہاد مکمل نہ ہو جاتا اس وقت تک دوسرے قسم کے جہاد کی تیاری ممکن ہی نہ تھی۔

عہدِ شاہ اسماعیلؒ کے معاشرتی و دینی حالات

شاہ صاحبؒ نے جس عہد میں آنکھ کھولی تھی وہ مسلمانوں کے زوال کا عہد تھا، سیاسی زوال تو آ ہی چکا تھا دینی اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے بھی وہ روز بروز زوال پذیر تھے۔ لال قلعے کے بادشاہ اور شہزادوں سے لیکر ایک عام مسلمان تک سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ دہلی کا قلعہ بے حیائی، فحاشی اور عیش و عشرت کی سب سے بڑی تربیت گاہ بن چکا تھا۔ محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں تو یہ حالت تھی کہ دربار شاہی میں تین تین سو طوائفیں برہنہ ہو کر ناچتیں اور اپنے "آرٹ" کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ جب یہ تین سو ناچتے ناچتے تھک جاتیں تو تین سو تازہ دم ان کی جگہ لے لیتیں، شراب پانی کی طرح بہتی تھی۔ بادشاہ کی بیگمات کی کوئی تعداد نہ تھی، ہر طبقے کی سیکڑوں عورتیں شاہی حرم میں داخل تھیں اور بادشاہ کا دل جب چاہتا ان میں سے کسی سے تمتع کر لیتا، یہ سب اسکی بیگمات کہلاتی تھیں، آکی سخت نگرانی کی جاتی تھی اور ان پر جن مسلح عورتوں کا پہرا مقرر تھا انکی کیفیت یہ تھی کہ سر سے سینہ سے ناف تک زرق برق لباس سے آراستہ ہوتیں، کمر میں طپنچہ، ہاتھ میں تلوار اور ناف سے نیچے کا نصف جسم بالکل برہنہ۔ اس سے مغل بادشاہ اور شہزادوں کی اخلاقی پستی اور بے غیرتی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ جب بادشاہ اس قدر بے غیرت اور عیاش طبع ہو تو اسکے وزیر اور سردار کس طرح نیک نفس اور متقی و پرہیزگار ہو سکتے ہیں، نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ کے متوسلین اور مصاحب بھی اپنے درباروں کو اسی طرح آراستہ کرتے اور انکے محلات بھی اسی قسم کی خرافات کی آماجگاہ تھے۔ شاید ہی کوئی رئیس ایسا ہو جس کے محل میں شراب کشید کرنے کی بھٹیاں موجود نہ ہوں۔ عوام کی اکثریت بھی دین سے بے بہرہ ہو چکی تھی۔ روزہ نماز اور زندگی کا اسلامی شعار سب قصہ ہائے پارینہ بن چکے تھے۔ فقرا کی حالت سب سے زیادہ ناگفتہ بہ تھی، رنگین لباس، لمبی لمبی زلفیں، بھنگ اور گانجے کے دور، یہ انکی زندگی تھی، اس پر ستم یہ کہ یہ لوگ اپنے آپ کو صوفی کہتے تھے۔ ان میں سے جو لوگ روزہ رکھتے وہ بھنگ کے پیالے سے افطار کرتے۔ حالت حُمر میں نماز پڑھنا قطعاً برا نہ سمجھا جاتا۔ شادی بیاہ کے طور طریقے وہی تھے جو ہندوؤں میں رائج تھے مثلاً ہندوؤں کی طرح دولہا اور دلہن پھیرے ڈالتے اور بعض گھرانوں میں تو پنڈتوں کو اشلوک پڑھنے کیلئے بلایا جاتا۔ مساجد کی حرمت کا یہ حال تھا کہ

جامع مسجد دہلی میں ہر سال نوروز کا میلہ لگتا۔ حوض کے چاروں طرف خوانچے والے اپنے خوانچے لگاتے۔ شہزادوں سے لیکر عام لوگ تک خوانچہ فروشوں سے مٹھائیاں اور چٹ پٹی چیزیں خریدتے اور جھوٹے دونے وہیں پھینک کر آگے بڑھ جاتے۔ میلے کے ایام میں ہر روز صبح کو جامع مسجد کے صحن میں گندگی اور دونوں کا ڈھیر لگا ہوتا۔ نہ شہزادوں کو مسجد کی حرمت کا خیال تھا نہ عوام کو اور نہ کوئی انہیں اس مذموم حرکت سے روکتا۔

اسلام نے مسلمانوں کیلئے خوشی کے دو تہوار مقرر کئے ہیں ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ مگر اس عہد کے مسلمانوں نے علماء سو کی سرپرستی میں بے شمار تہوار ایجاد کئے تھے اور انہیں مذہبی تقدس حاصل ہو گیا تھا۔ شب برات کا حلوہ، بی بی کی صحنک، سید احمد کبیر کی گائے، شیخ سدو کا بکرا، یہ وہ تقریبات تھیں جن کا اسلام کی سادہ تعلیم سے کوئی تعلق نہیں مگر مسلمانوں نے یہ تقاریب منانا اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔ پھر ان تقاریب میں اس قدر اسراف کیا جاتا تھا کہ خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے۔ نذر و نیاز اور فاتحہ کے نام روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا اور مقصد صرف اپنی شان و شوکت دکھانا ہوتا۔ ان تقریبات میں غربا اور مساکین کو کوئی نہ پوچھتا۔ اگر بلائے جاتے تو امراء، رؤسا، وزرا یا انکے دوست اور رشتہ دار۔ یہ سب جمع ہو کر پُر تکلف دعوتیں کھاتے اور غربا و مساکین دانے دانے کو محتاج رہتے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ تقریب حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی ذاتِ اقدس سے منسوب کی جاتی تھی۔ دہلی اور اسکے مضافات کے مسلمانوں نے ہندوانہ رسوم اس حد تک اختیار کر لی تھیں کہ آج ان پر یقین کرنا بھی مشکل ہے۔ ہندوؤں میں سیتلا دیوی کی پرستش کا رواج ہے۔ یہ چیچک کی بیماری سے محفوظ رہنے کیلئے ہندو عورتیں اس دیوی کی پرستش کرتیں اور اس پر چڑھاوے چڑھاتیں۔ مسلمان مستورات نے بھی ہندو عورتوں کی پیروی میں سیتلا دیوی کی پرستش شروع کر دی تھی۔ وہ بھی مندر میں جا کر اس پر چڑھاوے چڑھاتیں تاکہ انکے بچے چیچک میں مبتلا ہو کر ضائع نہ ہو جائیں۔ قبر پرستی اپنے عروج پر تھی۔ اسکے نتیجے میں سخت معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ ہر جمعرات کو اور بعض مزاروں پر ہر سال میلے لگتے جن میں مستورات بھی جاتیں منتیں مانتیں اور چڑھاوے چڑھاتیں۔ شہر کے اوباش لوگ جو ایسے مواقع کی تاک میں رہتے ہیں، ان اجتماعات میں پہنچ جاتے اور نازیبا حرکات کرتے۔ اس طرح شریف بہو بیٹیوں کی عزت خطرے میں پڑ جاتی۔

اسی زمانے میں ایک نیا فتنہ نمودار ہوا۔ اور اس کا ظہور پنجاب سے ہوا۔ اس مردم خیز خطے سے چند عورتیں اٹھیں اور انہوں نے پنجاب کے دیہات میں دورے کر کے عورتوں کو اپنا مرید کرنا شروع کر دیا۔ ایک ثقہ

مصنف کے بقول ان عورتوں نے صرف ایک سال میں پانی پت اور کرنال کا دورہ کر کے ڈیڑھ ہزار عورتوں کو اپنا مرید کر لیا۔ مصنف "تحفۂ عزیزی" نے اپنی کتاب میں ایک چشم دید واقعہ لکھا ہے جس کی صداقت میں شک و شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، وہ لکھتے ہیں کہ :۔

جب میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے حدیث پڑھا کرتا تھا تو اسکے ساتھ ہی مجھے یہ بھی شوق تھا کہ ہر سوسائٹی میں جاؤں اور اسکی حالت سے واقفیت حاصل کروں۔ شب و روز مولویوں کی صحبت میں رہتا تھا پھر بھی خشک مغزی کا مجھ میں نام و نشان نہ تھا۔ میری ملاقات شہر میں عموماً سب ہی سے تھی اور کوئی کارخانہ ایسا نہ تھا کہ جہاں لوگ مجھے نہ جانتے ہوں۔ ایک دن میں مصوّروں کے ہاں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اپنے ایک دوست کو خاموش اور سست بیٹھا ہوا دیکھا۔ اس سے سبب دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسکی بیوی پانی پت میں ان عورتوں کی مرید ہو گئی ہے اور کچھ ایسی بے خودی اس پر چھا گئی ہے کہ ہر وقت ان ہی کی خدمت میں رہتی ہے اور اپنا سارا زیور بھی ان ہی کی نذر کر رکھا ہے۔ پھر مجھے اس مصوّر کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کی وجہ سے اپنے مکان کی آرائش و زیبائش ان ہی مرید کرنے والی عورتوں کے لئے کی ہے۔ یہ سن کے مجھے ان پنجابی عورتوں کے حالات دریافت کرنے کا بہت شوق ہوا اور میں نے ایک نظر انہیں دیکھنا بھی چاہا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ میرے دوست مصوّر نے مجھ سے کہا کہ میں کیا تدبیر کروں اور یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میری بیوی ان کے پھندے سے بچ جائے کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ وہ اسے بھی اپنی لونڈی گیری میں پنجاب لے جائیں گی میں نے دلاسا دیا اور کہا کہ شرعاً مرد کو اختیار ہے کہ وہ اس خرافاتِ پیری و مریدی سے عورت کو روکے اور خبر نہیں یہ کس شریعت میں جائز ہے کہ عورتیں عورتوں کو مرید کرتی پھریں۔ میرے اس کہنے پر مصوّر کچھ چوکنا ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر میں زیادہ جبر اس بارے میں اپنی بیوی پر کروں گا تو شاہ اسماعیلؒ صاحب بھی برا نہ بتائیں گے۔ میں نہ کوئی مفتی تھا نہ مولوی نہ ان بحثوں سے اتنی دلچسپی تھی۔ میرا مذاق اگر تھا تو صرف یہ کہ مختلف خیالات کا باہم مقابلہ کروں اور ہر معاشرت کی حالت کو بغور ملاحظہ کروں۔

اتفاق سے دو چار ہی دن میں وہ عورتیں بھی دہلی میں داخل ہوئیں۔ ان کے ساتھ کوئی مرد نہ تھا۔ تمام خدمتیں متفرق عورتوں کو سپرد تھیں۔ تقریباً ان کی بیس پچیس تعداد ہو گی (ان میں سے) یہ عورتیں جو مرید کرتی تھیں، دو بہنیں تھیں جنکی عمر پچاس پچاس برس سے کم نہ تھی۔ انہیں قرآن شریف اچھا یاد تھا اور نہایت خوش الحانی سے پڑھتی تھیں۔ معمولی مسائل کی دس بیس حدیثیں بھی یاد تھیں۔ جس بات سے جاہل عورتیں ان کے

داؤں میں آجاتی تھیں یہ تھی کہ وہ شعبدہ باز پوری تھیں۔ آناً فاناً میں خود بخود نور بن جاتیں اور اپنی مریدہ سے کہتیں کہ خدا نے ہم میں حلول کیا ہے۔ زمین عصا مارنے سے ایک گڑھا ہو جاتا اور اس میں پانی بھر جاتا۔ بیری یا آم کی خشک ٹہنیوں میں صرف اس پر تھوکنے سے ہرے پتے لگ جاتے اور پھر پھل بھی نمودار ہو جاتا۔ بعض وقت نو بجے شب کے جب سنسانی اپنی سلطنت کرتی ہے ملائکہ کی آمد و رفت بھی دکھائی جاتی تھی۔ جو اوپر سے نیچے آتے اور پھر اوپر چڑھ جاتے۔ وہ اپنی بعض بعض باتوں اور سوالات کا جواب آسمانی آواز سے لیتیں جو اس طرح آتی گویا آسمان سے کوئی پکار رہا ہے۔

ان کا آنا تھا کہ قلعہ کی بیگمیں سب سے پہلے ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس کثرت سے جانے لگیں کہ ان شعبدہ باز عورتوں کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اب انہیں اتنا وقت بھی نہ ملتا کہ اپنی شعبدہ بازی کا مصالحہ تیار کریں۔ آخر دق ہو کر انہوں نے یہ مشہور کیا کہ ہمارے پاس وہی عورت آئے جو ہمارے ہاتھ پر بیعت کرے۔ دہلی کی خلقت عجیب خیالات کی ہوتی ہے۔ اس پر بھی عورتیں نہ رکیں۔ سب سے زیادہ قلعہ ٹوٹا ہوا تھا کہ رتھوں اور بہلیوں کو سڑک پر چلنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ نذرانے گذرنے لگے اور اس قدر روپیہ کھچا در ہوا کہ دونوں عورتیں مالا مال ہو گئیں۔ یہ تعجب ہے کہ ان کا شہر دہلی میں سوائے پندرہ سولہ دن کے زیادہ قیام نہ ہوا اور جب انکی شہرت کا سلسلہ تمام حصص دہلی میں پھیلنے لگا تو وہ چل دیں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اسکے کتنے سال بعد، غرض یہ صحیح ہے کہ دہلی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ کلکتہ سے بردہ فروشی کے جرم میں گرفتار ہو کر عبور دریائے شور کی گئیں اور جس وقت ان کی تلاشی لی گئی تو ۲ ، ۳ لاکھ روپے کا نقد اور زیور ان کے پاس سے برآمد ہوا۔

سید احمد شہیدؒ سے بیعت

یہ تھے شاہ اسماعیلؒ کے عہد میں مسلمانوں کے اخلاقی و دینی حالات کہ حضرت سید احمد شہیدؒ دہلی تشریف لائے اور مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہوئے۔ حضرت سید صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد اور آپ کے مرید تھے جس زمانے میں سید صاحبؒ دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مدرسہ میں تعلیم پا رہے تھے ان دنوں شاہ اسماعیلؒ بھی طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے اور سید صاحبؒ نے عربی کی ایک کتاب شاہ اسماعیلؒ سے بھی پڑھی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد سید صاحبؒ ٹونک چلے گئے اور نواب امیر خاں حاکم ٹونک کے لشکر سے وابستہ ہو کر فنونِ جنگ سیکھے اور بعض جنگوں میں حصہ لیکر میدانِ جنگ کے نشیب و فراز سے واقفیت حاصل کی۔ ایک جنگ کے دوران

ان کی پنڈلی میں گولی بھی لگی اور وہ زخمی ہو گئے۔ سات سال ٹونک میں رہنے کے بعد آپؒ دہلی واپس تشریف لائے۔ اس دوران میں آپ کے اندر عظیم تغیر پیدا ہو چکا تھا حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی نگاہِ کیمیا اثر سے آپ کی قلبی حالت تو پہلے ہی تبدیل ہو چکی تھی۔ حضرت شاہ عبد القادرؒ سے قرآن حکیم کی تعلیم پاکر آپؒ میں ایک خاص دینی بصیرت پیدا ہو گئی تھی اور اب سات سال تک نواب امیر خاں کے لشکر سے وابستہ رہ کر آپ میں حیرت انگیز سپاہیانہ اسپرٹ جاگ اٹھی تھی۔ اس بار آپؒ کی دہلی کو واپسی آپؒ کے حق میں نہایت ساز گار ثابت ہوئی۔ آپؒ نے وعظ تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ پہلے ہی آپ کو بیعت لینے کی اجازت دے چکے تھے۔ آپؒ کی تقریروں میں بلا کا اثر اور زبان میں حیرت انگیز جادو تھا۔ لوگ آپؒ کی تقریریں سنتے اور حلقہ بگوش ہو جاتے تھے۔ آپؒ کی بیعت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے صاحبِ "مخزنِ احمدی" لکھتے ہیں کہ جن دنوں سید احمد شہیدؒ صاحب بریلوی مسجد اکبر آبادی میں مقیم تھے انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک روز مولانا عبد الحئیؒ صاحبؒ حضرت شاہ عبد القادرؒ[ا] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں کے درمیان نماز کے اسرار و رموز اور حضوریٔ قلب کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اسرار الصلوٰۃ اور حضوریٔ قلب کے طریقے تصوف و اخلاق کی بہت سی کتابوں میں درج ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ بغیر مرشدِ کامل کے ان چیزوں کا حاصل ہونا امرِ مشکل ہے اگر تم اس نو وارد نوجوان (حضرت سید احمد شہیدؒ کی طرف اشارہ تھا) سے رجوع کرو تو اچھا ہے یہ سن کر حضرت مولانا عبد الحئیؒ حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے نماز کے اسرار بیان کرنے کی درخواست کی۔ سید صاحبؒ نے نیتِ نماز اور وضو سے لیکر سلام پھیرنے تک کی کیفیات اور اس کی الہٰی حکمتیں اس حکیمانہ اور موثر طریقے سے بیان کیں کہ مولانا عبد الحئی صاحبؒ جیسا متبحر عالم حیرت زدہ رہ گیا۔ اس جامع اور عارفانہ تقریر کی لذت مولانا عبد الحئیؒ عمر بھر نہ بھولے اور سید صاحبؒ نے جو بلیغ نکات بیان فرمائے تھے باوجود کوشش کے وہ لوگوں کے سامنے یہ سارے نکات بیان کرنے سے قاصر رہے۔ اس کے بعد سید صاحبؒ نے مولانا عبد الحئیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

"مولانا صاحب! زبانی تعلیم سے آپ کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ غور کرو نماز وہ چیز ہے کہ

ا؎ "مخزنِ احمدی" کے مصنف کو غلط فہمی ہوئی یا یہ کتابت کی غلطی ہے۔ مولانا عبد الحئیؒ شاہ عبد القادر صاحبؒ کی خدمت میں نہیں بلکہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور انہی سے گفتگو ہوئی تھی۔ شاہ عبد القادر صاحبؒ اس واقعے سے پانچ سال قبل یعنی ۱۲۳۰ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ (مولف)

خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے امام ہو کر اس کی تعلیم دی، اٹھو اور میری اقتدا میں دو رکعت نماز ادا کرو[1]۔"

اسی وقت مولوی عبدالحئی کھڑے ہو گئے اور" دو رکعت نماز آپ کے پیچھے مقتدی ہو کر پڑھی اور اس دو رکعت میں تمامی اسرار اور حقیقت نماز کی آپ پر کھل گئی"۔ چنانچہ مولوی صاحب ممدوح ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ" جو کچھ میں نے ان دو رکعتوں میں پایا ساری عمر میں اور ساری کتابوں میں نہیں پایا"[2]۔

اس واقعے کے بعد مولانا عبدالحئیؒ شاہ اسماعیل سے ملے اور ان سے ساری کیفیت بیان کی۔ اگرچہ شاہ صاحبؒ کو طبعاً پیری مریدی سے دلچسپی نہ تھی اور سرسید احمد خاں کے بیان کے مطابق" اہل باطن کی طرف چنداں ملتفت نہ ہوتے تھے[3]۔" مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مولانا عبدالحئیؒ جیسا جید عالم سید صاحبؒ کا معتقد ہو چکا ہے تو وہ بھی مولانا عبدالحئیؒ کے ساتھ سید صاحبؒ سے ملنے مسجد اکبرآبادی تشریف لے گئے اور نماز میں حضورِ قلب کے مسئلے پر ان سے گفتگو کی۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ آج کی شب فقیر کے حجرے میں گذاریے شاید یہ بات ظہور میں آجائے۔ چنانچہ یہ رات شاہ اسماعیل نے سید صاحبؒ کے حجرے میں بسر کی اور ان کی ہدایت پر دو رکعت نماز ادا کر کے ایسے ایسے فیوض و برکات دیکھے کہ صبح ہوتے ہی سید صاحبؒ کی بیعت کر کے ان کے خدام میں شامل ہو گئے۔

---

[1] مخزنِ احمدی صد ۳ مولفہ سید محمد علی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

[2] تواریخ عجیبہ صد ۱۸

[3] آثار الصنادید صد ۲۷

شاہ اسماعیلؒ کی تحریکِ اصلاح

شاہ اسماعیلؒ کی مخالفت

بعض کتابوں میں شاہ اسماعیلؒ کی جو تقریریں درج کی گئی ہیں درحقیقت وہ اسلام کی روح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات سے مزین ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے ان تقریروں میں کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی۔ جو دعویٰ کیا اس کے دلائل قرآن سے پیش کئے یا احادیثِ نبوی سے۔ انہوں نے ان تقریروں کے ذریعے اپنے عہد کے مسلمانوں کو اس صاف ستھرے اور خالص دین کی دعوت دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنی نوع انسان کی فوز و فلاح کیلئے پیش کیا تھا۔ ان بداعمالیوں، لغویتوں بداعتقادیوں اور بہروپ پن سے باز رہنے کی ہدایت کی جو مسلمانوں کی رگ و پے میں سرایت کر کے انہیں دین و دنیا میں رسوا کر رہا تھا۔ ان تقریروں کے کسی ایک لفظ سے خدا تعالیٰ، اسکے رسولؐ یا حقیقی اولیا و صوفیا اور فقرا کی ہتک نہ ہوتی تھی بلکہ انکا حقیقی جلال اور عظمت ظاہر ہوتی تھی مگر افسوس کہ ان کی تقریروں نے دہلی کے مسلمانوں میں آگ لگا دی۔ وہ ان کے خلاف مشتعل ہو گئے بلکہ انہیں مشتعل کیا گیا۔ ان کے خلاف اعتراضات کئے گئے کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی حرمت نہیں کی۔ اولیاء کی ہتک کی، صوفیا کی توہین کی۔ اس لئے وہ واجب القتل ہیں۔ یہ غوغا آرائی کرنے والے دراصل وہ نام نہاد علما اور فقرا تھے جنہیں اپنا وہ اقتدار خطرے میں نظر آرہا تھا جو انہیں جاہل عوام پر حاصل تھا۔ اب تک نماز جمعہ کے موقعہ پر عموماً عربی کے وہ خطبات ہی پڑھ دیئے جاتے تھے جنہیں خطبہ مسنونہ کہتے ہیں، یہ خطبات سن کر عربی زبان سے نابلد عوام کے پلے کچھ نہ پڑتا تھا اور وہ جیسے خالی ہاتھ گھر سے آتے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ گھر کو چلے جاتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے

اُردو میں خطبات دے کر اس روایت کو توڑا اور جمعہ کی عبادت میں افادیت پیدا کر دی، چونکہ وہ جیّد عالم ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت فصیح و بلیغ مقرّر تھے اس لئے ان کے خطبات سننے کی غرض سے لوگوں کا جمِ غفیر جمع ہونے لگا۔ پھر انہوں نے دین کے ایسے ایسے نکات بیان کئے کہ اس سے قبل لوگوں نے کاہے کو سنے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ معقولیت پسند لوگ اُنکی طرف کھنچنے لگے، یہ دیکھ کر علمائے سوادر نام نہاد صوفیا کا گروہ اُنکی مخالفت پر اتر آیا اور اُنکے متعلق ایسی ایسی بے سروپا باتیں مشہور کی گئیں کہ کافروں کے متعلق بھی مشہور نہ کی گئی ہوں گی۔ شاہ صاحبؒ کی مخالفت یہاں تک بڑھی کہ لوگ ان کے خون کے پیاسے ہو گئے اور ایک روز ایک شخص انہیں قتل کرنے کے ارادے سے چھُری لے کر آ گیا مگر قبل اس سے کہ وہ شاہ صاحبؒ پر حملہ آور ہوتا گرفتار کر لیا گیا[1]

شاہ صاحبؒ کی زبان بندی

سر سیّد احمد خاں نے بھی شاہ اسماعیلؒ کے خلاف اس طوفانِ مخالفت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ چونکہ شاہ صاحبؒ اپنی تقریروں میں ایسے نکات بیان کرتے تھے جن سے علما کی کارلی اور جہالت کی وجہ سے عوام تو کیا خواص بھی بے خبر تھے اسلئے علمائے وقت اُنکی اذیت اور اہانت کے درپے ہو گئے کیونکہ انکا خیال تھا کہ اگر ان مسائل سے عوام الناس باخبر ہو جائیں گے تو "ہمارے حق میں موجبِ ضعفِ اعتقاد کا ہو جاوے گا"[2]

علمائے سو کی تحریک کامیاب ہو گئی۔ شاہ اسماعیلؒ کا گھر سے نکلنا بند ہو گیا کیونکہ مولوی صاحبان کے مشتعل کئے ہوئے لوگ ان پر ڈھیلے پھینکتے، گالیاں دیتے اور پھبتیاں کستے، شاہ صاحبؒ بڑے صبر و ضبط اور حوصلے کے انسان تھے۔ انہوں نے ایسے مواقع پر ہمیشہ مشتعل ہونیکی بجائے درگذر سے کام لیا۔ جب یہ حربہ بھی ناکام ہو گیا تو ڈیڑھ ہزار اہلِ شہر کے دستخط کرا کر دہلی کے انگریز ریذیڈنٹ کو ایک درخواست دی گئی جس میں شاہ صاحبؒ پر الزام لگایا گیا تھا کہ اُنکی تقریروں سے فساد کا اندیشہ ہے اور یہ فساد اتنی شدت سے رونما ہو گا کہ قیامِ امن کیلئے فوج طلب کرنی پڑے گی۔ شاہ صاحبؒ کے مشہور حریف اور اس عہد کے ایک جیّد عالم مولانا فضلِ حق خیر آبادیؒ بھی شاہ صاحبؒ کے مخالفین میں شامل تھے، چنانچہ جس زمانے میں

---

[1] سوانح احمدی صہ ۴۹ مؤلفہ مولانا جعفر تھانیسری [2] آثار الصنادید صہ ۵۷

شاہ اسماعیلؒ کے خلاف طوفانِ بے تمیزی برپا ہوا اس وقت مولانا فضلِ حق خیرآبادیؒ سرکار انگریزی میں ملازم اور سررشتہ دار کے منصب پر فائز تھے۔ انہیں انگریزوں کی نگاہوں میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور ریذیڈنٹ سے لیکر معمولی اہلکار بھی ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔ ان کا انگریزی حکام پر اس قدر اثر تھا کہ وہ انکی ہر رائے کو بلا پس و پیش قبول کر لیتے اور انہیں اپنا سچا وفادار اور سلطنتِ انگلشیہ کا حقیقی بہی خواہ سمجھتے مگر جب ۱۸۵۷ء میں بغاوت رونما ہوئی، حالات کا پالنہ پلٹ گیا۔ انگریز قتل کر دیئے گئے اور دہلی پر باغی فوجوں کا قبضہ ہو گیا تو یہی مولانا فضلِ حقؒ باغیوں سے جا ملے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیدیا۔

بہرحال انگریزوں کے عہدِ اقتدار میں ان کا بڑا دبدبہ اور طنطنہ تھا اور ہر طرف انہی کا طوطی بولتا تھا ریذیڈنٹ کے علاوہ خود بادشاہ دہلی بھی ان کی خاطرداری کرتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مولانا فضل حقؒ انگریزوں کی ناک کا بال ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جب شاہ صاحبؒ کے خلاف اہل شہر کی عرضی پیش ہوئی تو یہ مولانا فضلِ حقؒ ہی تھے جنہوں نے انگریز ریذیڈنٹ پر یہ اثر ڈالا کہ اگر شاہ اسماعیلؒ کا وعظ بند نہ کرایا گیا تو شہر میں سخت خون خرابہ ہوگا۔ ایک تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ عرضی ریذیڈنٹ کے سامنے پیش ہوئی تو وہ بار بار عرضی کو دیکھتا تھا اور کہتا تھا کہ "تعجب ہے شاہ عبدالعزیزؒ کا بھتیجا ایسا فسادی ہو" لیکن مولانا فضلِ حقؒ کے اصرار پر ریذیڈنٹ کے حکم سے شاہ صاحبؒ کو جامع مسجد میں وعظ کہنے سے روک دیا گیا[1] شاہ صاحبؒ سے اس حکم کی باقاعدہ تعمیل کرائی گئی۔ اس طرح اس چشمۂ صافی کا منہ بند کر دیا گیا جو ہزاروں دلوں کی تازگی اور سیرابی کا باعث تھا۔

شاہ اسماعیلؒ نہایت باا ثر انسان تھے۔ یوں بھی ہزاروں افراد ان کے معتقد اور ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اس حکم کے خلاف جو سراسر مداخلت فی الدین تھا علمِ بغاوت بلند کر دیتے اور انکے جھنڈے کے نیچے اسلام کے فدائیوں کا ایک لشکر جمع ہو جاتا۔ مگر واقعات شاہد ہیں کہ انہوں نے ریذیڈنٹ کے اس حکم کے خلاف قانون شکنی کا معمولی سا بھی ارتکاب نہ کیا اور تعمیل حکم میں وعظ بند کر دیا۔ البتہ اس حکم کے خلاف ایک اپیل دائر کی اور اس میں "اسنی" وجہیں لکھ کر ریذیڈنٹ کو بھیجیں اور ثابت کیا کہ اگر میرا وعظ بند رہے گا تو یہ یہ خرابی واقع ہو گی" شاہ صاحبؒ کی درخواست نہایت پُر اثر اور دلائل نہایت قوی تھے۔ اسلئے ریذیڈنٹ نے فوراً مولوی فضل حق صاحبؒ سررشتہ دار کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ "مولوی صاحب چالیس دن تک شاہ اسماعیلؒ کا وعظ بند رکھا گیا میری رائے میں یہ بالکل غلط کارروائی ہوئی ہے۔ اتنے بڑے مولوی کے ساتھ ناجائز برتاؤ کیا گیا ہے۔ ابھی

---

[1] سوانح احمدی صـ ۱۴۴

حکم لکھ دو کہ وعظ کھولا جائے اور جو کوئی مزاحم ہو اسے قانونی سزا دی جائے۔" مجبوراً مولوی فضلِ حق صاحبؒ نے اجرائے وعظ کا حکم نامہ تحریر کیا، مگر وہ ان کے بستے ہی میں رہا۔ ادھر جب کئی روز گذر جانے کے باوجود شاہ صاحبؒ کی درخواست کا کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے خود ریذیڈنٹ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ یہ معلوم کر کے کہ ریذیڈنٹ کا کونسا وقت فارغ اور ملاقات کا ہوتا ہے، آپ مولوی عبدالصمد بنگالی، مولوی عبدالرحیم محدث، اپنے منشی ہیرالال اور ایک خادم کو لے کر ریذیڈنٹ کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ جیسے ہی اسے اطلاع ہوئی کہ

"شاہ اسماعیل آئے ہیں فوراً باہر نکل آیا اور باہر برانڈے سے آ کر کوٹھی میں لے گیا معمولی مزاج پُرسی کے بعد ریذیڈنٹ نے خود یہ الفاظ کہے کہ "مولوی صاحب ہمارے سررشتہ دار کی غلطی سے آپ کے وعظ بند کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا تھا لیکن جب آپ نے واجبی اور معقول وجہیں لکھیں تو میں نے اسی وقت حکم ثانی لکھوا دیا تھا کہ وعظ قدیمی طور پر جاری کیا جائے اور کوئی مزاحم نہ ہو غالباً آپ وعظ فرماتے ہوں گے"۔

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں۔ اس پر ریذیڈنٹ حیران ہوا اور اس نے قدرے غصے سے کہا کہ آج چھ روز ہو چکے ہیں کہ میں اجرائے وعظ کا حکم دے چکا ہوں۔ اس کے بعد اس نے سررشتہ دار (مولانا فضلِ حق صاحبؒ) کو اپنے حضور طلب کیا اور اپنے حکم کی تعمیل نہ کرنے پر مولوی صاحب کو تین مہینے کیلئے معطل کر دیا[1]۔ معطلی کے بعد مولانا فضلِ حق صاحبؒ رامپور چلے گئے اور تین مہینے وہیں رہے۔ وعظ کی اجازت مل جانے پر شاہ اسماعیلؒ نے ریذیڈنٹ سے اجازت چاہی، اس نے پہلے کی طرح نہایت عزت و احترام سے آپؒ کو رخصت کیا۔

شاہ اسماعیلؒ کے اصلاحی کارنامے

وعظ کی اجازت مل جانے کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے تبلیغ و ہدایت کا وہ مبارک سلسلہ پھر شروع کر دیا جو چالیس دن بند رہا تھا۔ یہ پابندی ختم ہونے کے بعد ان کی تقریریں سننے کیلئے لوگوں کا اژدہام پہلے سے کئی گنا زیادہ ہونے لگا۔ یہ انکی تقریروں کی برکت تھی کہ عوام الناس اور خواص دونوں کو "توفیق نماز کی ایسی ہوئی کہ مسجد جامع میں نمازِ جمعہ کے واسطے ایسی کثرت ہونے لگی جیسے عیدگاہ میں نمازِ

[1] حیاتِ طیبہ صد ۲۷

عیدین کے واسطے ہوا کرتی ہے۔[1]

اب شاہ صاحبؒ نے پہلے سے زیادہ سرگرمی سے مسلمانوں کی اصلاحِ اخلاق اور شعائر اللہ کے احترام کی مہم شروع کی جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے عہد میں مسلمانوں کے دلوں میں مساجد کا وہ احترام باقی نہیں رہا تھا جو ہونا چاہئے تھا۔ گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ جامع مسجد دہلی کے اندرونی حوض پر ایک بازار لگا کرتا تھا جس میں صدہا ہندو بھی دکانیں لگاتے اور وہ غل غپاڑہ ہوتا کہ خانۂ خدا مچھلی مارکٹ بن کر رہ گیا تھا۔ لوگ مٹھائی اور دوسری چیزیں خریدتے اور کھانے کے بعد سنے ہوئے کاغذ اور دونے وہیں ڈال کر چلے جاتے۔ اس طرح مسجد غلاظت کا گھر بن گئی تھی۔ شاہ اسماعیلؒ نے خانۂ خدا میں بازار لگنے کی یہ ساری کیفیت اور اسکے نتیجے میں خانۂ خدا کی بے حرمتی کا حال لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور اسے اللہ تعالیٰ کے مواخذہ اور عذاب سے ڈرایا۔ بادشاہ پر شاہ صاحبؒ کی اس تحریر کا بڑا اثر ہوا اور اس نے فوراً یہ بازار بند کرا دیا۔[2] اس طرح شاہ اسماعیلؒ کی مساعیٔ جمیلہ سے ایک نہایت مذموم حرکت ختم ہو گئی اور خانۂ خدا کی حرمت دوبارہ قائم ہو گئی۔

بادشاہِ وقت کو جرأت مندانہ تبلیغ

شاہ صاحبؒ کے زمانے میں جہاں اور بہت سی بدعتیں رونما ہو گئی تھیں وہاں ایک بدعت یہ تھی کہ دہلی کی جامع مسجد میں کچھ تبرکات رکھے ہوئے تھے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعض دیگر مقدس ہستیوں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ یہ تبرکات جب بادشاہ کے دیدار کے لئے جامع مسجد میں سے قلعے میں لے جائے جاتے تو مسجد میں موجود حاضرین کھڑے ہو جاتے تعظیم دینے اور کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیتے۔ حالانکہ ان اشیاء کے متعلق کسی شخص کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا کہ وہ جن مقدس ہستیوں سے منسوب کی جاتی تھیں ان سے ان اشیاء کو کوئی حقیقی نسبت تھی بھی یا نہیں۔ ایک روز شاہ اسماعیلؒ دہلی کی جامع کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت زور وشور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے مگر شاہ صاحبؒ نے التفات نہ کیا اور برابر وعظ کہتے رہے۔ یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے کہا کہ مولانا آپ کیا کر رہے ہیں۔ اٹھئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم دیجئے۔ شاہ صاحبؒ اس پر بھی نہ اٹھے اس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا اور انہوں نے اور سختی سے کہا۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اول تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں۔ اب میں اس وقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ انجام دے رہا

---

[1] آثار الصنادید صہ ۵۰ — [2] سوانح احمدی صہ ۱۴۴

ہوں لہذا میں نہیں اٹھ سکتا ۔ یہ جواب سن کر اور شور و شغب ہوا اور فساد تک نوبت پہنچ گئی مگر چونکہ مولانا کیساتھ بھی فدائی بہت تھے اس لئے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہ گیا ۔ یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اور شاہ صاحبؒ کے خاندان کا بہت معتقد تھا ۔ لوگوں نے جا کر بادشاہ سے شاہ صاحبؒ کی بہت شکایتیں کیں ۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو بلوایا اور ان سے حوض والے واقعہ کی تفصیل دریافت کی ۔ آپؒ نے پورا واقعہ بیان کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں ہے ۔ اکبر بادشاہ نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ ان کو مصنوعی کہتے ہیں شاہ صاحبؒ نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجے میں فرمایا کہ میں کہتا ہی ہوں مگر آپ ان کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں ۔ اکبر بادشاہ نے تعجب سے کہا کہ یہ کیسے ؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کیلئے تشریف نہیں لے گئے ۔ یہ سن کر اکبر شاہ چپ رہ گیا ۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ ۔ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے ۔ آپ نے انہیں ہاتھ میں لے کر واپس کر دیا اور اس کے بعد فرمایا کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی لیکن اگر ان کو واقعی مان بھی لیا جاوے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ، علیٰ ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اسلئے اسکا کلام رسول ہونا بھی ناقابلِ انکار ہے اور کلام اللہ و کلام رسول کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا مگر باوجود ان تمام ناقابلِ انکار باتوں کے کلامِ خدا و کلامِ رسول آپ کے سامنے آیا ۔ مگر آپ لوگوں نے کوئی تعظیم نہ دی بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں اس مضمون کو مولانا شہیدؒ نے نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا ۔ جب شاہ صاحبؒ تقریر فرما رہے تھے تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔[1]

اثنائے گفتگو میں شاہ صاحبؒ کی نظر بادشاہ کے ہاتھوں پر پڑی جن میں سونے کے کڑے تھے اور ان میں بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے ۔ آپؒ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا کہ اسلام میں مرد کے لئے سونا پہننا حرام ہے ۔ یہ سنکر بادشاہ نے اسی وقت کڑے اتار کر شاہ صاحبؒ کی

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص ۵۹

نذر کر دیئے۔ شاہ صاحبؒ نہایت مستغنی المزاج اور بے نیاز قسم کے بزرگ تھے، انہیں زر و جواہر سے کیا سروکار، نہ انکی نگاہ میں ان چیزوں کی کوئی وقعت تھی، پھر آپ یہ بھی جانتے تھے کہ شہر میں آپ کی شدید مخالفت ہے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ آپؒ نے بادشاہ سے سونے کے جڑاؤ کڑے لئے ہیں تو آپؒ کے خلاف اعتراضات کا ایک طوفان امڈ آئے گا چنانچہ آپؒ نے یہ کہہ کر کڑے بادشاہ کو واپس کر دیئے کہ انہیں فروخت کر کے انکی رقم فقراؤ مساکین میں تقسیم کر دیجئے، میں انہیں قبول کرنے سے معذور ہوں۔ گو میں بھی انہیں فروخت کر کے انکی رقم محتاجوں میں تقسیم کر سکتا ہوں مگر جب لوگ سنیں گے کہ میں نے آپ سے سونے کے کڑے لیے ہیں تو وہ میرے خلاف طرح طرح کی باتیں مشہور کریں گے اور میں امکانی حد تک اعتراضات کا ہدف بننے سے بچنا چاہتا ہوں۔ شاہ صاحبؒ کا یہ جواب سن کر بادشاہ اور بھی خوش ہوا اور آپؒ کی شخصیت سے نہایت متاثر ہوا۔ رخصت کرتے وقت اس نے دعا دی کہ خدا کرے اسلام کے پیچیدہ معاملات تمہاری قوتِ بازو سے درست ہو جائیں۔[1]

شہزادی کو تبلیغ

دہلی اور یوپی کے مسلمان جن بدعتوں میں مبتلا تھے ان میں ایک بدعت "بی بی کی صحنک" بھی تھی یہ ایک تقریب تھی جو سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے منسوب تھی، یہ تقریب خالص عورتوں کی تھی۔ اس میں میدے کی ٹکیاں گھی میں تلی جاتی تھیں اور کونڈوں میں بھر کر ایک پاک صاف جگہ رکھ دی جاتی تھیں، یہ ٹکیاں صرف عورتیں ہی کھا سکتی تھیں۔ مردوں کا کھانا یا ان کے قریب جانا بھی گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا، چونکہ اس تقریب کا اسلامی تعلیمات میں کوئی جواز نہ تھا۔ نہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے کبھی یہ تقریب منائی اسلئے حضرت شاہ اسماعیلؒ نے اسے بدعت قرار دیا اور مسلمانوں کو سختی کے ساتھ اس سے روکا۔ جاہل مردوں اور عورتوں دونوں کو شاہ صاحبؒ کا اس تقریب سے روکنا اور اسے بدعت قرار دینا ناگوار گزرا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے دہلی کے شاہزادوں سے اس مسئلے پر گفتگو کی اور انہیں اس امر پر آمادہ کر لیا کہ دہلی کے بادشاہ اکبر شاہ کی بڑی بہن سے شکایت کی جائے اور ان کے ذریعہ انہیں اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ شاہزادی اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انہوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا۔ اس لئے بادشاہ ان کا بہت ادب کرتا تھا۔ شہزادے اور شہزادیاں بھی ان کا احترام کرتے اور ان سے دبتے تھے، یہ شاہزادی نہایت سخت مزاج تھیں اور بہت جلد مغلوب الغضب

---

[1] حیاتِ طیبہ ص ۷۴

ہوجاتی تھیں۔ ایک روز شاہزادوں نے باہم مشورہ کرکے لال قلعے میں ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس میں شاہ اسماعیلؒ کو بھی مدعو کیا۔ دعوت سے قبل شہزادوں نے شہزادی صاحبہ کو شاہ صاحبؒ کے خلاف خوب مشتعل کیا اور ان سے کہا کہ شاہ اسماعیلؒ بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں، میراں کے بکرے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ فلاں کے روٹ کی مخالفت کرتے ہیں۔ شیخ عبدالقادرؒ کی گیارہویں کی مخالفت کرتے ہیں، اس طرح شہزادی کی شاہ اسماعیلؒ کو پوری طرح مخالف بنا دیا۔ جب دعوت کا وقت آیا تو شہزادی بھی پردہ کے پیچھے آکر بیٹھ گئیں۔ اتفاقاً شاہ اسماعیلؒ کو دعوت میں آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ مخالف شہزادوں کو اور موقع ملا اور انہوں نے شاہزادی سے کہا کہ دیکھئے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا۔ اس پر وہ اور برہم ہوگئیں، اتنے میں شاہ اسماعیلؒ تشریف لے آئے۔ ان کے آتے ہی شہزادی نے غصہ کی آواز سے کہا کہ "عبدالعزیزؒ کا بھتیجا اسماعیلؒ آگیا" شاہ صاحبؒ محفل کا رنگ دیکھ کر تاڑ گئے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے آپؒ نے شہزادی کی اس بات کا تو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ " اخاہ یہ آواز تو چھکو (شاہزادی کا پیار کا نام) اماں کی معلوم ہوتی ہے، اماں! سلام" شاہ صاحبؒ کا یہ انداز گفتگو دیکھ کر شہزادی کا سارا غصہ کافور ہوگیا اور انہوں نے بڑوں کے قاعدے کے مطابق سلام کا جواب دیا۔

ادھر ادھر کی دو چار باتیں کرکے کہا کہ اسماعیل! ہم نے سنا ہے کہ تم "بی بی کی صحنک" کو منع کرتے ہو۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ اماں! میں منع نہیں کرتا۔ بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کردوں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے، بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جانؐ منع کرتے ہیں۔ میں بی بی کے ابا جانؐ کا حکم سناتا ہوں اس پر شاہزادی نے حیرت کے لہجے میں پوچھا کہ بی بی کے ابا جانؐ منع کرتے ہیں؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا جی ہاں، چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔ من احدث فی دیننا ھذا مالیس منہ فھو رد (جو شخص ہمارے دین میں نئی بات پیدا کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے، تو وہ مردود ہے)

اور حدیث پڑھ کر اسکی تشریح کی اور اس سے بی بی کی صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی، شہزادی نے جو یہ تقریر سنی تو مان گئی اور کہا کہ اب سے اگر کوئی عورت (صحنک) کرے گی تو اس حرام زادی کی ناک چٹیا کاٹ لوں گی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لاتے ہم تو بی بی کے اباؐ پر ایمان لاتے ہیں جب وہی منع کرتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔[1]

طوائفوں کو تبلیغ

شاہ اسماعیلؒ جس مشن پر مامور تھے اس کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ اس مشن کا تقاضہ تھا کہ وہ ہر طبقے کے

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صہ ۹۲

لوگوں کے پاس جاتے اور گمراہوں کو راہِ راست کی دعوت دیتے۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک تھا کہ جب تک قعرِ مذلت میں گرے ہوئے لوگوں کو اس پستی سے نہیں نکالا جائے گا اس وقت تک ان کا فرضِ تبلیغ ادا نہیں ہو سکے گا بلکہ جو شخص یا جو طبقہ جتنا زیادہ معصیت کا شکار ہے وہ اتنا ہی زیادہ توجہ اور اصلاح کا مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنا فرض ادا کرنے کے لئے ان لوگوں کے پاس جانے میں بھی کوئی شرم محسوس نہ کی جن کے پاس جانا شرفا کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ چنانچہ "ذکرِ جلی" کے مولف بیان کرتے ہیں کہ ایک روز مولانا اسماعیلؒ صاحب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مدرسہ کے دروازے پر کھڑے تھے کہ اتنے میں بہت سی جوان اور خوبصورت عورتیں تھوں اور بیل گاڑیوں میں سوار ان کے سامنے سے گذریں۔ آپؒ نے کسی شخص سے دریافت کیا کہ یہ کون عورتیں ہیں جواب ملا کہ یہ طوائفیں ہیں اور ایک بڑی طوائف کے یہاں کسی تقریب میں شرکت کرنے جا رہی ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ مسلمان ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں مسلمان ہیں۔ یہ سنکر شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب مسلمان ہیں تو ہماری بہنیں ہیں۔ ہم سے خداوند تعالیٰ کے یہاں باز پرس کی جائے گی کہ اتنی مسلمان عورتیں بدکاری میں مبتلا تھیں اور ہم نے ان کی اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس لئے اب میں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں نصیحت کروں گا۔ آپ کے دوستوں اور ساتھیوں نے ہر چند سمجھایا کہ لوگ پہلے ہی آپ کے مخالف ہیں۔ جب آپ طوائفوں کے گھروں میں جائیں گے تو لوگ آپ کو طرح طرح سے بدنام کریں گے اور کہیں گے کہ مولوی اسماعیلؒ چکلے میں جانے لگا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ تاریخی الفاظ کہے کہ :-

"اسماعیلؒ کو اس بات کی پروا نہیں جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا حکم سنانے کو نکلا تو ہر ایک کو سنائے گا۔ اس کے واسطے سب کلمہ گو مومنوں کا حق برابر ہے۔ اے دل! اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلا دیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھنچوا دیں تو اس وقت بھی اللہ ہی کی بات بولتا رہے گا"[1]

جب شام ہوئی تو آپ نے درویشوں کا بھیس بدلا اور اس طوائف کے دروازے پر پہنچ گئے جس کے ہاں تقریب منعقد تھی اور رقص و سرود کی مجلس گرم ہو رہی تھی۔ اول دروازے پر دستک دی اور صدا لگائی کہ "آؤ اللہ والیو، آؤ اللہ والیو!" آواز سن کر چند لڑکیوں نے دروازہ کھولا اور پوچھا کون ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ "فقیر ہے کچھ صدا سنائے گا اور تماشہ دکھائے گا۔" لڑکیوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی تماشہ دکھانے والا فقیر ہے۔ آپ کو اندر بلا لیا۔ مکان میں داخل ہو کر آپ نے لڑکیوں سے پوچھا کہ

---

[1] سوانح احمدی صفحہ ۱۴۵

بڑی بی بی صاحبہ کہاں نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اوپر بالاخانے پر جشن میں بیٹھی ہیں۔ شاہ صاحبؒ بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ بہت سی طوائفیں جمع ہیں اور بڑی طوائف کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھی مصروفِ جشن ہیں۔ سامنے شمع دان روشن ہیں۔ اگرچہ شاہ صاحبؒ نے بھیس بدل رکھا تھا مگر آپؒ دہلی کے نامور شخص تھے اور ہر شخص آپؒ کو پہچانتا تھا۔ اس بڑی طوائف نے جو پہلے ہی مردم دیدہ تھی آپؒ کو پہچان لیا۔ فوراً کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر باقی طوائفیں بھی کھڑی ہوگئیں۔ اس نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ "حضرت آپ نے کیونکر تکلیف فرمائی" آپ نے جواب دیا کہ گھبراؤ مت میں تمہیں صدا سنانے آیا ہوں۔ اپنی اپنی جگہ آرام سے بیٹھو۔ اس کے بعد آپ نے قرآن حکیم کی تلاوت شروع کی۔ اس خوش الحانی اور سوز و کیف سے آیات کی تلاوت کی کہ ان پر وجد طاری ہوگیا۔ اسکے بعد آپؒ نے ان آیات کے معنی بیان کئے جن میں دنیا کی بے ثباتی حسن و جوانی اور مال و دولت کے عارضی اور فانی ہونے کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ ان آیات کی تفسیر آپؒ نے اس موثر انداز سے کی کہ طوائفوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ پھر آپؒ نے زندگی کے خاتمے، جان کنی اور اس عالم میں انسان کی بے کسی و بے بسی کی کیفیت ایسے پُر درد طور سے بیان کی کہ ان کے ہوش و حواس اڑنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے قبر کی تنہائی اور فرشتوں کے سوال و جواب کا نقشہ کچھ اس رنگ سے کھینچا کہ طوائفیں دہشت زدہ ہوگئیں۔ بعد ازاں آپ نے میدانِ حشر کی سختی بیان کی اور پھر انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ

"روزِ قیامت بدکاروں کے گروہ کے گروہ گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے اور جو کوئی اس فعلِ بدکاری کا دنیا میں سبب یا وسیلہ یا موجد یا معاون ہوا ہے وہی اس دن اس گروہ کا پیش رَو ہوگا۔ جب بروزِ قیامت تم ایک ایک بہ جرمِ بدکاری گرفتار ہو کر حاضر کی جاؤ گی تو ہر ایک زانیہ کے ساتھ سیکڑوں ہزاروں زانی و بدکار بھی لائے جائیں گے جن کی زناکاری و بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئی ہو اور تمہارے ہی ناز و ادا نے ان کو اس آفت میں پھنسایا تھا تو اب خیال کرو کہ ایسی حالت سے جبکہ سیکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمہارے پیچھے پیچھے ہوں گے۔ اللہ رب العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا۔"

شاہ صاحبؒ کا یہ بیان اتنا دردناک تھا کہ طوائفیں روتے روتے بے حال ہوگئیں ان کی یہ کیفیت دیکھ کر آپ نے توبہ کی فضیلت بیان کی اور کہا کہ جب کوئی شخص اپنے گناہوں سے تائب ہو جائے تو اس کی مثال نوزائیدہ بچے کی سی ہو جاتی ہے۔ خدائے رؤف و رحیم اس کے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ حدیث سنائی کہ التائب من الذنب لمن لا ذنب لہ (گناہ سے توبہ کرنے والا

ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا) پھر آپؒ نے انہیں تلقین فرمائی کہ تم سب اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور تم میں سے جو نکاح کے قابل ہے وہ جس شخص سے دل چاہے نکاح کرے۔ آپؒ کے اس پر تاثیر اور حکیمانہ وعظ کا ان طوائفوں پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اس ناپاک زندگی کو خیرباد کہہ کر نکاح کر لئے اور جو عورتیں سن رسیدہ ہو چکی تھیں وہ محنت مزدوری کر کے گذراوقات کرنے لگیں۔[۱]

تاثیر بیان

یہ واقعہ جہاں شاہ اسماعیلؒ کے مشن کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے اور جہاں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغام حق پہنچانے کی غرض سے آپؒ کو کسی بھی جگہ جانے اور کوئی بھی کام کرنے سے عار نہیں تھا وہاں اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی زبان میں کیسی تاثیر رکھی تھی اور آپؒ کی تقریر کیسی حکیمانہ ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؒ کی تاثیر بیان کے اس خداداد جوہر سے بڑی بڑی مہمات کو سر کر لیا اور ایسے ایسے لوگوں کو اپنا گرویدہ اور اسلام کا جاں نثار بنا دیا جن کے متعلق وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کے قلوب میں ایسا انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔ مولفؒ "سوانح احمدی" نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب میں آپؒ کی تاثیر بیان کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ درج کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز شاہ اسماعیلؒ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر تقریر کر رہے تھے۔ اتفاق سے ایک ہیجڑا مہندی لگائے، ہاتھوں میں کڑے، پیروں میں چھڑے اور سرخ جوڑا پہنے ادھر سے گذرا۔ مجمع دیکھ کر وہ بھی آ گیا اور شاہ صاحبؒ کے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اس کے قلب پر آپؒ کی تقریر کا اثر ہونے لگا اور وہ جامع مسجد کی ایک سیڑھی پر بیٹھ کر محویت کے عالم میں وعظ سننے لگا۔ شاہ صاحبؒ نے بھی اسکی طرف خاص توجہ کی۔ اس کے زنانہ انداز واطوار کی برائی بیان کی اسے مواخذۂ الٰہی سے ڈرایا اور عذاب آخرت کی کیفیت اس انداز سے بیان کی کہ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی چوڑیاں توڑ دیں، کڑے اور چھڑے اتار پھینکے اور اپنے مہندی زدہ ہاتھوں کو جامع مسجد کی سیڑھیوں کے پتھروں سے اتنا رگڑا کہ لہولہان کر لیا۔ تقریر ختم ہونے کے بعد اس نے شاہ صاحبؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اور آپ کے خادموں میں شامل ہو کر جہاد کی غرض سے صوبۂ سرحد گیا اور وہیں دہلی کا یہ مخنث سکھوں کے مقابلے میں داد مردانگی دیتا ہوا شہید ہو گیا۔[۲]

شاہ اسماعیلؒ کی یہی تاثیر بیان تھی جس نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں فاسقوں اور بدعقیدہ مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنا دیا۔ ایک تذکرہ نگار کے بقول انکے وعظ سے متاثر ہو کر ہر روز دس پانچ ہندو اور درجنوں فاسق

---

[۱] سوانح احمدی صفحہ ۱۴۵، صفحہ ۱۴۶ [۲] سوانح احمدی صفحہ ۱۴۶

مسلمان اپنے غلط عقائد اور فاسقانہ حرکات سے تائب ہو کر اطاعتِ اسلام کا جوا اپنے کندھوں پر رکھ لیتے تھے بعض دفعہ آپؒ کا وعظ سن کر گردہ کے گردہ اپنی بداعمالیوں سے تائب ہو جایا کرتے تھے حالانکہ "مجموعۂ واقعات" کے مصنف کے بیان کے مطابق ایک جلسہ میں شاہ صاحبؒ کی پر معارف تقریر سے متاثر ہو کر آٹھ سو مسلمانوں نے شرک و بدعت سے توبہ کر لی اور آپؒ کے معتقد ہو گئے۔ ایک اور اجتماع میں جب آپ تقریر فرما رہے تھے تو کم و بیش دو سو آدمیوں نے آپ کی پُر تاثیر تقریر سن کر با آواز بلند اعلان کیا کہ ہم شرک سے توبہ کرتے ہیں اور آئندہ اپنی حاجتیں خداوند تعالےٰ کے سوائے اور کسی کے سامنے پیش نہیں کریں گے۔ دہلی کے بہت سے بدمعاش اور سرکش جن سے شہر کانپتا تھا شاہ صاحبؒ کی تاثیر بیان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نہ صرف انہوں نے برافعالِ قبیحہ ترک کر دیئے بلکہ ان میں سے بہت سے آپ کے ساتھ جہاد کے لئے گئے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

جلال شاہ میں پاکیزہ تبدیلی

عوام ہی پر منحصر نہیں شاہ صاحبؒ کی تقریر کا جادو اور انکی حکیمانہ گفتگو کا اثر ان لوگوں پر بھی پڑتا تھا جو خود سیکڑوں دلوں پر حکمرانی کرتے تھے اور جنکے ادنیٰ اشارے پر ہزاروں افراد کٹ مرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ "تذکرۂ مشاہیر دہلی"، "تواریخِ علمائے دہلی" اور دیگر کتب کے مصنفین نے یہ واقعہ بڑی شرح و بسط سے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ ربیع الاول کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو "قدم شریف" میں بڑا عظیم الشان عرس ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے صوفیا اپنے مریدوں کے ہمراہ آتے اور حال و قال کی مجالس آراستہ ہوتیں ان میں جلال شاہ نامی صوفی بڑے مشہور و مقبول دینی پیشوا تھے جن کے اثر کا یہ عالم تھا کہ جب وہ دہلی میں داخل ہوتے تو عوام تو عوام قلعہ معلٰی کے شہزادے اور دہلی کے بڑے بڑے رؤسا انکی پیشوائی کے لئے جاتے اور ہاتھوں ہاتھ انہیں ان کے خیمے میں پہنچاتے۔ جلال شاہ کا انداز نہایت امیرانہ بلکہ شاہانہ تھا۔ اس کا خیمہ عطر سے بسا رہتا تھا۔ نہایت بیش قیمت قالین ایرانی غالیچے اور جواہرات سے مرصع سامان اس کے خیمے کی زینت ہوتا۔ فقرا اور مساکین میں دونوں ہاتھوں سے روپیہ لٹاتا۔ ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتا مگر امیروں اور شہزادوں سے ملتے وقت اس کا انداز مفتخرانہ ہوتا۔ گفتگو کم کرتا۔ قہقہے لگا کر ہنستے ہوئے اسے شاید ہی دیکھا گیا ہو۔ اس کی یہ آن بان یہ شان و شوکت اور یہ داد و دہش عوام الناس کیلئے بڑی پُر کشش تھی۔ اسلئے ہزاروں افراد اسکے عقیدت مند تھے۔ جب شاہ اسماعیلؒ کو اسکے انداز و اطوار اور غیر معمولی اثر و اقتدار کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اسکے پاس جانے اور اس سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چونکہ دہلی کے لوگ آپؒ کو بخوبی پہچانتے تھے اسلئے بپا ہیانہ وضع اختیار کر کے دس بجے شب آپ جلال شاہ کے خیمے میں پہنچ گئے یا تو دہلی کے کسی شخص نے انہیں پہچان لیا یا جلال شاہ نے کسی طریقے سے معلوم کر لیا کہ یہ شاہ اسماعیلؒ ہیں۔ چنانچہ اس نے آپؒ کو بلا کر اپنے قریب بٹھا لیا جب تبرکات تقسیم ہو چکے اور لوگوں کی اکثریت رخصت ہو گئی تو جلال شاہ شاہ اسماعیلؒ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ دہلی کے باشندے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر اس نے کہا کہ برس پیچھے ایک دن ایسا آتا ہے جب ہم آپ ہی لوگوں کی وجہ سے یہاں آجاتے ہیں۔ آپ جیسے اصحاب کی زیارت ہو جاتی ہے ورنہ ہمارے یہ نصیب کہاں کہ دہلی اور اہل دہلی کی خوش صحبتی سے فیضیاب ہوں۔" یہ سن کر شاہ صاحبؒ نے کچھ ایسی تقریر شروع کی کہ اسے آپ کی گفتگو میں بڑا لطف آنے لگا۔ اپنا دربار برخاست کیا اور تنہائی میں شاہ صاحبؒ کی گفتگو سننے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے آپؒ سے دریافت کیا کہ کیا "شاہ اسماعیلؒ آپ ہی ہیں"۔ اول اول تو شاہ صاحبؒ کو حیرت ہوئی کہ اسے کیسے معلوم ہو گیا۔ آخر آپ نے اس سے پوچھا کہ آپ کو کیا معلوم کہ میں کون ہوں۔ اس نے مسکرا کر کہا پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ شاہ اسماعیل ہیں یا نہیں؟ شاہ صاحبؒ نے اپنے اسماعیل ہونے کا اقرار کیا۔ اس کے بعد جلال شاہ نے انہیں بتایا کہ دہلی کے لوگوں نے متعدد بار آپ کا حلیہ لکھ کر میرے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ کوئی ایسی ترکیب بتائی جائے جس سے اسماعیلؒ کو شکست ہو جائے مگر مولوی صاحب میرا یہ مسلک نہیں کہ میں دوسروں کو ایذا پہنچاؤں۔ اس لئے میں نے ان خطوط سے کوئی اثر نہ لیا مجھے ایک علم بھی آتا ہے اور وہ یہ کہ میں نے مشق کر کے اپنی آنکھوں میں ایسی قوت پیدا کر لی ہے کہ اپنے سے کمزور دل و دماغ والے شخص پر غالب آجاتا ہوں لیکن اسکے باوجود میں نے آج تک یہ عمل اپنے بھانجے کے سوائے اور کسی پر نہیں کیا کہ کہیں میرے اس عمل سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ اور میں عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤں۔ اس کا یہ بیان سن کر شاہ اسماعیلؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا کہ "افسوس ایسا خدا ترس انسان دوسروں کی تو ایذا کا پاس رکھے اور اپنے نفس کی تکلیف کا اسے ذرا بھی خیال نہ ہو۔" اس کے بعد آپ نے جلال شاہ کے سامنے اسلام کی حقیقی تعلیم پر تقریر کی اور اسے بتایا کہ اسلام نے ہمیں کن باتوں کا حکم دیا ہے اور کن باتوں سے روکا ہے۔ جن غیر اسلامی حرکات کا جلال شاہ مرتکب ہو رہا تھا قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ نے ان کی برائیاں بیان کیں۔ جلال شاہ کی طبیعت میں اصلاح کا مادہ تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ شاہ صاحب کی تقریر قرآن وحدیث کے دلائل سے اتنی آراستہ اور آپ کا انداز بیان اتنا فصیحانہ و بلیغانہ تھا کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ تذکرہ

میں لکھا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تقریر سن کر وہ زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنے نفس پر جو ظلم کیا ہے اس کی جواب دہی تو مجھے خداوند تعالیٰ کے سامنے کرنی ہی ہوگی مگر جب مجھ سے سوال کیا جائیگا کہ جلال شاہ! تیری وجہ سے اتنے آدمی گمراہ ہوئے تو میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ شاہ صاحبؒ نے اسے تسلی دی اور ہاتھ اٹھا کر اسکے لئے دعا کی۔ اس دعا میں خود جلال شاہ بھی شریک ہوگیا۔ رات کو آپؒ نے اور آپؒ کی تحریک پر جلال شاہ نے نمازِ تہجد ادا کی۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ اس سے رخصت ہوگئے۔ صبح کو جلال شاہ نے اپنے مریدوں کو بھی ہدایت کی اور ان سب نے تائب ہو کر راہِ راست اختیار کر لی۔

رسول شاہیوں کے خلاف جہاد

شاہ اسماعیلؒ کے زمانے میں رسول شاہی فرقے نے بڑی مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ فدا حسین رسول شاہی اس فرقے کا سربراہ اور نہایت بددین شخص تھا۔ اس کا جاہل عوام پر بڑا اثر تھا اور یہ بہت سے لوگوں کے دین و ایمان کو تباہ کر چکا تھا۔ یہ شخص سر سید احمد خاں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور ان کی نانی کا بھائی تھا۔ اسکے اثر و اقتدار کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے ایک لائق شاگرد مولوی عبد اللہؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ کے ایک خاص مرید اسکی صحبت اور اثرِ تبلیغ سے تباہ ہو گئے۔ آخر یہ صورتِ حال دیکھ کر شاہ اسماعیلؒ نے فدا حسین رسول شاہی کے فتنے کا قلع قمع کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔ آپ نے اس کے طور طریقوں کے خلاف تقریریں کیں۔ اس کے مریدوں کے پاس فرداً فرداً تشریف لے گئے اور انہیں سمجھایا۔ کئی بار اسکے اجتماعات میں گئے اور اس کی موجودگی میں اس کے گمراہ کن عقائد پر کاری ضربیں لگائیں۔ آپ کی ان مدلل و موثر تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ فدا حسین کے متعدد مرید تائب ہو کر شاہ اسماعیلؒ کے معتقدوں میں شامل ہو گئے۔[1]

نکاحِ بیوگان کی مہم

شاہ صاحبؒ کے عہد میں برصغیر کے مسلمان جن گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے ان میں ایک بڑی گمراہی یہ بھی تھی کہ انہوں نے بیوہ کا نکاح معیوب قرار دے دیا تھا۔ یہ ان کا خود ساختہ دین تھا جس کا اسلام سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اسلام میں تو نہ صرف بیوہ کے نکاح کی اجازت ہے بلکہ تاکید کی گئی ہے کہ ایسی بیوہ

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۶۴

عورتوں کا نکاح کردو جو نوجوان یا جوان ہوں تاکہ وہ خواہشاتِ نفس سے مغلوب ہو کر بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بیوہ عورتوں سے نکاح کر کے اس فعل کی اشرفیت وافضلیت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی تھی۔ آپ کی ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ماریہؓ قطبیہ کے علاوہ تمام ازواج بیوہ ہی تھیں۔ مگر برصغیر خصوصاً دہلی اور اسکے مضافات کے مسلمانوں نے ہندوؤں کے اثر اور ان کے میل ملاپ کی وجہ سے اس سنّت کو ترک کر کے بیوہ کا نکاح نہ کرنے کی خالص ہندوانہ رسم اختیار کر لی تھی۔ اس طرح ہزاروں نوجوان بیوہ عورتیں اپنے فطری جذبات کا گلا گھونٹ کر سخت ذہنی عذاب میں مبتلا تھیں اور بعض جگہ اس صورتِ حال کے نہایت افسوسناک نتائج نکل رہے تھے۔ تیرھویں صدی ہجری کے عظیم روحانی پیشوا حضرت سید احمد شہیدؒ نے اس بدعت کے خلاف سب سے پہلے جہاد کیا۔ انکی تقلید میں شاہ اسماعیلؒ نے بھی نکاحِ بیوگاں کی مہم کا آغاز کیا اور سب سے پہلے اپنی سن رسیدہ بیوہ ہمشیرہ کا نکاح اس عہد کے ممتاز عالم دین اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے دستِ راست حضرت مولانا عبد الحئیؒ سے کر دیا۔ اسکے بعد آپ نے اپنی ساری توجہ نکاحِ بیوگان کی مہم پر مرکوز کر دی اور اپنی تقریروں میں اس سنتِ نبوی کی فضیلت اس مؤثر انداز سے بیان کی اور ایسے ناقابلِ شکست دلائل پیش کئے کہ صرف شہر دہلی میں کئی ہزار مظلوم بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیئے گئے۔ ایک روایت کے مطابق شاہ اسماعیلؒ کی کوشش اور آپ کی پُرتاثیر تقریروں کے نتیجے میں" دس ہزار کے قریب بیوہ عورتیں شوہر والیاں ہو گئیں اور آپ کی بدولت یہ رسم زبوں ہمیشہ کے لئے شہر دہلی سے اٹھ کر سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری ہو گئی۔[1]

چند اور اصلاحی کامیابیاں

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت اور آپ کے واقعۂ شہادت کی الم انگیزی سے کوئی منصف مزاج اور خوفِ خدا رکھنے والا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ سیدنا حسینؓ کی شخصیت سارے عالمِ اسلام کیلئے واجب الاحترام تھی اور ہے۔ وہ دل غارت ہو گیا جس میں آپؓ کے خلاف ذرا سا بھی بغض ہے لیکن بعض لوگوں نے آپ سے محبت وعقیدت میں بے حد غلو کیا۔ انکی دیکھا دیکھی برصغیر کے بعض علاقوں میں اہل سنت والجماعت مسلمانوں نے بھی بعض ایسی حرکات شروع کر دیں جنہیں شرک وبدعت کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس شرک وبدعت کا سب سے زیادہ شکار اہل سنت مسلمانوں کی خواتین تھیں محرّم کے

---

[1] سوانح احمدی صد ۱۴۴

ایام میں وہ اپنے بچوں کو حضرت امام حسینؓ کا سقہ بناتیں اور انہیں تعزیوں کے نیچے سے گذارتیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اس طرح ان کے بچوں کی عمر اور مال و دولت میں اضافہ ہوگا۔ محرم کی نویں تاریخ کو وہ اپنے سر کے بال کھول دیتیں اور اس میں بھوسہ ڈالتیں۔ ان کے خیال میں یہ عین اسلام تھا حضرت شاہ اسماعیلؒ نے اس صورتِ حال کے خطرناک نتائج کو محسوس کرتے ہوئے اسکے تدارک پر کمر باندھی اور اپنی تقریروں میں اہلِ سنت مردوں کو تلقین کی کہ وہ اپنی مستورات کو ان حرکات سے روکیں۔ آپؒ نے اس بدعت کے خلاف مسلسل تقریریں کیں اور قرآن و حدیث سے ایسے مضبوط دلائل پیش کئے کہ رفتہ رفتہ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ یہ حرکات اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہیں۔ آپؒ کی مساعی جمیلہ بار آور ہوئیں اور اہلِ سنت مردوں نے اپنی عورتوں کو سمجھانا شروع کیا کہ وہ ان غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنا چھوڑ دیں۔ آخر کار ان کی مستورات پر اس تلقین کا اثر ہوا اور کچھ ہی عرصے کے بعد یہ غیر شرعی رسوم ان میں سے ہمیشہ کے لئے معدوم ہوگئیں۔

اسی طرح ہندوؤں کے میل ملاپ کی وجہ سے بعض مسلمان گھرانوں میں بہت سی ہندوانہ رسوم جاری ہوگئی تھیں جن میں سے ایک سیتلا دیوی کی پرستش بھی تھی۔ ہندو عورتوں کی طرح مسلمان مستورات نے بھی یہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا کہ سیتلا دیوی پر چڑھاوے چڑھانے سے انکے بچے چیچک کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوں گے اور اگر مبتلا ہو بھی جائیں گے تو انہیں مہلک ضرر نہیں پہنچے گا۔ شاہ اسماعیلؒ نے اس رسم کے خلاف بھی آواز بلند کی اور اپنی تقریروں میں اس بت پرستانہ عقیدے کی نہایت حکیمانہ طریقے سے مذمت کی۔ آپ نے اسلام کی موحدانہ تعلیم پیش کرکے مسلمانوں کو بتایا کہ زندگی اور موت یا بیماری اور صحت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کسی دیوی یا دیوتا میں نہ اسکی طاقت ہے اور نہ انہیں کچھ اختیار ہے۔ یہ مٹی یا پتھر کے بے جان بت ہندوؤں کے تو خدا ہو سکتے ہیں لیکن خدائے وحدہٗ لاشریک کو اپنا معبود ماننے والوں کے نزدیک یہ بے حقیقت ہیں۔ آپ کی پُر معارف مگر سادہ و دلنشیں تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے گھروں سے اس شرمناک بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا۔

صفحاتِ گذشتہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کے زمانے میں عورتوں کو مرید کرنے کی بدعت چل نکلی تھی اور علاقہ پنجاب سے دو عورتوں نے دہلی، پانی پت اور کرنال میں آکر ہزاروں عورتوں کو اپنا مرید بنا لیا تھا۔ یہ ٹھگ قسم کی عورتیں تھیں اور طرح طرح کے شعبدے دکھا کر سیدھی سادی مستورات کو متاثر کر لیتی تھیں۔ انہوں نے اپنی مرید عورتوں سے لاکھوں روپے بٹورے اور انکے دین و ایمان کو الگ برباد کیا۔ جب شاہ اسماعیلؒ کو اس فتنے کی خبر ہوئی تو آپ فوراً میدان میں نکل آئے

آپؒ نے اس فتنہ کے خلاف سخت جدوجہد کی۔ بڑی پرجوش اور مردوں کو غیرت دلانے والی تقریریں کیں حتیٰ کہ اپنے معتقدین سے کہا کہ "اگر یہ اپنے اس فعل کو ترک نہ کریں تو ان پر جہاد کرنا چاہیئے۔ یہ بغیہ بن کے دین خدا میں رخنہ ڈالنا چاہتی ہیں"[۱]۔ غرض شاہ صاحبؒ کی کوشش سے یہ فتنہ ختم ہوا اور ان عورتوں نے دہلی سے کلکتہ کی راہ لی۔ اسی طرح اس زمانے میں عورتیں کثیر تعداد میں مزاروں پر جاتیں اور اہل قبور سے مرادیں مانگتیں۔ چڑھاوے چڑھاتیں۔ ان اجتماعات میں بدقماش اور اوباش لوگ بھی پہنچ جاتے اور شریف عورتوں کی عزت و آبرو سے کھیلنے کی کوشش کرتے۔ یہ نہایت خطرناک صورتِ حال تھی جس کا مسلمانوں کے اخلاق پر نہایت برا اثر پڑنے کا احتمال تھا۔ شاہ اسماعیلؒ نے مسلمان مستورات کی اس افسوسناک روش کے خلاف ایک مؤثر مہم کا آغاز کیا اور اپنی تقریروں میں اس غیر شرعی فعل کے دینی اور دنیوی نتائج بد سے انہیں ڈرایا۔ آپؒ نے انکے مردوں کی غیرت کو للکارا اور انہیں بتایا کہ اس طرح تمہاری عورتوں کا پردہ بھی برقرار نہیں رہتا۔ اور انکی سخت بے عزتی اور تمہارے خاندانوں کی رسوائی ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ کی کوششوں سے یہ بدعت بھی ختم ہو گئی اور عورتوں نے قبروں پر جانا چھوڑ دیا۔ اس طرح شاہ اسماعیلؒ نے اپنے معاشرے کی اخلاقی معاشرتی اور دینی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے جہاد باللسان کا عظیم الشان فریضہ انجام دیکر لاکھوں گمراہوں کو راہِ راست دکھائی۔ لاکھوں فاسقوں کو حقیقی اور باعمل مسلمان بنایا اور سیکڑوں غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ شاہ صاحبؒ کی یہ وہ دینی، اخلاقی اور معاشرتی خدمات ہیں جن کی بنا پر انہیں اپنے دور کا عظیم مصلح قرار دینا غلط نہ ہوگا اور ان کی یہ خدمات بلاشبہ انہیں تاریخ میں ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ اب ہم آئندہ صفحات میں شاہ صاحبؒ کے جہاد بالسیف کی داستان بیان کریں گے جو ان کی کتاب زندگی کا سب سے زیادہ روشن باب ہے۔

۱؎ مجموعہ واقعات صہ ۶۸ بحوالہ حیاتِ طیبہ صہ ۸۶

شاہ اسماعیلؒ کی تیاری جہاد

شاہ اسماعیلؒ کا دور برصغیر کے مسلمانوں کیلئے ہر لحاظ سے مصائب و آلام اور فتنوں کا دور تھا۔ دینی اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے وہ جس پسماندگی کا شکار تھے اس کا اجمالی خاکہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ سیاسی لحاظ سے ان کی حالت اور بھی زیادہ قابل رحم تھی۔ ان کی وہ وسیع و عریض سلطنت جو کابل سے آسام کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی سمٹ سمٹا کر دہلی کے لال قلعے میں محدود بلکہ محصور ہو گئی تھی۔ سب سے زیادہ افسوس اس کا ہے کہ وہ صرف حکومت و سیادت ہی سے محروم نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی عزت و آبرو اور جان و مال بھی برباد ہو رہے تھے۔ دکن میں مرہٹوں نے، دہلی و آگرہ کے درمیان جاٹوں نے اور پنجاب و سرحد میں سکھوں نے اپنی ظالمانہ حکومتیں قائم کر کے برصغیر کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ان میں سے سکھ اپنے ظلم و ستم اور مسلم آزاری میں سب پر بازی لے گئے تھے۔ شاہ اسماعیلؒ کو اپنے بعض پنجابی اور پٹھان شاگردوں سے وقتاً فوقتاً پنجاب و سرحد کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کے لرزہ خیز واقعات کا علم ہوتا رہتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نسلاً اس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جس نے بیک وقت متبحر عالم اور عظیم جرنیل پیدا کئے جو علمی فضیلت کے ساتھ ساتھ شجاعت اور دینی غیرت کے پیکر تھے۔ ان کی رگوں میں بھی وہی خون گردش کر رہا تھا جو اپنے مظلوم بھائیوں کی مظلومیت کی خبر سن کر جوش زن ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جب آپؒ نے پنجاب و سرحد کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کے واقعات مسلسل سنے تو آپؒ کی غیرت کو جوش آیا مگر تنہا جوش جب تک وسائل اور تنظیم نہ ہو بیکار ہے۔ اس لئے آپ فوری طور پر کوئی اقدام نہ کر سکے۔ البتہ آپؒ نے ایک ابتدائی قدم اٹھایا جو آخری قدم کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

شاہ اسماعیل کا دورۂ پنجاب

چنانچہ آپ نے پنجاب[1] جاکر وہاں کے حالات بچشم خود دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس زمانے میں تنہا شخص کا اور وہ بھی کسی مسلمان کا پنجاب جانا خطرے سے خالی نہ تھا مگر آپ کے دل میں جو شعلہ بھڑک رہا تھا اس کی حرارت نے آپ کی رگ و پے میں ایسی بجلی بھر دی جس نے آپ کو چین نہ لینے دیا اور آپ اللہ کا نام لیکر پنجاب کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ آپ کے اس سفر کی روداد "تواریخ علمائے دہلی" کے مصنف نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ مرزا حیرت دہلوی نے وہیں سے اپنی کتاب "حیات طیبہ" میں اسے نقل کیا ہے۔

ان دونوں مصنفوں کا بیان ہے کہ شاہ صاحبؒ نے یہ سفر سپاہیانہ بھیس میں کیا۔ پہلے آپ انبالہ پہنچے، وہاں سے امرتسر گئے۔ امرتسر میں آپ نے جو کچھ دیکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان علاقوں کے مسلمان دہری مصیبت میں مبتلا تھے۔ ایک مصیبت خود انکی اپنی لائی ہوئی تھی اور دوسری سکھوں کی۔ پہلی مصیبت یہ تھی کہ وہ دین سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ ہر گھر میں کسی پیر شہید کی قبر تھی جس پر چڑھاوے چڑھانے اور سجدے کرنے، قرآن کی تلاوت انہوں نے چھوڑ دی تھی نہ کوئی انہیں قرآن کے معنی سمجھاتا تھا۔ جدھر نظر اٹھاؤ گنڈوں تعویذوں کا زور تھا اور انہوں نے اسی پر مدارِ نجات رکھ لیا تھا۔ فقیروں اور جعلی صوفیوں کا ان پر اثر تھا اور یہی لوگ ان کے رہبر و امام تھے۔ یہ تو تھی ان کی ذہنی حالت۔ سیاسی لحاظ سے اُن کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ سکھ ادنیٰ اور اعلیٰ مسلمان کو اپنا زرخرید غلام سمجھتے تھے۔ انکے دینی معاملات میں وہ علانیہ مداخلت کرتے تھے۔ کتنی ہی مسجدیں ایسی تھیں جن پر سکھوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ان مسجدوں میں یا تو گھوڑے بندھتے تھے یا سکھ حکومت کے دفاتر قائم تھے۔ بلند اذان دینے کی حکماً ممانعت کر دی گئی تھی۔ بعض مقامات پر جب مسلمان بکرا ذبح کرتے تو سکھ انہیں مجبور کرتے کہ وہ اللہ اکبر کہنے کی بجائے گرونانک کا نام لیں۔ مظلوم مسلمانوں کو اپنی جان بچانے کے خوف سے یہ بھی کرنا پڑتا تھا۔ مسلمانوں کو مسجد کے کواڑ کھول کر نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

---

[1] مولانا غلام رسول مہر نے شاہ اسماعیل کے دورۂ پنجاب کی روداد کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ انکا خیال ہے کہ شاہ اسماعیلؒ کبھی پنجاب نہیں آئے۔ مرزا حیرت نے یہ روداد خود ہی مرتب کر کے اپنی کتاب میں درج کر دی مگر مولانا موصوف کی نگاہ اس حقیقت کی طرف نہیں گئی کہ اگر اس دورے کا ذکر صرف "حیاتِ طیبہ" ہی میں ہوتا تو ہم اسے مرزا حیرت کی "تصنیف" قرار دے سکتے تھے مگر مرزا صاحب کی کتاب کی اشاعت سے بہت پہلے بعض کتابوں خصوصاً "تواریخ علمائے دہلی" میں شاہ اسماعیلؒ کے دورۂ پنجاب کی روداد موجود ہے۔ اس لئے اس دورے کا انکار کرنا ایک تاریخی واقعہ کا انکار ہے۔ (مولف)

اگر کسی ناواقف نے یہ "غلطی" کردی تو راہ چلتا سکھ اسے دھکا دے کر گرا دیتا۔ مسلمانوں کی مقدس کتابوں کو جلا دینا معمولی بات تھی۔ رنجیت سنگھ نے اپنے محل میں بہت سی مسلمان عورتیں ڈال رکھی تھیں بعض مسلمانوں نے بیان کیا کہ جب سے سکھوں کے دلوں سے افغانوں کا خوف دور ہوا ہے اس وقت سے ہماری وقعت کتے سے بھی بدتر ہے۔ ہمارے پاک مقابر اور عبادت گاہوں کی سخت ہتک کی جاتی ہے۔ ان میں سکھ ناجائز افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اور شب و روز اپنے جانور باندھتے ہیں کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ ٹوٹی ہوئی مسجد کی مرمت کر سکے۔ سرِ دربار اسلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی جاتی ہے۔ سکھ مسلمانوں کو "موسلا" کے تحقیر آمیز لفظ سے پکارتے ہیں جب کسی مسلمان کو دیکھتے ہیں تو ان کی زبان پر یہ غلیظ فقرہ ضرور آجاتا ہے کہ "سُور دا بچہ" یعنی سور کا بچہ۔

دورانِ سفر شاہ صاحبؒ ایک سرائے میں مقیم ہوئے، دو چار مسلمان مسافر بھی اس سرائے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب رات کافی گزر گئی تو ان میں سے بوڑھے مسافر نے اپنے ساتھی سے جو غالباً سکے بیٹے تھے کہا کہ اگر جان بچانی چاہتے ہو تو صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔ نوجوان نے آہ سرد بھر کر کہا کہ بیویاں ہماری چھن گئیں۔ اسباب ہمارا چھن گیا۔ اب یہاں سے زندہ جا کر کیا کریں گے اور اپنے کنبہ کے لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ جو کچھ ہوا ظلم ہوا۔ اب اپنی قیمتی جانیں مت گنواؤ۔ تمہیں شیر سنگھ کی بات یاد نہیں کہ اگر کل بھی شہر میں موجود پائے گئے تو لاشوں کو گدھوں سے روند ڈالوں گا۔ آخر شاہ صاحبؒ سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے بوڑھے سے اسکی دردناک داستان کی تفصیل دریافت کرنی چاہی مگر وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ اس نے بات بناتے ہوئے کہا کہ "کچھ نہیں صاحب ہم اگلے بادشاہوں کا ذکر کر رہے تھے۔ آخر جب شاہ اسماعیلؒ نے اسے تسلی دی اور خود کو ان کا ہمدرد بنایا تو اس نے اپنی درد بھری داستان یوں سنائی کہ ہم ملتان کے باشندے ہیں۔ وہاں کے سکھ حاکم نے ہمارا گھر لوٹ کر نذرِ آتش کر دیا۔ اس خیال سے کہ شاید رنجیت سنگھ ہماری فریاد سن کر دادرسی کرے ہم لاہور آئے وہاں ہماری اور بے عزتی کی گئی۔ گدھے کے پیشاب سے ہماری داڑھیاں منڈوا دی گئیں اور جو کچھ بچا کھچا سامان ہمارے پاس تھا وہ چھین کے ہمیں نکال دیا گیا۔ ہم روتے پیٹتے امرتسر آئے یہاں حاکمِ ملتان کا رشتہ دار رہتا تھا جس کا نام شیر سنگھ تھا۔ ملتان کے حاکم نے اسے لکھا کہ اگر فلاں فلاں اشخاص امرتسر آئیں تو ان کی عورتیں اور جو سامان ان کے پاس ہو سب چھین کر انہیں شہر بدر کر دینا۔ ہم لوگ پرسوں امرتسر میں داخل ہوئے اور داخل ہوتے ہی ہمیں گرفتار کر لیا گیا۔ ہماری عورتیں چھین لی گئیں۔ اب ہم سخت لاچار ہیں۔ یہ دردناک داستان بیان کر کے وہ زار و قطار رونے لگے۔ شاہ اسماعیلؒ کا دل بھی بھر آیا مگر انہوں نے

ضبط کیا اور مظلوم بوڑھے کو تسلی دی۔ صبح ہونے سے پہلے ہی وہ سرائے کے مالک کا حساب بیباق کر کے اپنے بیٹوں کے ہمراہ شہر سے نکل گیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ شاہ اسماعیلؒ ایک سکھ حلوائی سے دودھ خریدنے اس کی دوکان پر گئے آپؒ نے ہاتھ بڑھا کر اسے پیسے دینے چاہے۔ ابھی آپؒ کا ہاتھ دودھ کے کڑھاؤ سے دور ہی تھا کہ اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ دیکھنا اس موصلے نے میرا دودھ کا کڑھاؤ ناپاک کر دیا خیریت ہوئی کہ اتفاق سے ایک مقامی مسلمان ادھر آنکلا اور اس نے دو چار روپیہ دے کر فیصلہ کرا دیا ورنہ معلوم نہیں شاہ صاحبؒ پر کیا مصیبت پڑتی۔ امرتسر میں آپؒ نے مسلمانوں اور ان کی عبادت گاہوں کی جو کیفیت دیکھی اسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں بیشتر مسجدیں شکستہ اور غیر آباد تھیں جن میں سور اور کتے بندھے ہوئے تھے۔ ہر سکھ کو اختیار تھا کہ اگر اسے سونے کو کہیں جگہ نہ ملے تو وہ جس مسجد میں چاہے چلا آئے۔ ملا کا ہاتھ پکڑ کر باہر کرے اور خود شب باشی کرے۔ وہاں بیٹھ کر وہ سور کا گوشت آزادی سے کھا سکتا تھا اور مسجد کو پاخانہ بنا سکتا تھا۔ ایک روز آپؒ نماز فجر ادا کرنے ایک مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپؒ نے اپنی آنکھوں سے اس میں سکھوں کو سوتے اور بعض کو مسجد ناپاک کرتے دیکھا۔ بہت سی نہایت خوبصورت مساجد کو توڑ کر سکھوں نے اپنے مکانوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ کوئی مسلمان قرآن گلے میں حمائل کر کے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اگر کسی ناواقف سے یہ غلطی ہو گئی تو اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور اس کا قرآن نذر آتش کر دیا گیا۔ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جب ہر شہر میں آٹھ دس قرآن نہ جلائے جاتے ہوں۔

جب فصل کی کٹائی کا زمانہ آتا تو مسلمان زمینداروں کی جان پر بن جاتی۔ کوئی یہ نہ سنتا کہ اب کی بار قحط پڑ گیا یا فلاں سنگھ جی نے اپنے مویشیوں کو سال بھر فصل میں چرایا بلکہ انہیں مجبور کیا جاتا کہ مالگذاری ادا کرے۔ ان پر کوڑے برسائے جاتے۔ جو لوگ قرض ادھار کر کے یا اپنا اثاثۃ البیت فروخت کر کے رقم ادا کرتے وہ تو بچ جاتے اور جو اس قابل نہ ہوتے ان کے اہل و عیال چھین لئے جاتے اور سر بازار نیلام ہو جاتے۔ سب سے زیادہ قابلِ افسوس حالت دولت مند مسلمانوں کی تھی۔ سکھوں کی مجالس میں ان کے سامنے اسلام اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کی جاتی اور یہ دم نہ مارتے۔ بعض دفعہ سکھ حکومت کی نگاہوں میں اپنا اعتبار و اعتماد بڑھانے کے لئے یہ لوگ اپنے غریب مسلمان بھائیوں پر مظالم کرتے اور ان کا خونِ ناحق بہانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ سکھوں کی نگاہ میں ان کی بھی کوئی وقعت نہ تھی بس اتنا تھا کہ اس قسم کی حرکتوں کی وجہ سے ان کی زمینداریاں، دولت اور اہل و عیال سکھوں کے ہاتھوں برباد ہونے سے بچے ہوئے تھے۔

ایک روز ایک بوڑھے افغان سے شاہ اسماعیل ؒ کی ملاقات ہوئی[1]۔ دورانِ گفتگو اس نے شاہ صاحب ؒ سے بیان کیا کہ ہماری نااتفاقیوں نے سکھوں کو ہم پر مسلط کیا اور انہیں یہ جرأت دلائی۔ جس وقت سکھوں نے ہم پر حملہ کیا اس وقت ہم یوسف زئی قوم سے برسر پیکار تھے۔ سخت خوں ریزی ہو رہی تھی کسی کو اپنی جان تک کا ہوش نہ تھا کہ اچانک سکھوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ اس حالت میں بھی ہم سکھوں کو شکست دیدیتے اور ان کا ایک فرد بھی زندہ بچ کر واپس نہ آتا بشرطیکہ متحد ہو کر ہم ان کا مقابلہ کرتے مگر افسوس کہ اس حالت میں بھی ہماری باہمی خونریزی اور عداوت نہ گئی۔ آخر کار سکھوں نے ہم پر غلبہ پا لیا۔ ہمیں اس کا مطلق غم نہیں کہ انہوں نے ہمارے نابالغ بچوں اور بیمار مردوں اور عورتوں کو کس بے رحمی سے قتل کر ڈالا اور بعض جگہ آگ میں زندہ جلا دیا۔ اگر ہمیں غم ہے تو اس کا کہ انہوں نے ہمارے بزرگوں کے مقبروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہماری مساجد میں سور ذبح کئے اور اسلام کی توہین میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ اور اب تک اسی طرح اپنی ظالمانہ اور توہین آمیز روش پر قائم ہیں۔ سکھ ہمارے گھروں میں آزادانہ گھسے چلے آتے ہیں اور جو چیز چاہتے ہیں اٹھا لے جاتے ہیں۔ ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں۔

اس بوڑھے افغان نے شاہ صاحب کو اپنے وطن چلنے کی دعوت دی اور کہا کہ وہاں چل کر آپ اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کریں۔ چنانچہ شاہ اسماعیل ؒ اس کے ساتھ امرتسر سے صوبہ سرحد روانہ ہو گئے راستے میں لاہور میں قیام کیا۔ یہاں انہوں نے مسلمانوں پر سکھوں کا ظلم امرتسر سے بھی زیادہ دیکھا۔ جہانگیر کے مقبرے کی دیواروں سے تمام قیمتی پتھر اکھیڑ لئے گئے تھے اور اسے گرنتھ پڑھنے کا مقام بنا لیا گیا تھا جس کا نام انہوں نے "مست گرھ" رکھا تھا۔ سیکڑوں مسلمانوں کی قبریں اکھڑوا کے پھنکوا دی تھیں۔ مشکل سے دس فیصد مسجدیں مسلمانوں کے قبضے میں تھیں۔ ان میں سے بعض میں انکے گھوڑے بندھتے تھے اور بعض میں خود رہتے تھے اور بعض میں نہایت بداعمالیاں کرتے تھے۔ لاہور اور اسکے مضافات بلکہ پنجاب کے بہت سے شہروں سے مسلمانوں کی ۲۵ فی صد آبادی نقلِ مکانی کر کے انگریزوں کی حدود سلطنت میں چلی آئی تھی۔ اثنائے سفر میں انہوں نے پنجاب کے بہت سے شہروں اور قصبات کا دورہ کیا۔ نہایت مفید معلومات حاصل کیں اور سکھ حکومت کے انتظام اور طریقہ کار کا بھی مشاہدہ کیا۔ پنجابی زبان سے بھی واقفیت حاصل کی۔ صوبہ سرحد کے قریب بعض افغان سرداروں سے بھی انہوں نے ملاقات کی اور تبادلۂ خیال کیا۔ دہلی واپس آکر شاہ اسماعیل ؒ نے یہ حالات حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ کی خدمت میں بیان کئے، اپنے مرشد حضرت سید احمد شہید ؒ کو پنجاب و سرحد کے

[1] حیاتِ طیبہ صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

مسلمانوں کی حالتِ زار سے مطلع کیا۔ آخر دونوں بزرگوں نے مظلوم مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات دلانے کا تہیہ کر لیا۔

شاہ اسمٰعیلؒ کے تبلیغی دورے

سکھوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے ضروری تھا کہ پہلے ایسے افراد کی ایک جماعت تیار کی جائے۔ جو اخلاقی اور دینی لحاظ سے حقیقی مسلمانوں پر مشتمل ہو اور اسلام کی عظمت کیلئے اپنی جان قربان کر دینا اس کے لئے ایک ادنیٰ بات ہو۔ چنانچہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے پہلے دہلی کے مسلمانوں میں وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کیا اور ہزاروں مسلمان آپؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے آپ کے مخلص جاں نثاروں میں شامل ہو گئے۔ سید صاحبؒ کے ساتھ ساتھ شاہ اسمٰعیلؒ نے بھی اپنی سحر آفریں اور حکیمانہ تقریروں سے اہلِ دہلی کے قلوب میں پاکیزہ تغیر پیدا کر دیا۔ ان دونوں بزرگوں کی تبلیغ کے نہایت خوشگوار نتائج نکلے۔ اس دوران میں سید صاحبؒ کی عظمت اور بزرگی کی شہرت حدودِ دہلی سے نکل کر دور دراز کے شہروں میں پہنچنے لگی اور مختلف شہروں سے آپ کے پاس دعوت نامے آنے لگے جن میں آپ سے درخواست کی گئی تھی کہ ہمارے شہروں میں تشریف لا کر اپنے مواعظِ حسنہ سے لوگوں کی اصلاح فرمائیں اور انہیں حقیقی مسلمان بنائیں۔ سید صاحبؒ نے یہ خطوط اپنے مرشد شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس ضرور جاؤ۔ خود رخصت کیا۔ اپنا خاص لباس اور سیاہ رنگ کی ایک دستار عطا فرمائی۔[۱]

چنانچہ سید صاحبؒ اپنے مرشد کے مشورے کے مطابق بیس اصحاب کی جماعت کے ساتھ ان شہروں کے دورے پر روانہ ہوئے۔ مولوی عبدالحئیؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ کو حکم دیا کہ آپ لوگ بڑھانہ (ضلع مظفر نگر) تک جائیں اور وہاں ہمارا انتظار کریں۔ چنانچہ شاہ اسمٰعیلؒ مولانا عبدالحئیؒ کی معیت میں بڑھانہ روانہ ہو گئے اور وہیں قیام کیا۔ جب سید صاحبؒ بڑھانہ تشریف لائے تو شاہ اسمٰعیلؒ نے مولانا عبدالحئیؒ اور اہلِ قصبہ کے اکابر کی معیت میں سید صاحبؒ کا استقبال کیا۔ یہاں سے شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ سید صاحبؒ کے ہمراہ ہو گئے۔ پھلت پہنچکر سید صاحبؒ نے شاہ اسمٰعیلؒ کے برادرِ نسبتی کمال الدینؒ کے مکان میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد سید صاحبؒ جن جن مقامات پر گئے مثلاً شہر مظفر نگر، دیوبند، گنگوہ، نانوتہ، انبیٹھہ، سہارنپور اور کاندھلہ ان سب مقامات پر شاہ اسمٰعیلؒ آپ کے ہمراہ تھے۔ ان دوروں میں سید صاحبؒ نے ہزاروں افراد کی بیعت لی اور ہر مقام پر نہایت پر اثر تقریریں کیں۔ تذکرہ نگاروں کے بیان کے

---

[۱] مخزنِ احمدی صہ ۳۱

مطابق سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ کو بھی حکم دیا کہ آپ لوگ بھی وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کریں۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے بھی تقریریں کیں اور ہزاروں افراد کو گمراہی کے دلدل سے نکال کر جادۂ حق پر گامزن کیا۔ خصوصاً شاہ اسماعیلؒ کی تقریریں نہایت موثر اور حکیمانہ ہوتی تھیں اور قرآن و حدیث کے دلائل سے آراستہ۔ ان تقریروں نے سید صاحبؒ کے مشن کو آگے بڑھانے اور آپؒ کی مقبولیت کیلئے میدان ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

تبلیغی دورہ ختم کرنے کے بعد سید صاحبؒ اپنے وطن رائے بریلی تشریف لیگئے، شاہ اسماعیلؒ بھی آپ کے ساتھ تھے، رائے بریلی میں سید صاحبؒ کے ساتھ کم و بیش ستر افراد مقیم تھے اور ان سب کے خورد و نوش کی کفالت آپؒ نے اپنے ذمے لی تھی، قرب و جوار کے لوگ بھی زیارت و بیعت کیلئے آپ کی خدمت میں آتے، اس طرح آپ کو خاصی بڑی جماعت کے قیام و طعام کا انتظام کرنا پڑتا۔ اس دوران میں قحط پڑ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سخت عسرت کی زندگی گذرنے لگی اور بعض دفعہ لوگوں کو فاقے کرنے پڑے۔ ان فاقہ کشیوں میں سید صاحبؒ کے ساتھ شاہ اسماعیلؒ بھی شامل تھے، اس دوران میں سید صاحبؒ اور آپکے معتقدین کا اکثر وقت ذکر و فکر اور اورادو وظائف میں گذرتا۔ شاہ اسماعیلؒ بھی ذکر و فکر میں مشغول رہتے بلکہ اس ذکر و فکر کو "تجلئ بے رنگی" کے الفاظ سے موسوم کیا کرتے تھے، عقیدت مندوں کی کثرت کی وجہ سے رائے بریلی کی وہ مسجد ناکافی ثابت ہوئی جس میں سید صاحبؒ نماز پڑھتے اور ذکر و فکر کرتے۔ اس لئے آپ نے اسے ازسر نو تعمیر کرنے اور وسعت دینے کا ارادہ کیا۔ جب مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو سید صاحبؒ نے خود مزدور کی حیثیت سے اسکی تعمیر میں کام کیا۔ شاہ اسماعیلؒ بھی سید صاحبؒ کی اقتدا میں مٹی اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور خانۂ خدا کی تعمیر میں نہایت خوش دلی سے حصہ لیتے۔

اس کے بعد سید صاحبؒ نے کانپور، الہ آباد، بنارس اور لکھنؤ کے دورے کئے تو شاہ اسماعیلؒ بھی ان دوروں میں آپ کے ساتھ تھے۔ مختلف شہروں میں جہاں جہاں سید صاحبؒ نے قیام فرمایا ان سب میں سید صاحبؒ کے علاوہ شاہ اسماعیلؒ نے بھی تقریریں کیں اور دین سے غافل مسلمانوں کو اپنی شعلہ بیانی سے بیدار کیا۔ ان دوروں میں آپؒ نے شرک و بدعت کی برائیوں اور جاہلانہ رسوم کی مذمت میں ایسے پُر مغز وعظ کہے کہ لوگوں کے دلوں کی دنیا ہی بدل گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان شہروں میں سید صاحبؒ کی دعوت کی پذیرائی میں شاہ اسماعیلؒ کی سحر آفریں تقریروں کو بڑا دخل تھا۔

لکھنؤ میں شاہ اسماعیلؒ کی سرگرمیاں

سید صاحبؒ کے بہت سے عقیدتمند شاہِ اودھ کی فوج میں ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ ان میں نواب فقیر محمد خاں اور عبدالباری قندھاری معتمد الدولہ آغا میر نائب السلطنت کے نہایت معتمد تھے۔ غالباً انہی لوگوں نے آغا میر کو تحریک کی کہ سید صاحبؒ ایک بزرگ شخصیت ہیں اور لکھنؤ میں کثیر التعداد لوگ ان کے مرید ہیں انہیں لکھنؤ آنے کی دعوت دیجئے اس کا اودھ کے سنی المذہب عوام پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ اس سے کچھ عرصہ قبل مضافاتِ لکھنؤ کے مقام نصیر آباد میں شیعہ سنی تنازعے نے نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ سید صاحبؒ نے نصیر آباد تشریف لیجا کر اپنے بے نظیر تدبر سے اس قضیے کو نہایت خوش اسلوبی سے طے کرا دیا تھا۔ معتمد الدولہ آغا میر اور خود شاہ اودھ نواب غازی الدین حیدر پر بھی اس واقعے کا نہایت اچھا اثر ہوا تھا۔ چنانچہ اپنے دو معتمدوں کی تحریک پر آغا میر نے شاہِ اودھ سے مشورہ کیا اور پھر سید صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ شاہ اودھ اور خود میں آپ کی زیارت کے متمنی ہیں۔ امید ہے آپ ہماری دعوت قبول فرماتے ہوئے سرزمین لکھنؤ کو اپنے قدموں سے شرفیاب فرمائیں گے۔" مخزن احمدی" کے مصنف نے بھی جو سید صاحبؒ کے بھانجے اور سفر و حضر میں آپ کے رفیق تھے اپنی کتاب میں اس دعوت نامے کا ذکر کیا ہے مگر انہوں نے شاہ اودھ کے اشتیاق کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اس دعوت نامے کو صرف نائب السلطنت آغا میر کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق دعوت نامے کا مضمون یہ تھا۔

> "آپ کے مواعظ حسنہ کی شہرت ساری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اگر آپ اپنے قدوم میمنت لزوم سے لکھنؤ والوں کو عموماً اور اس مشتاقِ زیارت کو خصوصاً مشرف فرمائیں تو یہ امر آپ کے جذبۂ اخوت و محبت سے کچھ دور نہ ہو گا۔[1]"

سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ سے مشورہ کیا۔ دونوں اصحاب نے رائے دی کہ دعوت قبول کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ آپ لکھنؤ روانہ ہو گئے۔" مخزنِ احمدی" کے بیان کے مطابق ایک سو ستر (۱۷۰) افراد کی جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ لکھنؤ میں آپ کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ نائب السلطنت معتمد الدولہ آغا میر نے نہایت پرتکلف اور شاہانہ دعوت کی اور آپ کی سواری کے لئے ہاتھی بھیجا اور آپ کے ہمراہیوں کیلئے پالکیاں اور گھوڑے۔ دعوت کے بعد اس نے پانچ ہزار روپے کی رقم آپ کی نذر کی۔ اس دوران میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سید صاحبؒ کے علاوہ

---

[1] مخزنِ احمدی ص ۵۲

مولانا عبدالحیؒ بھی درس و ہدایت دیتے رہے۔ مولانا سید دلدار علی لکھنؤ کے مشہور شیعہ عالم اور مجتہد تھے۔ انکی علمی قابلیت کی دور دور تک دھوم تھی۔ شیعہ عوام اور خود ارباب حکومت کے نزدیک وہ بہت معزز و محترم تھے۔ لکھنؤ کے دوران قیام میں شاہ اسماعیلؒ نے ان سے تبادلۂ خیال کیا۔ اس واقعہ کی روداد بڑی دلچسپ ہے۔

مولانا سید دلدار علی سے مباحثہ

مولانا سید دلدار علی کے پاس جانے سے قبل شاہ اسماعیلؒ نے سپاہیانہ لباس زیب تن کیا اور تلوار گلے میں حمائل کر کے انکی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مولانا دلدار علی اس وقت طلبہ کو درس دے رہے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھنوی آداب کو بالائے طاق رکھ کر بآواز بلند السلام علیکم کہا اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ مجتہد صاحب نے نظر اٹھائی دیکھا کہ ایک سپاہی آیا ہے کوئی التفات نہ کیا اور طلبہ کو درس دینے مشغول ہو گئے۔ جب درس ختم ہوا تو مجتہد صاحب نے شاہ صاحبؒ سے پوچھا کہ میاں تم کون ہو اور کیسے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ سپاہی ہوں اور ایک مسئلے کی تحقیق کیلئے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا پوچھو کون سا مسئلہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تقیہ اور نفاق کا فرق سمجھنا چاہتا ہوں مجتہد صاحب نے دلائل دے کر ثابت کیا کہ تقیہ اور نفاق دو الگ الگ چیزیں ہیں شاہ صاحبؒ نے اپنی قابلیت اور غیر معمولی علم سے مجتہد صاحب کے سارے دلائل توڑ کر ثابت کر دیا کہ تقیہ اور نفاق دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، مجتہد صاحب نے پھر اپنے دعوے کے حق میں دلائل پیش کئے۔ شاہ صاحبؒ نے ان دلائل کو بھی توڑ دیا۔ تیسری بار انہوں نے نئے دلائل پیش کئے۔ شاہ صاحبؒ نے ان کا کمزور ہونا بھی ثابت کر دیا۔ اب مجتہد صاحب کو جستجو پیدا ہوئی کہ یہ کون آدمی ہے جس کی وضع تو سپاہیانہ ہے اور گفتگو اس قدر عالمانہ۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم ہے جس نے خود کو چھپانے کے لئے یہ وضع اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ انہوں نے شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ کا اسم شریف کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ عبداللہ (اللہ کا بندہ) آخر مجتہد صاحب نے شاہ صاحبؒ کے سامنے لاجواب و عاجز ہو کر یہ عذر پیش کیا کہ اس قسم کے مسائل پر زبانی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ تحریری بحث ہونی چاہیئے، یہ سن کر شاہ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور السلام علیکم کہہ کر چل دیئے۔ انکے جانے کے بعد مجتہد صاحب نے اپنے دو شاگردوں کو شاہ صاحبؒ کے پیچھے دوڑایا کہ معلوم کر و یہ کون شخص ہے۔ انہوں نے واپس آکر بتایا کہ اس سپاہی کا نام مولوی اسماعیلؒ ہے اور یہ سید احمدؒ کے مرید ہیں، یہ سنکر مجتہد صاحب نے چند آدمیوں کو

شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا اور نہایت اصرار سے بلوایا۔ جب شاہ صاحبؒ دوبارہ آئے تو مجتہد صاحب نے کھڑے ہو کر انکا استقبال کیا مصافحہ و معانقہ کیا اور معذرت کی کہ پہلی بار آپکی تعظیم اس لئے نہ ہوسکی کہ سپاہی کے بھیس میں ہونیکی وجہ سے آپکو پہچانا نہ جاسکا تھا۔ کچھ دیر بیٹھ کر شاہ صاحبؒ واپس آگئے۔ اسکے بعد مولانا سید دلدار علی نے لکھنؤ کے اکابر شیعہ علما کو جمع کیا اور انکے سامنے تقیہ و نفاق کا مسئلہ پیش کیا۔ سب کے مشورے سے ایک طویل تحریر لکھی گئی جس میں عقلی و نقلی دلائل اور کتب تاریخ و حدیث کے حوالوں سے اپنا موقف درست ثابت کیا گیا۔ جب مولانا سید دلدار علی کا فرستادہ یہ تحریر لیکر شاہ اسماعیلؒ کے پاس آیا تو اس وقت آپ سپاہیانہ وضع میں چہل قدمی کر رہے تھے اور تلوار آپ کے گلے میں لٹک رہی تھی، قریب ہی مولانا عبدالحئی چند آدمیوں کے درمیان بیٹھے محو گفتگو تھے۔ تحریر لانے والے شخص نے شاہ اسماعیلؒ کو سپاہی خیال کیا اور مولانا عبدالحئیؒ کو شاہ اسماعیل سمجھ کر تحریر انکے حوالے کر دی۔ جب مولانا عبدالحئیؒ نے یہ تحریر دیکھی تو انہوں نے محسوس کیا کہ اس میں تاریخ، حدیث، تفسیر اور لغت کی کتابوں کے حوالوں سے نہایت ادق مضامین بیان کئے گئے ہیں جب تک مختلف علوم و فنون کی بکثرت کتابیں موجود نہ ہوں اس تحریر کا جواب لکھنا امر محال ہے۔ یہ خیال کر کے انہوں نے یہ تحریر شاہ اسماعیلؒ کی طرف بڑھادی، شاہ صاحبؒ نے ٹہلتے ٹہلتے اس کاغذ کو اول سے آخر تک دیکھا اور پھر وہیں بیٹھ کر اس کا جواب لکھا اور مولانا سید دلدار علی کو بھجوا دیا۔ یہ جواب اتنا مدلل اور مختلف علوم کی کتابوں کے حوالوں سے آراستہ تھا کہ دلدار علی صاحب سے اس کا جواب بن نہ آیا۔[1]

شاہ صاحبؒ کی تقریروں میں سامعین کا ہجوم

شاہ اسماعیل نے اپنے دوران قیام لکھنؤ میں متعدد تقریریں کیں، ایک تقریر میں آپ نے قرآن حکیم کی آیت محمد الرسول والذین معہ الخ کی تفسیر کی اور اسی آیت سے ترتیب خلافت اور خلفائے راشدین کے فضائل اس خوبی سے بیان کئے کہ بڑے بڑے مجتہد لاجواب رہ گئے۔ شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ کی تقریروں میں سامعین کی اس قدر کثرت ہوتی تھی کہ خود لکھنؤ کے بڑے بڑے مجتہد حیران تھے۔ چنانچہ ایک بار مولوی مرزا حسن علی صاحبؒ محدث لکھنوی نے شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ کے وعظ میں شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے لوگوں کی کثرت دیکھ کر اپنے معتقدین سے کہا تھا کہ "میں بھی قرآن و حدیث کا وعظ کہتا ہوں اور یہ دونوں عالم بھی قرآن و حدیث کا وعظ کرتے ہیں مگر میرے وعظ میں دس پانچ آدمی

---

[1] سوانح احمدی صد ۳٦

سے زیادہ جمع نہیں ہوتے اور ان کے وعظ میں سارا شہر ٹوٹا پڑتا ہے حتیٰ کہ مسجدوں میں سامعین کو بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں ملتی۔ محدث صاحب کا یہ کلام سن کر مولوی عبدالحئی صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سیدؒ با برکت کی تشریف آوری سے پہلے ہمارا بھی ایسا ہی حال تھا مگر جب برسوں اس ہادیٔ وقت کے سامنے ہم دو زانو بیٹھے ہیں تب یہ تاثیر ان کی برکت سے ہماری زبان میں پیدا ہوئی جس پر خلق شیدا ہو رہی ہے۔ مولوی اسماعیلؒ صاحب بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے وعظ سے گو ہزاروں خلقت راہِ راست پر آ گئی مگر وہ طریقۂ توسط جو ہم نے سید صاحبؒ سے سیکھا ہے کسی نے اختیار نہیں کیا، اکثر آدمی افراط و تفریط کی راہ پر چلتے ہیں۔[1]

تقریباً ایک ماہ قیام کرکے شاہ اسماعیلؒ صاحب سید صاحبؒ کی معیت میں رائے بریلی واپس چلے گئے۔ سید صاحبؒ کی واپسی کے کچھ عرصے کے بعد شاہ اودھ غازی الدین حیدر کی طرف سے سید صاحب کے نام دعوت نامہ آیا جس میں ایک بار پھر لکھنؤ تشریف لانے کی فرمائش کی گئی تھی۔ اس خط میں شاہ اودھ نے ذاتی طور پر ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ چونکہ سید صاحبؒ کو اور بہت سے کام درپیش تھے اور لکھنؤ سے واپس آئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا اس لئے آپؒ نے اپنی جگہ شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحئی کو لکھنؤ بھیجدیا۔ یہ دونوں حضرات دو ہفتہ انتظارِ ملاقات میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں بادشاہ کی طرف سے دونوں کیلئے مہمان نوازی کے طور پر ایک رقم مقرر کر دی گئی جو انہیں ملتی رہی۔ جب شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ نے دیکھا کہ بادشاہ سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو یہ دونوں حضرات واپس چلے آئے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ نے سید صاحبؒ کی پہلی بار تشریف آوری کے موقع پر بھی آپ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر مولانا سید دلدار علی صاحب مجتہد اور چند اور اکابرِ سلطنت نے ملاقات نہ ہونے دی۔ دوسری بار جب شاہ اسماعیلؒ صاحب مولانا عبدالحئیؒ کی معیت میں لکھنؤ تشریف لے گئے تو اس دفعہ بھی انہی لوگوں نے رکاوٹیں پیدا کیں کیونکہ انکا خیال تھا کہ شاہ اسماعیلؒ بہت بڑے عالم اور جادو بیان مقرر ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ غازی الدین حیدر ان سے متاثر ہو جائے اور سارا نقشہ ہی بدل جائے۔

---

[1] سوانح احمدی ص ۳۷

اجرائے فرضِ حج کیلئے شاہ اسماعیلؒ کی مساعی

لکھنؤ کے دورانِ قیام کا ایک اور واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ لکھنؤ ہی پر منحصر نہیں۔ سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ کے عہد میں ہندوستان بھر میں عیش و عشرت کا دور دورہ تھا۔ امراء و رؤسا خاص طور پر عیش پسند اور تن آسان ہو چکے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ احکامِ شرعی بلکہ فرائض دین کی پابندی سے بچنے کے لئے عذر تلاش کرتے رہتے تھے۔ حج ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر فرض ہے مگر چونکہ اس میں دولت و حکومت اور اہل و عیال سے مفارقت گوارا کرنی پڑتی ہے۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اس لئے ان لوگوں نے علماء سو کو خریدا اور ان سے فرضِ حج ساقط ہونے کا فتویٰ حاصل کر لیا۔ سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ لکھنؤ ہی میں مقیم تھے کہ یہ فتویٰ ان بزرگوں کے روبرو پیش ہوا۔ فتوے میں فرضِ حج ساقط ہونے کی دلیل یہ پیش کی گئی تھی کہ راستے غیر محفوظ ہیں اور سفر دریائی ہے جس میں اتلافِ جان کا خطرہ ہے۔ فتویٰ دیکھ کر شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ نے اسکی شدید مخالفت کی اور حج فرض ہونے کے حق میں نہایت وزنی اور ناقابلِ شکست دلائل پیش کئے۔ یہ دلائل اتنے معقول تھے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سامنے آخری فیصلے کے لئے پیش کئے گئے تو آپ نے تحریر فرمایا کہ علمِ دین اور علم عقلیہ میں مولوی اسماعیلؒ اور مولوی عبدالحئیؒ کا پایہ کسی طرح مجھ سے کم نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان دونوں حضرات کی رائے پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔

رائے بریلی واپس آ کر سید صاحبؒ نے فیصلہ کیا کہ چونکہ عیش پسند امراء نے علمائے سوء سے فتویٰ حاصل کر کے فرضِ حج کی ادائیگی سے روگردانی اختیار کر لی ہے اور ساری امت گمراہی میں مبتلا ہو رہی ہے اس لئے سب سے پہلے یہ فرض ادا کیا جائے تاکہ دوسروں کیلئے نمونہ قائم ہو اور لوگ اس گمراہی سے نجات پائیں۔ چنانچہ آپؒ نے اپنے اس ارادے سے اپنے معتقدین کو اطلاع دی۔ اس وقت شاہ اسماعیلؒ دہلی اور مولانا عبدالحئیؒ اپنے وطن بڑھانہ گئے ہوئے تھے۔ آپؒ نے ان دونوں کو لکھا کہ آپ خود بھی سفرِ حج کی تیاری کریں اور اپنے عزیزوں، دوستوں اور اہلِ شہر کو بھی اس مقدس سفر پر روانہ ہونے کی تحریک کریں۔ سید صاحبؒ کے ارشاد کی تعمیل میں شاہ اسماعیلؒ نے دہلی کی مختلف مساجد اور اجتماعات میں حج کی فرضیت پر نہایت مدلل تقریریں کیں اور لوگوں کو حجازِ مقدس چلنے کی تحریک کی۔ آپؒ کی ان تقریروں کا نہایت تسلی بخش نتیجہ نکلا اور دہلی کے بہت سے اصحاب حج پر جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے سید صاحبؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ڈھائی سو افراد کا ایک قافلہ حجِ بیت اللہ

کے ارادے سے گڑھ مکٹیشر کے گھاٹ پر کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہو رہا ہے جس میں حکیم مغیث الدین مولوی وجیہہ الدین سہارنپوری، مولوی وحید الدین، حافظ قطب الدین پھلتی اور خود یہ خاکسار (شاہ اسماعیلؒ) شامل ہیں۔ اس قافلے میں بہت سی خواتین بھی تھیں۔ سید صاحبؒ نے جن لوگوں کو خطوط لکھے تھے اور جن افراد کو اپنا خلیفہ بنا کر حج کی تحریک کے لئے بھیجا تھا ان میں سے کسی شخص کو اتنی بڑی کامیابی نہیں ہوئی جتنی عظیم الشان کامیابی شاہ اسماعیلؒ کو حاصل ہوئی۔ یہ قافلہ گڑھ مکٹیشر سے روانہ ہو کر سید صاحب کی خدمت میں رائے بریلی پہنچ گیا۔

شاہ اسماعیلؒ کی کلکتہ کو روانگی

آخر کار شوال ۱۲۳۶ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۸۲۱ء کو شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کے ساتھ رائے بریلی سے بغرض حج بیت اللہ روانہ ہوئے۔ راستے میں موضع گرھ مضافات الہ آباد میں اہل قافلہ نے قیام کیا۔ یہاں کے ایک عالم مولوی یار علی فرض حج کے ساقط ہو جانے کے بہت بڑے مبلغ تھے۔ وہ اپنی تقریروں میں لوگوں کو حج سے روکتے اور اپنے دعوے کے حق میں قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کرتے .... کہ لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاک نہ کرو۔ یہ آیت پڑھ کر مولوی یار علی کہتے کہ چونکہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے جہاز ڈوب جایا کرتے ہیں، اس لئے بحری راستے سے سفر کرنا گناہ ہے جو لوگ بحری جہاز کے ذریعے سفر حج پر جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہیں۔ جب شاہ اسماعیلؒ کو مولوی یار علی کے اس افسوس ناک طرز عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ سید صاحبؒ کی اجازت سے مولوی یار علی سے تبادلہ خیال کرنے تشریف لے گئے۔ مولوی عبد الحئیؒ بھی چالیس افراد کی ایک جماعت کی معیت میں آپؒ کے ساتھ تھے۔ مولوی یار علی سے گفتگو شروع ہوئی۔ شاہ صاحبؒ نے قرآن و حدیث سے اپنے دعوے کے حق میں ایسے پرزور دلائل پیش کئے کہ مولوی یار علی اپنے غلط موقف سے دستبردار ہو کر حج کی فرضیت کے قائل ہو گئے۔

چونکہ سواریاں کم تھیں اور رائے بریلی سے کلکتہ تک کا سفر دور دراز درپیش تھا اسلئے سید صاحبؒ نے عورتوں، بچوں اور ضعیف لوگوں کیلئے سواریوں کا انتظام کر دیا اور مضبوط لوگوں کو پیدل چلنے کا حکم دیا۔ ان پیدل چلنے والوں کے آپ نے مختلف قائد مقرر کئے جو باری باری قافلے کی قیادت کرتے۔ ان مضبوط قائدین میں شاہ اسماعیلؒ، مولانا عبد الحئیؒ اور مولوی محمد یوسف پھلتی شامل تھے الہ آباد سے بنارس تک کے سفر میں شاہ اسماعیل نے فرض قیادت ادا کیا۔[1]

---

[1] سید احمد شہید ص ۲۰۲ مولفہ مولانا غلام رسول مہر

شاہ اسماعیلؒ کی کلکتہ میں خدمات

کلکتہ پہنچکر سید صاحبؒ کا قافلہ منشی امین الدین احمد کی وسیع و عریض کوٹھی میں ٹھہرا جو آپؒ کے نہایت مخلص عقیدت مند اور کلکتہ کے رؤسا میں سے تھے۔ یہاں کے دوران قیام میں سید صاحبؒ نے وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کیا جو نہایت بابرکت اور مفید ثابت ہوا اور کلکتہ کے سیکڑوں افراد آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے حقیقی مسلمان بن گئے۔ آپ نے شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ کو بھی ہدایت فرمائی کہ آپ لوگ بھی وعظ و تلقین کا فریضہ سرانجام دیں، چنانچہ شاہ اسماعیلؒ ہر جمعہ کو تقریر فرماتے آپکی تقریر اتنی موثر ہوتی اور لوگ آپ کی مجالس وعظ میں اس کثرت سے جمع ہوتے کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی۔ "سوانح احمدی" کے مصنف کے بقول شاہ اسماعیلؒ اور مولوی عبدالحئیؒ کے مواعظ حسنہ کی یہ تاثیر ہوئی کہ "خلقت مثل پروانہ گرویدہ ہوگئی، ہر ایک بیعت کنندہ کے شراب نوشی سے تائب ہونے پر شراب کی دوکانیں بند ہوگئیں ٹھیکہ داران شراب نے اس کی نالش بحضور حاکمان ضلع کر کے استعفا داخل کر دیئے اور کہا کہ صبح سے شام تک ایک خریدار نہیں آتا، کس کے ہاتھ فروخت کریں۔ صاحب کلکٹر نے اس کی تحقیقات کر کے ٹھیکہ داروں سے کہا کہ بہ سبب تشریف آوری اس درویش باکمال کے یہ بلا تم پر نازل ہوئی ہے مگر جلد یہ درویش ملک عرب کو جانے والا ہے، اس کے جانے کے بعد پھر تمہاری دوکانیں بدستور سابق جاری ہو جائیں گی انہوں نے کہا کہ قیامت تک بھی اثر اس درویش کا یہاں سے نہ جائے گا۔"[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ کو کلکتہ میں جو حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوئی اور جو روحانی انقلاب رونما ہوا اس میں شاہ اسماعیلؒ کی پرتاثیر اور حکیمانہ تقریروں کو بھی بڑا دخل تھا۔

کلکتہ کے دوران قیام میں بعض انگریزوں نے حاجی جیون بخش سوداگر کی معرفت سید صاحبؒ کی خدمت میں درخواست کی کسی روز ہمیں بھی اپنے کلمات ہدایت آمیز سے سرفراز فرمائیے۔ سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ کو حکم دیا کہ وہ ان انگریزوں کی دعوت پر ان کے پاس جائیں اور وعظ کہیں۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ سید صاحبؒ کے نائب کے طور پر ان انگریزوں کے پاس تشریف لے گئے۔ جس کوٹھی میں شاہ صاحبؒ کو تقریر کرنا تھی اس کا لان انگریزوں اور میمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا شاہ صاحبؒ نے سورۂ مریم کی تفسیر بیان فرمائی اور اس فصاحت و بلاغت سے بیان فرمائی اور ایسے باریک اور عارفانہ نکات پیش کئے کہ ان میں سے اردو داں انگریزوں کی روتے روتے

---

[1] سوانح احمدی ص ۵۶

ہچکیاں بندھ گئیں ۔ وعظ ختم ہونے کے بعد انگریزوں نے بہت سی اشرفیاں بطور انعام آپ کو دینی چاہیں مگر آپؒ نے قبول نہ فرمائیں اور کہا کہ ہم لوگ محض خدا کے واسطے بیان کیا کرتے ہیں اور اس کا عوض کسی سے نہیں لیتے ہیں[1]

قیام کلکتہ ہی کے زمانے میں شاہ اسماعیلؒ نے کوشش کی تھی کہ مولوی عبدالرحیم فلسفی سے تبادلۂ خیال کر کے انہیں راہِ راست پر لے آئیں ۔ مولوی عبدالرحیم گورکھپور کے باشندے اور نہایت فاضل آدمی تھے ۔ علم معقول و منقول میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے ۔ ذہانت و فراست اور حاضر دماغی انکے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد اور شاہ اسماعیلؒ کے ہم درس تھے ۔ زمانۂ طالب علمی میں بھی نہایت ٹیڑھے سوال کیا کرتے تھے ۔ ان کے پیچیدہ سوالات سن کر ایک روز شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا تھا کہ مجھے اس نوجوان کی طرف سے اندیشہ ہے کہیں یہ دہریہ نہ ہو جائے شاہ صاحبؒ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور کلکتہ جا کر انہوں نے سرے سے ذات باری تعالیٰ ہی کا انکار کر دیا اور اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کر دی ۔ سلطان ٹیپو شہیدؒ کے خاندان کے بعض شہزادے انہی کی تبلیغ سے متاثر ہو کر دہریت کی طرف مائل ہو گئے تھے ۔ مولوی عبدالرحیم کا عقیدہ تھا کہ صرف ایک سورج ہے جو عالم اور مخلوقاتِ عالم کو بے حد نفع پہنچاتا ہے ۔ اسے جو درجہ دو درست ہے اس کے علاوہ اور کوئی شے قابلِ عبادت نہیں ۔ چنانچہ وہ صبح اور شام کے وقت سورج کو سلام کیا کرتے تھے[2] ۔ سچ ہے جب انسان گرتا ہے تو تحت الثریٰ کی پستیوں میں چلا جاتا ہے یا تو مولوی عبدالرحیم نے خدائے قادر و توانا کا انکار کر دیا جس کے ایک اشارے سے نہ صرف سورج بلکہ سارا عالم پیدا ہو گیا اور وہ اپنے اسی ایک اشارے سے ایسے ہزاروں عالم اور لاکھوں سورج پیدا کرنے پر قادر ہے اور دوسری طرف اسی دہریے نے خدائے قادر و توانا کی پیدا کردہ ایک ادنیٰ چیز کو واجب التعظیم قرار دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ مولوی عبدالرحیم کی کج فکری کی وجہ سے ان کا نام عبدالرحیم کی بجائے عبدالرجیم (شیطان کا بندہ) پڑ گیا تھا ۔ وہ اپنے علم و فضل اور ذہانت و فراست کے مقابلے میں سارے ہندوستان کے علما و فضلا کو طفلِ مکتب قرار دیتے تھے البتہ شاہ اسماعیلؒ سے کسی حد تک مرعوب تھے ۔ ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ "مولوی اسماعیل ایک اچھا طالب علم اور ذہین آدمی ہے" ۔ جب شاہ صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ مولوی عبدالرحیم کلکتہ میں مقیم ہیں اور دہریت کے گمراہ کن خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں تو آپ نے ان سے ملاقات کی کوشش کی تاکہ تبادلۂ خیال کر کے انہیں راہِ راست پر لے آئیں مگر افسوس کہ انکی قسمت میں

---

[1] سوانح احمدی ص۵۷ [2] سوانح احمدی ص۵۷

دہریت کی موت لکھی تھی، جب انہیں معلوم ہوا کہ شاہ اسماعیل ؒ مجھے تلاش کر رہے ہیں اور مجھ سے تبادلۂ خیال کرنا چاہتے ہیں تو وہ کلکتہ سے چلے گئے اور جب تک شاہ صاحب ؒ کلکتہ میں مقیم رہے واپس نہ آئے اور دہریت ہی کے عقیدے پر ان کی موت ہوئی۔

شاہ اسمٰعیل کا سفرِ حج

ربیع الثانی ۱۲۳۷ھ میں شاہ اسماعیل ؒ سید صاحب ؒ کے ساتھ کلکتہ سے حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے۔ سفر کے لئے دس جہاز کرایے پر حاصل کئے گئے، ہر جہاز کا ایک امیر مقرر کیا گیا۔ شاہ اسماعیل ؒ "فیض ربانی" نامی جہاز میں سوار ہوئے۔ آپ ؒ کو اس جہاز کا امیر مقرر کیا گیا۔ اس جہاز میں عازمین حج کی سب سے زیادہ تعداد تھی یعنی ۱۷۵۔ باقی جہازوں میں ۵۰ سے لے کر ۱۵۰ تک عازمین حج سوار تھے۔ اثنائے سفر میں شاہ صاحب ؒ نے اپنے جہاز کے عازمین حج کو نمازیں پڑھائیں اور درس دیئے، اس طرح یہ سارا سفر آپ نے عبادتِ الٰہی اور ذکر و فکر میں گذارا۔ جدّہ پہنچکر سید صاحب ؒ نے شاہ اسمٰعیل کو وہیں قیام کرنے کی ہدایت فرمائی تاکہ اثنائے راہ میں جو اخراجات ہوئے ہیں ان کا حساب کر کے ادائیگی کر دی جائے۔ اس خدمت کو سرانجام دینے کے بعد شاہ اسماعیل ؒ نے سیّد صاحب ؒ اور اہل قافلہ کے لئے آٹا چاول اور بعض دیگر اشیائے صرف خرید کر روانہ کیں اور پھر خود بھی مکۂ معظمہ روانہ ہوئے اور اثنائے راہ میں سیّد صاحب ؒ سے جا ملے۔ مکہ معظمہ پہنچکر حرم پاک کا طواف کیا اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دی۔ شاہ اسماعیل ؒ کی والدہ جو حج کے لئے قافلے کے ساتھ آئی تھیں سخت بیمار ہو گئیں۔ انہوں نے ابھی تک سید صاحب ؒ کی بیعت نہ کی تھی، شاہ صاحب نے بڑی کوشش کی کہ وہ بیعت کر لیں مگر انہیں یہ عذر تھا کہ سید صاحب ؒ تو خود ہمارے خاندان کے مرید ہیں میں ان کی بیعت کیسے کروں۔ شاہ اسماعیل ؒ ان کے لئے دعا کرتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا سینہ کھول دے، آخر ان کی دعا قبول ہوئی اور بیماری کے ایام میں ان کی والدہ نے خواب دیکھا کہ حشر کا میدان ہے، سورج سوا نیزے پر آیا ہوا ہے۔ خلقت پیاس کے مارے نیم جان ہو رہی ہے۔ دور دور تک

ل‍ه مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل ؒ اور مولوی عبدالرحیم ؒ کے درمیان کلکتہ میں مناظرہ ہوا تھا مگر انہوں نے اس سلسلے میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے اس قسم کا کوئی مناظرہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ سرے سے دونوں کی ملاقات ہی ثابت نہیں ہوتی۔ (مولف)

کہیں سایہ کا نشان نہیں نہ پانی کا ایک قطرہ نظر آتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی والدہ بھی پیاس کی حالت میں حیران و پریشان دوڑ رہی ہیں۔ اسی حالت میں انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ سایہ ہے جہاں مخلوقِ خدا جمع ہے اور نہایت شاداں و فرحاں اور آرام سے وقت گذار رہی ہے۔ انہوں نے کسی شخص سے پوچھا کہ یہ کون خوش نصیب لوگ ہیں جو اس قیامت خیز عالم میں اس قدر خوش اور مطمئن ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ یہ سید احمد صاحبؒ کے مرید ہیں۔ اگر تم بھی ان میں داخل ہونا چاہتی ہو تو سید صاحبؒ کی بیعت کر لو۔ جب بیدار ہوئیں تو شاہ اسماعیلؒ کو اپنا خواب سنایا اور کہا کہ اسی دم سیّد صاحبؒ کو بلاؤ۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ نے سیّد صاحبؒ کو اطلاع دی۔ آپ تشریف لائے۔ انہوں نے بیعت کی اور چند روز کے بعد اس بیماری میں انتقال فرمایا[1]۔ جنت المعلیٰ میں دفن کی گئیں۔

مکہ معظمہ کے دوران قیام میں شاہ اسماعیلؒ نے حرم پاک کے طواف اور بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت کے علاوہ وعظ و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دینا شروع کیا۔ اس درس میں عرب اور دیگر ممالک کے مسلمان بھی شریک ہوتے اور ایک ہندی فاضل کے اس خزینۂ روحانی سے فیضیاب ہوتے، ممالکِ عرب میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصانیف کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس میں شاہ اسماعیلؒ کے اس درس کو بھی بڑا دخل ہے۔ ۸ ذی الحجہ کو شاہ اسماعیلؒ، سید صاحبؒ اور اہل قافلہ کے ساتھ مناسک حج ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ بیعت عقبہ پہنچکر دوسرے معتقدین کے ساتھ شاہ اسماعیلؒ نے سید صاحبؒ کی تجدید بیعت کی۔ اس کے بعد جبل رحمت اور مزدلفہ گئے۔ رمی جمرات کے بعد قربانی کا فرض ادا کیا اور پھر تین روز منیٰ میں قیام کیا۔ محرم کے آخر میں سیّد صاحبؒ کے ساتھ شاہ اسماعیل مدینہ منورہ[2] کو روانہ ہوئے۔ نصف شب گذر چکی تھی کہ آپ مدینہ منورہ پہنچے، باب السلام کی سے حرم نبویؐ میں داخل ہوئے۔ نماز فجر شافی مسلک کے امام کے پیچھے ادا کی۔۔۔ اشراق کے بعد آنحضرتؐ کے روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ اس کے بعد جنت البقیع، کوہِ احد، مسجد قبلتین

---

[1] سوانح احمدی صد ۶۳

[2] بعض لوگوں نے غلط فہمی کی بنا پر مشہور کر دیا کہ شاہ اسماعیلؒ مدینہ منورہ نہیں گئے تھے کیونکہ ان کی والدہ بیمار تھیں حالانکہ انکی والدہ مدینہ منورہ کو روانگی سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھیں۔ (مولف)

اور مسجد قبا وغیرہ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ ربیع الاوّل میں شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ
اور اہلِ قافلہ کی معیت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکۃ معظمہ پہنچکر تقریباً آٹھ ماہ یہاں
قیام رہا۔ شوال ۱۲۳۸ھ کے نصف میں مکہ معظمہ سے وطن کے لئے روانہ ہوئے۔ واپسی میں بمبئی
میں ٹھہرے اور پھر بمبئی سے روانہ ہو کر صفر ۱۲۳۹ھ میں کلکتہ پہنچ گئے۔

شاہ اسماعیلؒ کی قیام گاہیں

حضرت شاہ اسماعیلؒ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی اخلاقی و دینی اصلاح اور مقاصدِ جہاد کیلئے اس صوبے کے مختلف مقامات پر تشریف لے گئے۔ چونکہ آئندہ صفحات میں ان مقامات کا بار بار ذکر آئے گا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا محلِ وقوع اور ان کے جغرافیائی اور تاریخی حالات بیان کر دیئے جائیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ کون سا مقام کہاں واقع ہے اور اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔ ذیل میں صرف ان مقامات کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں جو کم معروف یا بالکل غیر معروف ہیں مگر تاریخِ جہاد اور شاہ صاحبؒ کے کارناموں کے سلسلے میں جنہیں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اکوڑہ خٹک

یہ وہ تاریخی مقام ہے جہاں سکھوں اور مجاہدین میں پہلا معرکہ ہوا اور جس میں سکھوں کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ مقام پشتو زبان کے عظیم شاعر خوشحال خاں خٹک کے دادا اکوڑ خان بابا کے نام سے موسوم ہے۔ پشاور سے ۳۵ میل دور مشرق کی طرف واقع ہے۔ نوشہرہ صدر سے اس کا فاصلہ ۸ میل ہے۔ اکوڑہ خٹک کے جنوب میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں خوشحال خاں خٹک کا مزار ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی بستی ہے جسے الیبوڑی بالا کہتے ہیں۔ اکوڑہ علاقہ خٹک کا تجارتی مرکز ہے۔ اس کا شمار قصبات میں ہوتا ہے آبادی بیس ہزار کے قریب ہے جو خٹک قبیلے کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہاں زمانہ قدیم کی ایک گڑھی ہے جس کے چار برج اور دیواریں ابھی تک محفوظ ہیں۔ البتہ اندرونی حصے میں خوشحال خاں خٹک کے خاندان کے اصحاب نے تبدیلیاں کر لی ہیں اور اپنے مکانات تعمیر کر لئے ہیں۔ اس گڑھی کے متعلق مقامی لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں یہاں سکھ فوج رہتی تھی۔ جب مجاہدین نے اسے شکست دی تو حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے

اس گڑھی میں آگ لگادی تھی۔ صوبہ سرحد کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم حقانیہ" اسی اکوڑہ خٹک میں واقع ہے۔ اس میں چھ سو طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ دارالعلوم کے ساتھ ایک وسیع دارالاقامہ (ہوسٹل) میں ہے جس میں دور و دراز کے علاقوں سے آئے ہوئے پانچ سو طالب علم مقیم ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث، صوبہ سرحد کے ممتاز عالم دین اور قومی اسمبلی کے ممبر مولانا عبدالحق اس دارالعلوم کے بانی و مہتمم ہیں۔ ایک معیاری دینی و علمی جریدہ ماہنامہ "الحق" بھی یہاں سے شائع ہوتا ہے مولانا عبدالحق کے فرزند مولانا سمیع الحق اس کے مدیر ہیں۔

شیدو

یہ صوبہ سرحد کا دوسرا تاریخی مقام ہے جہاں جنگ سے ایک رات قبل سکھوں نے سردارانِ پشاور کے ذریعے حضرت سید احمد شہیدؒ کو زہر دلوادیا تھا اور جب انہی درانیوں کی سازش سے مجاہدین کو شکست ہوئی تو شاہ اسماعیلؒ نے اپنی جان پر کھیل کر سید صاحبؒ کو بچایا تھا۔ شیدو دریائے لنڈا (دریائے اٹک) کے جنوب میں واقع ہے۔ اکوڑہ خٹک سے اس کا فاصلہ ۴ میل ہے۔ اس کے مشرق میں جہانگیرہ روڈ ہے۔ مغرب کی طرف خٹک کی پہاڑیاں ہیں۔ سکھوں سے جنگ کے وقت مجاہدین کا لشکر اور امدادی دستے انہی پہاڑیوں سے دریائے لنڈہ کے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے اور سکھوں کا لشکر شیدو کے مغرب کی طرف خیمہ زن تھا۔ شاہ اسماعیلؒ کے زمانے میں شیدو موجودہ جگہ کی بجائے اس کے مشرق میں آباد تھا۔ دریا اس کے بالکل پاس سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس کے بعد دو مرتبہ سیلاب کی وجہ سے اس کی آبادی ویران ہوگئی اور آخری بار جس جگہ یہ گاؤں آباد ہوا اب تک وہیں آباد ہے۔ پرانی اور شاہ اسماعیلؒ کے زمانے کی آبادی کے کچھ آثار مثلاً مساجد اور بعض مکانات کی بنیادیں اب بھی موجود ہیں۔

کھہر

یہ صوبہ سرحد کا وہ غیر معروف مگر تاریخی مقام ہے جہاں شیدو سے آنے کے بعد حضرت سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ نے عرصے تک قیام کیا تھا اور اسے مرکز کی حیثیت حاصل رہی تھی۔ تحریکِ مجاہدین کے رُکنِ رکین، جید عالم دین اور حضرت سید صاحبؒ کے رفیق حضرت مولانا عبدالحئیؒ اسی مقام پر فوت ہوئے تھے۔ یہ مقام مالاکنڈ ایجنسی میں درگئی سے ۱۲ میل دور شمال کی طرف واقع ہے۔ اس کا محلِ وقوع بٹ خیلہ سے مغرب کی جانب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ بٹ خیلہ سے کھہر تک کچی سڑک جاتی ہے۔ اس علاقے کو سواتِ زیریں بھی کہتے ہیں۔ کھہر پہاڑوں کے دامن میں آباد ہے۔ موسم سرما میں سخت سردی پڑتی ہے۔ گرمیوں میں موسم

خوشگوار ہوتا ہے۔ سڑک سے گاؤں کی جو بڑی مسجد نظر آتی ہے اس کے مشرقی دروازے سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو چند سو گز کے فاصلے پر ایک قبر نظر آئے گی۔ یہی قبر مولانا عبدالحئی کی ہے۔ اس مقام کو قدیم مخطوطات میں خہر لکھا گیا ہے مگر اس کا موجودہ تلفظ خار ہے۔ اس نام کا ایک اور گاؤں علاقہ باجوڑ میں بھی ہے۔

پنجتار

صوبہ سرحد کا تیسرا تاریخی مقام پنجتار ہے جسے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا دوسرا مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا۔ جون ۱۸۲۹ء میں سکھوں کے لشکر نے جنرل وتورا کی قیادت میں اس مقام پر حملہ کرنے کی بھی کوشش کی تھی مگر مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھا کر اسے پسپا ہونا پڑا تھا۔ پنجتار ضلع مردان میں واقع ہے۔ اسکے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ چونکہ یہ قرب و جوار کے پانچ دیہات میں سب سے بڑا ہے اس لئے پنجتار کے نام سے موسوم ہوا۔ اردگرد کی سطح زمین سے تقریباً دو سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کے زمانے میں یہ مقام چاروں طرف پتھروں کی مضبوط فصیل سے گھرا ہوا تھا۔ ہر کونے پر ایک برج تھا۔ جنوب مشرق والے برج میں شاہ اسماعیلؒ مقیم ہوتے تھے۔ مشرق کی جانب مسجد تھی جو اب تک موجود ہے۔ ۱۸۵۸ء میں انگریزوں نے گولہ باری کر کے اسے تباہ کر دیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں یہ مقام دوبارہ آباد ہوا۔

ہنڈ

تحریک مجاہدین کی تاریخ میں بار بار اس کا ذکر آتا ہے۔ خادے خاں یہیں کا سردار تھا جس کی ریشہ دوانیوں اور سکھوں سے سازباز کی وجہ سے شاہ اسماعیلؒ کو اس سے نبرد آزمائی کرنی پڑی تھی۔ اس جنگ میں خادے خاں مارا گیا تھا اور ہنڈ پر شاہ اسماعیلؒ نے قبضہ کر لیا تھا۔ ہنڈ ضلع مردان کی تحصیل صوابی میں واقع ہے۔ اس کا محل وقوع دریائے سندھ کے شمال میں ہے۔ اسکی حیثیت قلعہ کی ہے۔ چاروں طرف پختہ فصیل ہے جو پانچ فٹ چوڑی اور کہیں چار فٹ کہیں چھ فٹ بلند ہے۔ اسکے دو دروازے ہیں۔ ایک دریائے سندھ کی طرف اور دوسرا شمال کی طرف۔ ہنڈ سے کشتی کے ذریعے دریا عبور کر کے علاقہ چھچھ و راولپنڈی کی طرف جاتے ہیں۔ یہ بہت پرانا اور تاریخی شہر ہے۔ زمانہ قدیم میں اسے تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ مچھلیوں اور مرغابیوں کی شکارگاہ ہے۔ خادے خاں کے محلات کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔

زیدہ

یہ وہ تاریخی مقام ہے جہاں سردار پشاور یار محمد خاں اور شاہ اسماعیلؒ کے

درمیان خوں ریز جنگ ہوئی تھی۔ جس میں یار محمد خاں ہلاک ہوا تھا اور میدان شاہ اسماعیلؒ کے ہاتھ رہا تھا۔ زیدہ ضلع مردان کی تحصیل صوابی میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں شاہ منصور نامی گاؤں ہے، جنوب مشرق میں ڈوڈھیر، مشرق میں مرغز اور مغرب میں کھنڈا۔ یہ اچھا بڑا قصبہ ہے۔ بہت بڑا بازار اور ہائی اسکول بھی ہے۔ اس قصبے کے لوگوں کی مالی اور اقتصادی حالت دوسرے علاقوں سے بہت بہتر ہے۔ زمین زرخیز ہے۔ مکئی اور تمباکو بافراط پیدا ہوتی ہے۔

مانیری

زیدہ کے سردار اشرف خاں اور ہنڈ کے سردار خادے خاں میں صلح کرانے کے لئے جب شاہ اسماعیلؒ زیدہ تشریف لے جا رہے تھے تو کچھ دیر کے لئے مانیری میں بھی ٹھہرے تھے۔ یہیں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ دونوں سرداروں میں گولیوں کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ مانیری ضلع مردان کی تحصیل صوابی میں واقع ہے۔ اس کا محل وقوع صوابی سے شمال کی طرف تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ مانیری بالا اور مانیری پائیں۔ اس کے مشرق کی طرف پہاڑ ہیں اور مغرب کی طرف پہاڑی نالہ۔ اس کے مشرقی جانب پہاڑوں میں سے سنگ مرمر نکلا ہے۔ عرصہ ہوا ان پہاڑوں میں سے گوتم بدھ کی مورتیاں نکلی تھیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ مقام بدھوں کی تہذیب وتمدن کا مرکز رہ چکا ہے۔

مرغز و پنج پیر

یہ بھی ضلع مردان کے دو گاؤں ہیں۔ سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کی پنجتار میں تشریف آوری کے بعد ان علاقوں کے سرداروں اور علماء نے سید صاحبؒ کی سیادت تسلیم کر لی تھی اور شرعی نظام قبول کر لیا تھا مگر جب آپؒ کو جنگوں میں الجھا ہوا دیکھا تو یہاں کے لوگ ملاؤں کے بہکانے سے سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ شاہ صاحبؒ ایک لشکر کے ساتھ ان علاقوں میں تشریف لے گئے اور یہاں کے خوانین نے بغیر لڑے اطاعت قبول کر لی۔ مرغز ضلع مردان کی تحصیل صوابی میں واقع ہے۔ اسکے جنوب کی طرف دریائے سندھ مشرق کی طرف ٹوپی اور مغرب کی طرف زیدہ ہے۔ جہانگیرہ سے اس کا فاصلہ ۱۵ میل ہے اور جہانگیرہ سے تربیلہ جانے والی سڑک پر واقع ہے علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ پنج پیر بھی تحصیل صوابی میں واقع ہے۔ اس کے مشرق کی طرف سے وہ نہر گذرتی ہے جو دریائے سندھ سے نکالی گئی ہے۔ مغرب کی طرف سے جہانگیرہ صوابی روڈ گذرتی ہے اسکی آبادی ڈھائی تین ہزار کے لگ بھگ ہے۔ تمباکو، گندم اور مکئی یہاں بافراط پیدا ہوتی ہے۔ ایک دینی مدرسہ بھی ہے

تورڈو

یہ بھی صوبہ سرحد کا ایک تاریخی مقام ہے۔ یہاں درانیوں اور مجاہدین میں بڑا سخت معرکہ ہوا تھا اور شاہ اسماعیلؒ نے اس معرکے میں اپنی شجاعت کے حیرت انگیز جوہر دکھائے تھے۔ تورڈو مردان سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ تورڈو کے ساتھ ہی بابا یار کی بستی ہے۔ تورڈو اور بابا یار کے درمیان کلپانی نام کا ایک پہاڑی نالہ ہے تورڈو کی آبادی پانچ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ زمین زرخیز ہے، تمباکو اور گنے کی کاشت خوب ہوتی ہے۔ اقتصادی اعتبار سے یہاں کے لوگوں کی حالت اچھی ہے۔ لڑکوں کیلئے ہائی اسکول بھی ہے۔

تنگی

اس مقام کے لوگوں نے حضرت سید احمد شہید سے درخواست کی تھی کہ سرداران پشاور نے ان کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے انہیں شرعی نظام میں شامل کر لیا جائے۔ سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ کو مجاہدین کا ایک دستہ دیکر ان کی امداد کیلئے بھیجا تھا مگر شاہ صاحبؒ کے تشریف لے جانے پر ان میں دو گروہ ہو گئے۔ اسلئے آپ واپس تشریف لے آئے تھے۔ تنگی ضلع پشاور کی تحصیل چارسدہ میں واقع ہے۔ اس کا محل وقوع چارسدہ سے تیرہ میل شمال کی طرف ہے۔ اس سے دو تین میل کے فاصلے پر علاقہ مہمند ہے۔ تنگی پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ گنا، مکئی، گندم اور تمباکو یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ آبادی تین چار ہزار کے قریب ہے۔

اُتمان زئی

یہاں مجاہدین اور درانی سرداروں میں سخت مقابلہ ہوا تھا۔ یہ سردار مہاراجہ رنجیت سنگھ کے .... اشارے پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس معرکے میں شاہ اسماعیلؒ کی غیر معمولی شجاعت اور تدابیر جنگ نے اپنے سے چار گنا طاقتور حریف کو شکست دی تھی۔ اُتمان زئی ضلع پشاور کی تحصیل چارسدہ میں واقع ہے۔ اس کا محل وقوع چارسدہ سے ۴ میل شمال کی طرف ہے۔ اتمان زئی سے مغرب کی طرف ایک ندی گذرتی ہے جو رسالپور کے قریب جا کر دریائے کابل میں مل جاتی ہے۔ چارسدہ تک ریل کا سفر ہے اسکے بعد بس کا۔ یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہے، گنا یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کی اقتصادی اور تعلیمی حالت اچھی ہے۔

کھبل

یہ مقام ایک سے زیادہ بار حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی گذرگاہ بنا۔ ستھانہ اور امب کی

سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ نے جتنے سفر کئے کھبل ہی کے راستے کئے اور یہاں قیام بھی فرمایا۔ یہاں سکھوں اور مجاہدین کے درمیان جنگ بھی ہوئی جس میں سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ بنفس نفیس شریک ہوئے تھے کھبل ضلع ہزارہ کی تحصیل ہری پور میں واقع ہے۔ اس کا محل وقوع تربیلہ ڈیم کے شمال کی طرف اور دریائے سندھ کے مغرب کی طرف تربیلا بستی کے بالکل سامنے ہے۔ تربیلہ ڈیم سے اس کا فاصلہ چار میل کے قریب ہے۔ اس بستی کو کھایا کھبل بھی کہتے ہیں۔ کھایا الگ گاؤں ہے جو کھبل سے تین میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

امب

پنجتار کے بعد امب صوبہ سرحد کا تیسرا تاریخی مقام ہے جسے تحریک مجاہدین کا مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا۔ شاہ اسماعیل نے نواب پائندہ خاں سے خوں ریز جنگ کے بعد اس علاقے پر قبضہ کیا اور پھر حضرت سید احمد شہیدؒ بھی یہیں منتقل ہوگئے اور آپ کے دفاتر بھی یہیں قائم ہوگئے۔ "امب" ہندکو زبان میں آم کے پھل دار درخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ پھل یہاں پیدا ہوتا تھا اس لئے آم کے کسی درخت کی وجہ سے اس علاقے کا نام بھی "امب" پڑ گیا۔ امب ضلع ہزارہ میں واقع ہے۔ اسکے مشرق میں دریائے سندھ، مغرب میں کوہ کیرڑی، شمال کی طرف دریائے سندھ کے اس پار دربند اور جنوب میں پرانا امب اور عشرہ کی بستیاں ہیں۔ شاہ اسماعیلؒ کے زمانے کا امب دریائے سندھ کی طغیانی کی وجہ سے دریا برد ہو چکا ہے۔ یہ موجودہ امب سے تین چار میل جنوب کی طرف واقع تھا۔ امب پہاڑی علاقہ ہے مگر موسم گرم رہتا ہے۔ البتہ لوگ صحت مند اور شکل و صورت کے اچھے ہوتے ہیں۔ زبان ہندکو ہے۔ غربت اور جہالت عام ہے۔ عشرہ، دربند اور شیر گڑھ یہاں کے مشہور مقامات ہیں۔ امب جانے کے لئے ہری پور سے دربند تک پختہ سڑک ہے۔ اسکے بعد کشتی کے ذریعے دریائے سندھ عبور کرنا پڑتا ہے۔ پھر امب آجاتا ہے۔

عشرہ

ریاست امب کا مشہور مقام ہے۔ یہاں شاہ اسماعیلؒ کے مجاہدین کے ہاتھوں حاکم امب نواب پائندہ خاں نے شکست کھائی تھی اور عشرہ پر غازیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ عشرہ موجودہ امب سے جنوب کی طرف چھ میل کے فاصلے پر ایک بلند ٹیلے پر واقع ہے۔ اسکے مغرب میں کوہ کیرڑی، مشرق میں دریائے سندھ اور جنوب میں کھبل کا مشہور گاؤں ہے۔ عشرہ آنے کیلئے ہری پور سے دربند تک سڑک کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ دربند سے دریائے سندھ عبور کر کے عشرہ کے سامنے گھاٹ پر جا نکلتے ہیں۔ ایک راستہ ٹوپی ضلع مردان سے بھی آتا ہے مگر یہ پہاڑی راستہ ہے اور اس پر صرف پیدل سفر ہو سکتا ہے۔ یہاں کا موسم بھی امب کی طرح گرم اور علاقہ خشک ہے۔ علاقہ غیر کی تجارت کا مرکز ہے۔ باشندے عام طور پر غیر تعلیم یافتہ اور غریب ہیں۔ تنولیوں کی قوم یہاں سے تعلق رکھتے ہیں۔

شیر گڑھ

یہ ریاست امب کا مشہور اور خاصا بڑا مقام ہے۔ یہاں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مختصر قیام کیا تھا۔ آبادی سے قبل یہ علاقہ گھنا جنگل ہونیکی وجہ سے شیروں کا مسکن تھا اسلئے شیر گڑھ کے نام سے موسوم ہوگیا۔ اب سے ۲۳ میل دور شمال میں واقع ہے۔ مانسہرہ سے اس کا فاصلہ ۴۲ میل ہے۔ چاروں طرف بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے مغرب میں ڈنڈھیری کی پہاڑی ہے جس پر مڈل اسکول کی عمارت ہے۔ مشرق میں "بیری گوریہ" اور ٹھکرڑ کے پہاڑ ہیں۔ شمال میں بحنہ اور بائی کے مواضعات ہیں۔ جنوب میں سڑک ہے جو گلی بدراں" کو چلی جاتی ہے۔ یہ مقام سطح سمندر سے ساڑھے پانچ ہزار فٹ بلند ہے۔ یہاں تنولی اقوام اور پٹھان دونوں آباد ہیں۔ اس لئے ہندکو اور پشتو دونوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ چیل کے گھنے جنگل بافراط ہیں۔ جنگلات میں جگہ بہ جگہ آبادی اور میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے بکثرت چشمے ہیں۔ اس علاقے کا قاضی خاندان امب میں اپنی علم دوستی کیلئے مشہور ہے۔ اس خاندان کے بزرگوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیلؒ کی تحریک میں عملی تعاون کیا تھا۔

نکہ پانی

ریاست امب کا نہایت معمولی مقام ہے، اسکی اہمیت صرف اس وجہ سے ہے کہ حضرت شاہ اسماعیلؒ نے یہاں قیام فرمایا تھا اور یہاں سے بہت سے خطوط حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام لکھے تھے جن میں اپنی مہمات کی تفصیل درج کی تھی۔ یہ مقام شیر گڑھ سے دربند جانے والی سڑک پر "جوداں" کے مقام سے انتہائی نیچے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ ایک نامی پہاڑی نالہ اس کے مشرق سے گذرتا ہے جس کی پتلی لمبی لکیر بن جاتی ہے اسی وجہ سے اسے "نکہ پانی" یعنی چھوٹا پانی کہتے ہیں۔ مغرب میں بلند پہاڑ ہے۔ شمال میں بھی بلند و بالا پہاڑوں کا سلسلہ ہے جنوب میں دربند کا علاقہ اور دریائے سندھ ہے۔ علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ موسم معتدل رہتا ہے۔ سطح سمندر سے اندازاً دو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں تنولی قوم کے لوگ آباد ہیں۔ اقتصادی اور تعلیمی دونوں لحاظ سے پس ماندہ ہیں۔

ستھانہ

تحریک مجاہدین کی تاریخ میں ستھانہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں کے سادات خصوصاً سید اعظم شاہ سید اکبر شاہ نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ جس عقیدت اور جاں نثاری کا مظاہرہ کیا، اسکی مثالیں تاریخ میں بہت کم نظر آئیں گی۔ ستھانہ میں سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کئی بار تشریف لے گئے شاہ اسماعیلؒ نے یہاں سے مختلف مقامات کو سفارتیں بھیجیں اور مجالس مشاورت منعقد کیں۔ ستھانہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں کے سادات کرام سے عقیدت و احترام کی بنا پر اس مقام کو "آستانہ" کہتے تھے جو بعد میں بگڑ کر ستانہ اور پھر ستھانہ بن گیا۔ ستھانہ ضلع ہزارہ میں واقع ہے۔ اس کا محل وقوع امب سے جنوب کی طرف چھ میل ہے۔

ستھانہ کے پیچھے پہاڑوں میں چنی نامی مقام ہے یہیں سید صاحب نے شاہ اسماعیل رح کو امب میں لشکر مجاہدین کا کمانڈر مقرر فرمایا تھا۔ جنوب میں کھبل کا مشہور گاؤں واقع ہے۔ شمال میں امب ہے، مانسہرہ سے اوگی وہاں سے شیر گڑھ پھر دربند عشرہ سے ستھانہ تک پہاڑی راستہ ہے۔ شاہ صاحب نے یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ اسکے مشرق کیطرف سے دریائے سندھ گزرتا ہے۔ اردگرد کے علاقوں میں ستھانہ کی اقتصادی اور تعلیمی حالت نسبتاً اچھی ہے۔ بالخصوص خاندان سادات میں علمی چرچا زیادہ ہے۔

فروسہ

یہ بھی ریاست امب میں واقع ہے۔ امب کی لشکر کشی کے دوران شاہ اسماعیل رح نے اس مقام کو اپنا مرکز بنایا تھا۔ یہیں سے آپ نے مختلف اطراف میں فوجی دستے متعین کئے تھے اور یہیں سے جنگی ہدایات جاری فرماتے تھے۔ فروسہ کے مشرق میں بارہ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ ہے۔ مغرب میں اوپر کی جانب ڈیگرہ۔ جنوب میں نیچے کی طرف پہاڑوں کا سلسلہ اور ستھانہ واقع ہے اور شمال میں کوہ کینر ڑی ہے۔ امب سے اس کا فاصلہ پندرہ سولہ میل کے قریب ہے۔ چھوٹا سا گاؤں ہے۔ چند سو افراد کی آبادی ہے۔ موسم گرم رہتا ہے۔

ڈیگرہ

یہ بھی امب کا چھوٹا سا گاؤں ہے۔ شاہ اسماعیل فروسہ جاتے ہوئے ڈیگرہ بھی ٹھہرے تھے اور ڈیڑھ سو مجاہدین کا دستہ اس مقام کی حفاظت کیلئے متعین کیا تھا۔ مقامی لوگ اسے ڈیگرہ کہتے ہیں۔ امب سے مغرب کی طرف بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے ٹوپی ضلع مردان سے کھبل ہوتے ہوئے اس مقام تک پہنچتے ہیں۔ یہ پہاڑی راستہ ہے۔ دوسرا راستہ عشرہ سے بھیٹ گلی نالے میں سے ہوتا ہوا ڈیگرہ تک پہنچتا ہے۔ ایک راستہ امب سے گلی گلنگڑی اور گوجر بٹیاں ہوتا ہوا بھی ڈیگرہ تک جاتا ہے۔ یہاں تنولی قوم کے لوگ آباد ہیں۔ زبان ہندکو ہے تعلیمی اور اقتصادی حالت اچھی نہیں۔ آبادی فروسہ کے برابر ہے۔

کوہ کینر ڑی

یہ امب کا مشہور پہاڑ ہے۔ نواب پائندہ خاں سے جنگ کے موقع پر شاہ اسماعیل نے سب سے پہلے مجاہدین کا ایک دستہ اسی پہاڑ پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ کیا تھا۔ ارباب بہرام خاں کو اس کا کمانڈر مقرر کیا تھا۔ ارباب نے پہلی ہی یورش میں پائندہ خاں کی فوج کو شکست دیکر اس مقام پر قبضہ کر لیا تھا۔ عشرہ کے سامنے بھیٹ گلی کے مغربی کنارے پر ایک بلند ٹیلہ ہے جو تقریباً بارہ سو فٹ اونچا ہے۔ اس کا نام کوہ کینر ڑی ہے۔ اسی پر گاؤں آباد ہے۔ اسکے شمال میں عشرہ سے متصل ٹیلے پر کوٹلہ ہے۔ مشرق میں بھیٹ گلی نالہ اور پہاڑ۔ جنوب میں نیچے کی طرف ستھانہ اور کھبل۔ مغرب میں بھی پہاڑ ہیں اور دریائے سندھ۔ سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ زراعت یہاں کے لوگوں کا پیشہ ہے۔ تنولی قوم کے لوگ آباد ہیں۔ تعلیمی اور اقتصادی حالت خراب ہے۔

اگرور

نواب پائندہ خاں حاکم امب سے پہلی بار ملاقات کے بعد شاہ اسماعیل نکہ پانی سے شیر گڑھ ہوتے ہوئے اگرور تشریف لے گئے تھے تاکہ یہاں کے سردار عبدالغفور خاں سے مل کر اسے مجاہدین کی اعانت پر آمادہ کیا جا سکے۔ اسکے بعد بھی آپ کی اگرور میں آمد و رفت رہی اور اردگرد کے مسلمان سرداروں سے مشاورت و مراسلت ہوتی رہی۔ اگرور ضلع ہزارہ میں مانسہرہ سے شمال جنوب کی طرف ۱۹ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسکے مغرب میں کالا ڈھاکہ مشرق میں علاقہ الائی شمال میں علاقہ بنیر اور بٹ گرام اور جنوب میں ریاست امب واقع ہے۔ سطح سمندر سے اسکی بلندی چھ ہزار فٹ کے قریب ہے۔ آبادی بیس ہزار نفوس کے لگ بھگ ہے۔ اوگی، دلبوڑی یہاں کے قابل ذکر مقامات ہیں۔ اوگی مرکزی مقام ہے۔ خان آف اگرور کی قیام گاہ یہی تھی۔

شاہ اسمٰعیلؒ یہیں تشریف لائے تھے اور دوسری بار آٹھ روز قیام کیا تھا۔ علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ موسم سرما میں برفباری ہوتی ہے۔ افغانوں کے سواتی قبیلے کے لوگ آباد ہیں۔ صحتمند مگر تعلیمی اور اقتصادی لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ زیادہ لوگ فوج میں ملازم ہیں۔

بٹگرام

ارد گرد کے مواضعات میں یہ بڑا گاؤں تھا۔ اس لئے "بڈگراں" کے نام موسوم ہوا ہندکو زبان میں بڈ بڑے اور گراں گاؤں کو کہتے ہیں۔ یہی "بڈگراں" بعد کو بٹگرام میں تبدیل ہو گیا۔ یہ ضلع ہزارہ کا مشہور مقام ہے۔ اس کے شمال میں پہاڑ چیل جنوب میں پہاڑ شبورہ، مشرق میں بھلچا اور مغرب میں وادیٔ تھاکوٹ واقع ہے۔ مانسہرہ سے پختہ سڑک بٹل ہوتی ہوئی بٹگرام تک جاتی ہے غازی ناصر خان جو آخر وقت تک سید صاحبؒ کی رفاقت میں ثابت قدم رہے اور جنگِ بالاکوٹ میں زخمی بھی ہوئے اسی بٹگرام کے سردار تھے۔ پہلے یہاں ترکوں کی حکومت تھی۔ مغلوں کے آخری دور میں سواتی قوم نے اس علاقے پر حملہ کیا۔ ترکوں کو شکست ہوئی۔ اسکے بعد سواتیوں کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ پنجتار سے بالاکوٹ جاتے ہوئے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ مع لشکرِ مجاہدین کے بٹگرام میں ٹھہرے تھے اور یہاں چار روز قیام فرمایا تھا۔

سچہ کلاں

مانسہرہ سے جانب شمال ۲۸ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں جبوڑی، مغرب میں ستھان گلی، شمال میں موسیٰ کا مصلیٰ اور جنوب میں بھوگڑ منگ ہے۔ دریائے سرن جوان علاقوں کا مشہور دریا ہے سچہ کلاں کے جنوب میں مغرب میں بہتا ہے۔ اسکی بلندی چار ہزار فٹ سے کچھ زیادہ ہے۔ موسم سرما میں برفباری ہوتی ہے۔ گرمی میں موسم خوشگوار رہتا ہے۔ برسات میں خوب بارشیں ہوتی ہیں۔ چاروں طرف بلند و بالا اور سرسبز پہاڑ ہیں۔ آبادی ہزار بارہ سو نفوس پر مشتمل ہے۔ سواتی قوم کے لوگ آباد ہیں۔ تعلیمی اور اقتصادی حالت اچھی نہیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے بالاکوٹ تشریف لے جاتے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ مدت سچہ میں قیام فرمایا تھا۔ سید صاحبؒ کے یہاں سچہ تشریف لانے سے قبل حضرت شاہ اسمٰعیلؒ بھی مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ اس مقام کی حفاظت پر مامور ہوئے تھے۔

جبوڑی

مانسہرہ سے جانبِ شمال ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور دریائے سرن کے مشرقی کنارے پر آباد ہے۔ جبوڑی کے مشرق میں بالاکوٹ، مغرب میں سچہ، شمال میں موسیٰ کا مصلیٰ، جنوب میں بھوگڑ منگ، شنکیاری اور مانسہرہ واقع ہیں۔ آبادی اور بازار وغیرہ کے لحاظ سے اس مقام کو درہ بھوگڑ منگ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے چاروں طرف سرسبز اور بلند و بالا پہاڑ ہیں۔ اقتصادی اور تعلیمی دونوں لحاظ سے یہاں کے باشندے پس ماندہ ہیں البتہ دینی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہے۔ مدرسہ سراج العلوم یہاں کی بہت اچھی درسگاہ ہے۔ اسکے مہتمم سید غلام نبی شاہ صاحب ہیں۔ پچاس کے قریب طالب علم ہیں۔ اساتذہ سب کے سب مستند ہیں۔ درس گاہ کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں بعض قیمتی کتابیں بھی ہیں۔ سچہ سے بالاکوٹ جاتے ہوئے سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے یہی راستہ اختیار کیا تھا اور یہاں قیام بھی فرمایا تھا۔

بھوگڑ منگ

مانسہرہ سے ۲۰ میل جانبِ شمال واقع ہے۔ اس کے شمال میں جبوڑی اور سچہ۔ جنوب میں ڈاڈر سینی ٹوریم اور میدان پکھلی، مشرق میں بالاکوٹ کا سلسلۂ کوہ اور مغرب میں دریائے سرن ہے۔ ضلع ہزارہ

کے مشہور بزرگ حضرت سید جلال شاہ کا مزار اسی مقام پر ہے۔ جنہوں نے سواتی قوم کی معیت میں یہ علاقہ فتح کیا تھا۔ بھوگڑمنگ سرسبز و شاداب پہاڑوں کے درمیان خاصی بلندی پر واقع ہے۔ ضلع ہزارہ میں کاغان کو چھوڑ کر بھوگڑمنگ سے زیادہ حسین و دلفریب وادی شاید ہی کوئی اور ہو۔ خان خداداد خاں سابق وزیر صحت حکومت مغربی پاکستان یہاں کے خان ہیں۔ جنہوں نے ۱۹۴۰ء کے بعد چند پرجوش نوجوانوں کے ساتھ مل کر اس علاقے میں مسلم لیگ کا پرچم بلند کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کے زمانے میں اس علاقے پر سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے اس علاقے کی حفاظت کی غرض سے شمال مشرق اور جنوب کے پہاڑوں پر اپنی گڑھیاں بھی تعمیر کی تھیں جن میں سے مشرق کی طرف ایک گڑھی کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ سید صاحبؒ نے سچہ اور بھوگڑمنگ کی حفاظت پر حضرت شاہ اسماعیلؒ کو مامور فرمایا۔ شاہ صاحب نے خود سچہ میں قیام کیا تھا اور مولوی خیر و زالدین شیر کوٹی کو اپنا نائب بنا کر بھوگڑمنگ میں متعین کیا تھا۔ جس مکان میں مولوی خیر و زالدین شیر کوٹی نے قیام کیا تھا وہ ابھی تک موجود ہے اور خان خداداد خاں کی حویلی سے ملحق ہے۔

شنکیاری

مانسہرہ سے جانب شمال ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں درہ کونش، جنوب میں بیلادی، مشرق میں بالاکوٹ کا سلسلۂ کوہ اور مغرب میں دریائے سرن بہتا ہے۔ سواتی قبیلے کے لوگ آباد ہیں۔ فوج کی چھاؤنی بھی ہے۔ مانسہرہ کے بعد بھوگڑمنگ، سچہ اور بٹ گرام تک یہ سب سے بڑا مقام ہے۔ بازار خاصا وسیع اور پر رونق ہے۔ ضلع ہزارہ کے دوسرے مقامات کو دیکھتے ہوئے یہاں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت بہتر ہے۔ "دار العلوم تعلیم الاسلام" یہاں کی مشہور دینی درس گاہ ہے۔ اس کے مہتمم مولانا سید نواب حسین شاہ صاحبؒ فاضل اور نہایت خوش خلق انسان ہیں۔ درس گاہ کے باقی اساتذہ بھی فارغ التحصیل ہیں۔ دار العلوم کے ساتھ دار الاقامہ (ہوسٹل) بھی ہے۔ ایک اچھا کتب خانہ بھی موجود ہے۔ یہاں شاہ اسماعیلؒ اور سکھوں کے درمیان ایک خوں ریز جنگ ہوئی تھی جس میں شاہ صاحب کی انگلی میں زخم آیا تھا اور سکھوں کو شکست ہوئی تھی۔

بالاکوٹ

اس کے بعد بالاکوٹ شاہ صاحبؒ کی آخری منزل تھی۔ اس مقام کے تفصیلی حالات ہم اپنی اپنی کتاب "شہادت گاہ بالاکوٹ" میں درج کر چکے ہیں۔

شاہ اسماعیلؒ میدانِ جہاد میں

شاہ اسماعیلؒ کی زندگی کے دو بڑے مقاصد تھے۔ ایک اپنے عہد کے مسلمانوں کو شرک و بدعت، فسق و فجور اور غیر اسلامی رسوم کی زنجیروں سے نجات دلا کر حقیقی مسلمان بنانا۔ دوسرا پنجاب و سرحد کے مظلوم مسلمانوں کو سکھوں کے ظالمانہ تسلط سے آزاد کرا کر انہیں ان کی کھوئی ہوئی عزت و عظمت سے ہمکنار کرنا۔ مقصدِ اول میں انہیں عظیم الشان کامیابی حاصل ہو چکی تھی اور انکی مساعی جمیلہ سے دہلی سے کلکتہ تک لاکھوں مسلمان شرک و بدعت اور غیر اسلامی زندگی سے تائب ہو کر خدائے واحد کے پرستار بن چکے تھے۔ اب دوسرا مقصد انکے پیشِ نظر تھا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ سے ملاقات اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ سید صاحبؒ سے بیعت کے بعد شاہ اسماعیلؒ کے عزائم میں پہلے سے کہیں زیادہ بلندی اور پختگی پیدا ہو گئی اور انکی کوششوں کے رخ نے ایک معین سمت اختیار کر لی۔ اس دوران میں حج کا سفر درپیش آگیا۔ اس سفر کی ادائیگی کے بعد شاہ اسماعیلؒ کو اپنے دوسرے مقصد کی تکمیل کا موقع ملا۔ اس فرض کی بجا آوری میں سید صاحبؒ آپ کے رہنما بنے۔ شاہ صاحبؒ کی طرح خود سید صاحبؒ کا دل بھی پنجاب و سرحد کے مسلمانوں کی حالتِ زار اور انکی مظلومانہ زندگی کے واقعات سن سن کر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا چنانچہ آپؒ نے اپنے تبلیغی دوروں کے دوران ہی اپنے معتقدین کو ذکر و فکر سے زیادہ فنونِ جنگ کی تربیت حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اور اس ہدایت پر نہایت سختی اور پوری سرگرمی سے عمل شروع ہو گیا تھا۔ شاہ اسماعیلؒ پہلے ہی ان فنون میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ حج سے واپسی کے بعد سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ کو تحریک جہاد کے اجرا کے لئے دورے کرنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں بزرگ مختلف شہروں میں گئے اور سید صاحبؒ کے معتقدین اور عام مسلمانوں کو بھی اہمیت جہاد سے آگاہ کیا

شاہ اسماعیلؒ چونکہ خود پنجاب کا دورہ کر چکے تھے اور مسلمانوں پر سکھوں کے لرزہ خیز مظالم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر ان کی تقریروں میں بڑا اثر تھا اور وہ سامعین کے دل دہلا دیتی تھیں۔ غرض ان کی تقریروں نے حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔ شاہ اسماعیلؒ نے جن مقامات کے دورے کئے ان میں دہلی، کانپور، اور الہ آباد خاص طور سے قابل ذکر ہیں یہ شاہ اسماعیلؒ کے طوفانی دوروں کا نتیجہ تھا کہ سیکڑوں افراد ان کی آواز اور سید صاحبؒ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے رائے بریلی پہنچنا شروع ہو گئے۔ ان میں سے بعض لوگ اپنے ساتھ اسلحہ، گھوڑے، خیمے، وردیوں کے لئے کپڑا اور زرِ نقد بھی لے کر آئے۔ صاحبِ" ارواحِ ثلاثہ" کا بیان ہے کہ حج سے واپسی کے بعد شاہ اسماعیلؒ دہلی کے گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحئیؒ صاحب مساجد میں۔ چھ مہینے کے بعد جہاد کے لئے تشریف لے گئے۔[1]"

شاہ اسماعیلؒ کی فوجی تیاریاں

۷ رجمادی الثانی ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو راہِ جہاد کے مسافروں کا یہ قافلہ جو پانچسو مجاہدوں پر مشتمل تھا حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں رائے بریلی سے روانہ ہوا۔ شاہ اسماعیلؒ اس قافلے کے رکن رکین تھے۔ گوالیار پہنچکر قافلے کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ مقدمۃ الجیش (سب سے اگلے دستے) کا کمانڈر شاہ اسماعیلؒ کو مقرر کیا گیا۔ باربرداری کے انتظامات کی نگرانی بھی شاہ صاحبؒ کے سپرد ہوئی۔ دوسرے منتظم سید محمد یعقوب تھے۔ سندھ میں داخل ہو کر کھاڈرہ کے مقام پر شاہ اسماعیلؒ کو چالیس مجاہدوں کے ساتھ ایک اور خدمت تفویض ہوئی جسے انجام دے کر شاہ صاحبؒ پھر سید صاحبؒ سے آملے درہ بولان کے راستے کوئٹہ اور قندھار سے ہوتے ہوئے غزنی۔ غزنی سے کابل اور کابل سے نومبر ۱۸۲۶ء میں شاہ اسماعیلؒ قافلہ مجاہدین کے ساتھ پشاور پہنچے۔ تین چار روز پشاور میں قیام کیا اور پھر لشکر مجاہدین چارسدہ پہنچ گیا۔ یہاں دو ہفتے قیام رہا۔

افغان علما سے شاہ اسماعیلؒ کے مناظرے

افغانستان میں داخل ہونے سے پہلے ہی شاہ اسماعیلؒ کے غیر معمولی علم و فضل کی شہرت یہاں کے علما تک پہنچ چکی تھی۔ راستے میں جہاں بھی قافلہ ٹھہرتا شہر کے اکابر اور علما سید صاحبؒ

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص۸۱

کے استقبال اور زیارت کو آتے۔ ان ملاقاتوں میں شاہ اسماعیلؒ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ افغان عوام کے سامنے اہمیتِ جہاد پر بڑی ولولہ انگیز تقریریں کیں، ہزاروں افغان اور ان کے نامور علما شاہ اسماعیلؒ کی پُرجوش تقریریں سن کر ہی سید صاحبؒ کے مرید ہوئے۔ بعض مقامات پر افغان علما نے شاہ اسماعیلؒ سے تبادلۂ خیال اور بعض نے علمی مناظرے بھی کئے۔ ان مناظروں میں شاہ صاحبؒ نے نہ صرف انہیں قائل کر دیا بلکہ سید صاحبؒ کا معتقد بھی بنا دیا۔ چنانچہ کابل کے ایک عالم ملا محمد نے جس کے ہزاروں افغان مرید تھے اور جو ان کا بے تاج کا بادشاہ کہلاتا تھا اپنے چند شاگردوں کو شاہ اسماعیلؒ کا امتحان لینے کی غرض سے بھیجا انہوں نے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرح ملا اور شمس بازغہ کے بعض مقامات کی تشریح چاہی جن کی وہ پہلے سے تیاری کر کے آئے تھے۔ شاہ اسماعیلؒ نے ازراہِ مذاق ہر سوال پر خاموشی اختیار کی، وہ سمجھے کہ شاہ اسماعیلؒ لاجواب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت ہم نے تو آپ کے علم و فضل کا بڑا شہرہ سنا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ تو علم سے بالکل کورے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تو انصاف کی بات نہیں تم لوگ پہلے سے خوب تیاری کر کے آئے ہو مگر میں نے ان مقامات پر مطلق غور نہیں کیا۔ پھر میں تمہیں کیسے جواب دے سکتا ہوں۔ ایسا کرو کہ مجھے مقام بتا دو تاکہ میں رات کو تیاری کر لوں۔ صبح آؤ تو پھر گفتگو ہو گی مگر خیال رکھنا کہ ایک وقت میں ایک ہی شخص سوال کرے کیونکہ اتنے بہت سے لوگوں کے سوالات کا جواب ایک شخص نہیں دے سکتا۔ ملا محمد کے شاگردوں نے واپس جا کر اپنے استاد کو سارا ماجرا سنایا۔ ملا محمد سمجھ گئے کہ شاہ اسماعیلؒ نے مذاق کیا ہے اور ان لوگوں کو قابلِ خطاب نہ سمجھا۔ دوسرے دن وہ مع شاگردوں کے شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تقلید اور عدمِ تقلید کے موضوع پر گفتگو ہوئی جو تین گھنٹے جاری رہی۔ ملا محمد شاہ صاحبؒ کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئے اور سید صاحبؒ کی بیعت کر لی۔ ان کا بیعت کرنا تھا کہ ان کے ہزاروں معتقدوں نے بھی بیعت کر لی۔[1]

اسی طرح پشاور کا مشہور سردار سید محمد خاں بھی شاہ اسماعیلؒ سے گفتگو کر کے اور ان کی علمی و سیاسی بصیرت سے متاثر ہو کر سید صاحبؒ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے سید صاحبؒ اور قافلہ مجاہدین کی دعوت بھی کی۔

معرکۂ اکوڑہ اور شاہ اسماعیلؒ

یہ پہلا معرکہ تھا جو صوبۂ سرحد میں داخل ہونے کے بعد اکوڑہ خٹک کے مقام پر سید صاحبؒ

---

[1] حیاتِ طیبہ ص ۱۵۹

کے مجاہدین اور سکھ لشکر کے درمیان پیش آیا۔ اس معرکے کے وقت سید صاحبؒ کے ساتھ پانچ سو
ہندوستانی، بہاری، بنگالی۔ پنجابی اور سندھی غازی۔ دو سو قندھاری مجاہدین اور آٹھ سو مقامی
افغان تھے۔ سکھ لشکر کی تعداد نو ہزار سے کم نہ تھی۔ معرکے میں صرف نو سو مجاہدین نے حصہ لیا اور سکھ
لشکر گاہ پر حملہ کر کے اس کے سیکڑوں سپاہیوں اور ایک نامور جرنیل سردار بھولا سنگھ کو موت کے گھاٹ
اتار دیا۔ اس معرکے میں ۳۶ یا ۳۷ مجاہدین بھی شہید ہوئے اور سکھ سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شاہ
اسماعیلؒ کی انتہائی خواہش تھی کہ کفر و اسلام کے اس پہلے معرکے میں وہ بھی شریک ہوں مگر امیر المجاہدین
حضرت سید احمدؒ نے انہیں اس جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی۔ البتہ دریائے لنڈہ کے کنارے جس کے
پار جنگ ہو رہی تھی انہیں مجاہدین کا ایک دستہ دے کر متعین فرما دیا۔ چنانچہ معرکہ شروع ہونے کے وقت
سے لے کر اس کے اختتام تک شاہ اسماعیلؒ دریا کے کنارے چاق و چوبند مجاہدین کا جیش لئے کھڑے
رہے تاکہ اگر ضرورت ہو تو کمک لے کر خود بھی پہنچ جائیں یا اگر سکھ لشکر فرار ہو کر اس طرف کا رخ کرے تو
اس کا قلع قمع کر دیں۔

جنگِ حضرو اور شاہ اسماعیلؒ

حضرو کیمبل پور کا مشہور قصبہ ہے۔ اس زمانے میں بہت بڑی تجارتی منڈی تھی۔ یہاں کے کھتری
اور سکھ بڑے مالدار تھے اور بازار مال و دولت سے بھرا ہوا تھا۔ جب سید صاحبؒ ہنڈ کے رئیس خادے خاں
کے اصرار پر ہنڈ تشریف لے گئے تو مقامی لوگوں نے جماعتِ مجاہدین کی سرفروشی اور شجاعانہ کارناموں کی
دھوم سن کر ان کی اعانت سے حضرو پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب اس منصوبے سے سید صاحبؒ کو
مطلع کیا گیا تو آپ نے اس میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہمارا کام لوٹ مار کرنا نہیں۔
چنانچہ مجاہدین نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ قندھاری مجاہدین میں سے تیس چالیس افراد مقامی
افغانوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ انہیں بھی سید صاحبؒ نے خوش دلی سے اجازت نہیں دی اور
جب انہوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے ہدایت فرما دی کہ ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو گزند نہ پہنچے
بعض مورخین کے بیان کے مطابق اس شب خون کے موقع پر سید صاحبؒ کے حکم سے شاہ اسماعیلؒ دو سو
مجاہدین کا ایک دستہ لے کر دریائے سندھ کے کنارے کھڑے ہو گئے تاکہ اگر مقامی باشندے یا قندھاری مجاہدین
دشمن کی یلغار میں گھر جائیں تو آپؒ ان کی امداد کر سکیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب مقامی لوگ لوٹ مار کر کے
واپس آنے لگے تو سکھوں نے ان پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ سید صاحبؒ کے حکم سے

مجاہدین کا ایک دستہ سید انور شاہ امرتسری کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ چنانچہ شاہ اسماعیلؒ اور سید انور شاہ نے دریائے سندھ عبور کر کے سکھوں پر پے در پے یورشیں کیں اور سکھ سواروں کا دستہ جو مال غنیمت لے کر بھاگنے والے افغانوں پر گولیاں برسا رہا تھا میدان چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اس جنگ میں مجاہدین کے دو آدمی برکت اللہ بنگالی اور حیات خاں بریلویؒ شہید ہو گئے۔ محمد صالح سندھی اور فیض الدین بنگالی زخمی ہوئے۔ دشمن کے چار سو افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔[1]

جنگِ حضرو کے چند روز بعد سردار بدھ سنگھ تین ہزار کا لشکر لے کر دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا اور قصبہ ہنڈ کے سامنے خیمہ زن ہو گیا۔ سکھ لشکر اپنے ساتھ کچھ توپیں بھی لایا تھا جنہیں اس نے پوشیدہ مقام پر نصب کر دیا تاکہ مجاہدین ان سے لاعلم رہیں۔ جب سید صاحبؒ کو سکھ لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے پانچسو مجاہدین کا ایک لشکر شاہ اسماعیلؒ کی قیادت میں مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ یہ لشکر ہندوستانی اور قندھاری مجاہدین پر مشتمل تھا۔ سردار اشرف خاں رئیس زیدہ نے بھی اس جنگ میں شرکت کی اجازت مانگی۔ چونکہ شاہ اسماعیلؒ اندازہ فرما چکے تھے کہ مقامی افغان صرف لوٹ مار کر سکتے ہیں۔ گولیوں اور گولوں کی بوچھاڑ کے سامنے ٹھہرنا ان کے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے آپ نے سید صاحب سے عرض کیا کہ مقامی لوگوں کو اس جنگ میں شامل ہونے کی اجازت نہ دیجئے مگر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ جب لوگ خوشی سے ایک دینی فرض کی بجاآوری کے لئے جانا چاہتے ہیں تو میں انہیں کیسے روک سکتا ہوں۔ مجبوراً شاہ اسماعیلؒ کو انہیں بھی اپنے ساتھ لے جانا پڑا۔ مگر آپ نے ہوشیاری یہ کی کہ مقامی افغانوں کو اپنے مجاہدین کے ساتھ مخلوط نہ کیا بلکہ انہیں ان کے سردار اشرف خاں کی قیادت میں ایک جانب سے بڑھنے کا حکم دیا اور دوسری جانب سے خود ہندوستانی اور قندھاری مجاہدوں کو لے کر بڑھے۔ جب دونوں لشکر دریائے سندھ کے وسط میں پہنچے تو سکھ لشکر کی توپوں نے اچانک گولہ باری شروع کر دی۔ جوں ہی دس بیس مقامی افغان ان گولوں کی زد میں آ کر مارے گئے ان کا سارا لشکر سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ سردار اشرف خاں نہایت بہادر آدمی تھا اس نے ہر چند ان لوگوں کو رکنے اور دشمن سے مقابلہ کرنے کی تحریک کی مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ سیکڑوں آدمی اس سراسیمگی میں دریائے سندھ میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے[2] اور باقی گرتے پڑتے کنارے پر پہنچے۔ یہ صورت حال ہندوستانی اور قندھاری مجاہدین کیلئے بھی حوصلہ شکن ثابت ہوئی اور ان کے بھی پیر اکھڑنے لگے مگر شاہ اسماعیلؒ نے کمال جرأت و ہمت سے کام لیکر مجاہدین کو للکارا اور کہا کہ "بھائیو! یہی وقت اسلام پر قربان ہونے کا ہے

[1] سوانح احمدی صـ ۱۰۱
[2] حیات طیبہ صـ ۱۶۰

اے میرے بھائیو بڑھو! آگے بڑھو! یہ کہہ کر خود بھی تیزی سے آگے بڑھے۔ ہندوستانی اور قندھاری مجاہدین نے بھی بندوقوں کے رخ سکھوں کی طرف کر دیئے اور اس شدت سے گولیاں برسائیں کہ سکھ لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور بہت سا سامانِ جنگ میدان میں چھوڑ گیا جس پر شاہ اسماعیلؒ نے قبضہ کر لیا اور ظفر و منصور ہو کر ہنڈ واپس آ گئے۔

شاہ اسماعیلؒ کا سید صاحبؒ کی بیعتِ امامت میں حصہ

جنگِ حضرو کے اختتام کے بعد بعض نہایت تلخ تجربات ہوئے تھے۔ اکثر مقامی افغان مالِ غنیمت لیکر اپنے گھروں کو چلے گئے حالانکہ اصولاً اس مال و دولت کی باقاعدہ اور کسی اصول کے تحت تقسیم ہونی چاہئے تھی۔ اس سے پہلے اکوڑہ کے شبخون میں بھی یہی صورت پیدا ہوئی تھی اور مقامی لوگوں نے مالِ غنیمت میں سے کسی کو ایک حبہ نہیں دیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ نہایت طامع اور حریص ہیں۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ان کی جدوجہد شروع سے آخر تک اسی لئے تھی کہ مال و دولت حاصل کریں۔ رضائے الٰہی کا حصول اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی ان میں سے بہت کم لوگوں کے پیشِ نظر تھی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان میں شجاعت کا فقدان تھا بلاشبہ یہ جنگجو اور بہادر لوگ تھے مگر جب مقصود صرف مال و دولت سمیٹنا ہو تو شجاعت کا جوہر ہوس زر کے نیچے دب جاتا ہے اور آدمی کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جو مال اسکے ہاتھ لگا ہے اسے لیکر سلامتی کے ساتھ گھر پہنچ جائے۔ ایسی صورت میں اس سے استقامت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہی صورت جنگِ اکوڑہ اور جنگِ حضرو کے وقت پیش آئی۔ یہ صورتِ حال سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کے بلند اور پاکیزہ مقاصد کیلئے نہایت خطرناک تھی۔ شاہ اسماعیلؒ نے محسوس کیا کہ یہ افراتفری، خودسری اور عدمِ تنظیم صرف اس لئے ہے کہ ہمارا کوئی واجب التعظیم امام نہیں ہے۔ سید صاحبؒ ضرور موجود تھے اور ان کی بیعت بھی کی جاچکی تھی مگر وہ بیعت، بیعتِ جہاد نہ تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ انہیں باقاعدہ امام اور امیرِ جنگ تسلیم کیا جاتا اور وہ تمام لوگ اس بیعت میں داخل ہوتے جو کسی بھی رنگ میں سید صاحبؒ سے وابستہ تھے۔ یہ مرحلہ بہت دشوار تھا۔ افغان سردار نہایت سرکش، خود رائے اور ہر قید سے آزاد رہنے کے عادی تھے۔ علماء و سادات اپنی مشیخیت میں مبتلا تھے اور کسی دوسرے کی سیادت انہیں گوارا نہ تھی۔ اس مہم کو سر کرنے کا سہرا تنہا شاہ اسماعیلؒ کے سر ہے۔ انہوں ہی نے مختلف افغان سرداروں کو ڈھونڈ طلب کیا۔ سادات اور علماء و مشائخ سے تبادلہ خیال کیا۔ قرآن و حدیث سے اس معاملے کی شرعی حیثیت

واضح کی اور ناقابلِ شکست دلائل سے ثابت کیا کہ جب تک مسلمانوں کا ایک واجب التعظیم امیر موجود نہ ہو، نہ جہاد واجب ہوتا ہے اور نہ اس میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شاہ اسماعیلؒ کی مساعی جمیلہ بار آور ہوئیں اور انکی دعوت پر ۱۲ جمادی الآخر ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء کو قصبہ ہنڈ میں ایک تالاب کے کنارے افغان سردار، علما، سادات اور مشائخ جمع ہوئے اور سب نے سید صاحبؒ کی بیعت کی۔ اس کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے سارے صوبہ سرحد، افغانستان اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں اس بیعت کی اطلاع کیلئے خطوط لکھے اور اعلانِ عام کے ذریعے ہر خاص و عام کو مطلع کیا۔ اس طرح شاہ صاحبؒ کی کوشش اور ان کے علم و تدبر کے ذریعے اس تحریک نے ایک تنظیم کی صورت اختیار کر لی اور ہر کام ایک قاعدے اور ضابطے کے مطابق سرانجام پانے لگا۔

جنگِ شیدو میں شاہ اسماعیلؒ کی خدمات

جنگ شیدو تاریخ مجاہدین کی نہایت اہم جنگ تھی جس نے اس تحریک پر نہایت گہرے اثرات چھوڑے۔ سردارانِ پشاور کی غداری سے پہلے سید صاحبؒ کو زہر دیا گیا اور صبح کو جب میدانِ کارزار گرم ہوا تو عین اس وقت جب مجاہدین کو فتح حاصل ہونے والی تھی سردارانِ پشاور نے سید صاحبؒ کا ساتھ چھوڑ دیا اور میدانِ جنگ سے "شکست شکست" کی آوازیں لگاتے بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ مجاہدین کی ہمتیں بھی پست ہو جائیں۔ اس موقع پر شاہ اسماعیلؒ نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔ جب آپ نے سید صاحبؒ کو زہر دیے جانے کی خبر سنی تو فوراً سید صاحبؒ کے کمرے میں پہنچے اور ساری رات ان کے سرہانے بیٹھے ان کی تیمارداری کرتے رہے۔ جب سید صاحبؒ کو کچھ ہوش آیا تو شاہ اسماعیلؒ نے عرض کیا کہ جنگ شروع ہونے والی ہے۔ یہ سن کر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ "مجھے ہاتھی پر سوار کر دو اور میدانِ جنگ میں لے چلو"۔ چنانچہ آپ کو ہاتھی پر سوار کرا دیا گیا۔ شاہ اسماعیلؒ بھی ساتھ بیٹھ گئے تاکہ اگر راستے یا میدانِ جنگ میں طبیعت خراب ہو جائے تو سنبھال سکیں۔ اسکے بعد درانیوں کی سازش کی وجہ سے جب مجاہدین کو شکست ہو گئی تو سکھ لشکر کا سارا زور مجاہدین کے اس دستے کی طرف ہو گیا جو سید صاحبؒ کے ہاتھی کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس موقع پر شاہ اسماعیلؒ نے غیر معمولی جرأت و جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سید صاحبؒ کو اس ہاتھی پر سے اتار کر جس پر توپوں کے گولے مینہ کی طرح برس رہے تھے گھوڑے پر سوار کرا دیا اور خود بدستور اسی ہاتھی پر بیٹھے مجاہدین کے دستے کی کمان کرتے رہے جب آپ نے دیکھا کہ سید صاحبؒ دشمن کی زد سے نکل گئے ہیں تو خود بھی ہاتھی سے اتر کر میدانِ جنگ

ے چلے گئے۔

سید صاحبؒ پر مسلسل غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ اسی حالت میں انہیں دریائے سوات کے کنارے لے جایا گیا تاکہ کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔ اس موقع پر زیدہ کے سردار اشرف خاں نے سید صاحبؒ کے ساتھ نہایت وفاداری کا مظاہرہ کیا اور اپنی نگرانی میں کشتی کے ذریعہ باڑہ پہنچا دیا۔ اس اثنا میں شاہ اسماعیلؒ شیدو سے مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ پشاور پہنچے، کھانا کھا رہے تھے کہ سردار سلطان محمد خاں کو ان کی آمد کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے پیغام بھیجا کہ میرا بھائی یار محمد خاں آپ کا سخت دشمن ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ جتنی جلدی ہو آپ یہاں سے چلے جائیں۔ چنانچہ آپؒ پشاور سے روانہ ہو گئے اور باڑہ پہنچکر سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ باڑہ میں سید صاحبؒ کے اور بہت سے عقیدتمند آ گئے۔ یہاں بھی آپ پر بے ہوشی کے دورے پڑتے رہے، شاہ اسماعیلؒ پاس بیٹھے رہتے، جب ہوش آتا شاہ صاحبؒ کیفیت مزاج دریافت کرتے، جواب میں فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، فکرمند نہ ہوں۔ خداوند کریم مجھے بچالے گا۔ باڑہ سے مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے چنگلئی پہنچے۔ شاہ اسماعیلؒ بھی اس سفر میں سید صاحبؒ کے ساتھ تھے۔ چنگلئی میں ایک ماہ قیام رہا۔ یہیں آپ کو افاقہ ہوا اور پھر صحت پوری طرح بحال ہو گئی۔ یہیں آپ نے مولانا شاہ اسماعیلؒ سے جنگِ شیدو کے حالات دریافت کئے۔ شاہ صاحبؒ نے سید صاحبؒ کو زہر دینے اور عین میدانِ جنگ میں سردارانِ پشاور کی غداری اور لشکرِ اسلام کی شکست کے واقعات کی تفصیل سنائی۔ اس کے بعد سید صاحبؒ نے سوات اور بنیر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تاکہ ان علاقوں کے افغانوں کو جہاد کیلئے تیار کیا جائے۔ شاہ شاہ اسماعیلؒ بھی سید صاحبؒ کے ساتھ تھے۔ ان دوروں میں شاہ اسماعیلؒ نے سید صاحبؒ کے نائب کی حیثیت سے نہایت اہم خدمات سرانجام دیں۔ مختلف مقامات پر تقریریں کیں، خوانین اور علما سے تبادلہ خیال کیا اور ہزاروں افغان عوام خوانین اور علماء کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ شاہ صاحبؒ کی کوششوں سے علاقہ سوات و بونیر کے کثیر التعداد لوگوں نے سید صاحبؒ کی بیعت کی اور جہاد کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کا عزمِ صمیم کیا۔ شب و روز کی محنت اور طوفانی دوروں کی وجہ سے تختہ بند کے مقام پر شاہ اسماعیلؒ بیمار ہو گئے۔ بیماری اتنی شدید تھی کہ آپ سفر کے قابل بھی نہ رہے آخر بدرجہ مجبوری سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ کو تختہ بند میں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور چند غازی ان کی تیمارداری کیلئے متعین فرما دیئے صحت یاب ہونیکے بعد شاہ صاحبؒ پھر تبلیغی سفر پر روانہ ہو گئے اور سید صاحبؒ سے جا ملے۔ دورہ ختم کر کے شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کے ساتھ دران کے مقام پنجتار پہنچگئے اور پھر یہی مقام مجاہدین کا مرکز قرار پایا۔

شاہ اسماعیلؒ کا دورۂ امب

سید صاحبؒ کے قیامِ پنجتار کے زمانہ میں ضلع ہزارہ کے سیاسی حالات نہایت خراب تھے۔ ایک طرف ہزارہ کے خوانین ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے اور دوسری طرف سکھ لشکروں نے تباہی مچا رکھی تھی۔ بہت سے مسلمان سردار اپنے علاقوں سے بھاگ کر دوسرے علاقوں میں پناہ گزین تھے، کیونکہ ان کے علاقوں پر سکھوں نے تسلط قائم کر لیا تھا۔ جب سردارانِ ہزارہ نے سید صاحبؒ اور آپؒ کے مجاہدین کی شجاعت کی داستانیں سنیں، دراں نہیں معلوم ہوا کہ یہ بزرگ سید پنجاب و سرحد کے مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات دلانے کیلئے شمشیر بکف ہو کر آیا ہے تو انہوں نے سید صاحبؒ کی خدمت میں امداد کی درخواستیں بھیجیں۔ ان میں سے بعض نے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت بھی کی اور آپؒ کو ہزارہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ انہی دنوں سردار حبیب اللہ خاں رئیس گڑھی حبیب اللہ کی ایک درخواست اس مضمون کی سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچی کہ سکھوں نے ایک گڑھی پر قبضہ کر کے میرے بیٹے کو اسیر کر لیا ہے۔ آپ میری امداد کیلئے مجاہدین کا ایک دستہ روانہ فرما دیں۔ سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ سے مشورہ کیا اور ڈیڑھ سو مجاہدین کا ایک دستہ منظم کر کے شاہ اسماعیل صاحبؒ کو اس دستے کا امیر مقرر فرمایا۔ اس دستے میں پچاس رامپوری غازی تھے۔ باقی دوسرے مجاہدین میں سے منتخب کئے گئے تھے میاں محمد مقیم رامپوریؒ، مولوی خیرالدین شیرکوٹی اور ملا شاہ سید چیتر منگی کو نائبین کے طور پر شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ کیا۔ مروجہ اسلحہ کے علاوہ تقریباً سات سو نل بھی سید صاحبؒ نے عنایت کئے جن میں بارود بھر کر آگ لگا دی جاتی تھی اور پھر دشمن پر پھینک دیئے جاتے تھے۔ یہ نل جہاں گرتے ہر طرف آگ لگا دیتے۔ یہ دستہ لیکر شاہ اسماعیلؒ پنجتار سے روانہ ہوئے۔ پہلی منزل ٹوپی (ضلع مردان) تھی۔ یہاں سے چلکر کھبل پہنچے۔ کھبل سے مجاہدین کو امب روانہ کر دیا اور خود چند اصحاب کو لیکر ستھانہ تشریف لے گئے جہاں کے سردار سید اعظم اور سید اکبر سید صاحبؒ کے نہایت مخلص معتقد تھے۔ یہاں ان علاقوں کے چند اور سردار بھی موجود تھے۔ سیدانِ ستھانہ نے شاہ اسماعیلؒ کے اعزاز میں نہایت پُر تکلف دعوت دی جس میں علاقے کے معززین اور علماء نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر شاہ اسماعیلؒ نے حاضرین کو خطاب کیا اور ان کے سامنے جہاد کی اہمیت واضح کی۔

ہزارہ کے سرداروں میں ریاست امب کا حکمراں نواب پائندہ خاں نہایت اولوالعزم، بہت مدبر اور بہادر آدمی تھا۔ شاہ صاحبؒ کی کوشش تھی کہ کسی طرح پائندہ خاں کو اپنا شریکِ کار بنا لیا جائے

اس کے تعاون سے بہت سے مراحل بخیر و خوبی طے ہو جائیں گے اور مقصدِ جہاد کے حصول میں بہت مدد ملے گی۔ سادات ستھانہ اور خوانین پکھلی کی رائے تھی کہ پائندہ خاں اگرچہ مدبّر اور بہادر آدمی ہے مگر اس میں اخلاص کی کمی ہے۔ اور اس سے مقصدِ جہاد میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ ان کی رائے بالکل درست تھی مگر شاہ اسماعیلؒ ذاتی طور پر حالات کا مشاہدہ کرنا اور نواب پائندہ خاں سے مل کر اس کی نیت و ارادہ کا حال معلوم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپؒ سادات ستھانہ سے رخصت ہو کر امب روانہ ہو گئے۔ رات کے وقت ریاست میں داخل ہوئے۔ پائندہ خاں کو آپؒ کے آنے کی اطلاع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس نے شہر سے باہر آ کر آپؒ کا استقبال کیا اور اپنے قلعے سے کچھ فاصلے پر آپ کے قیام کا انتظام کیا۔ شاہ صاحبؒ کا منصوبہ یہ تھا کہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر سکھوں نے جن مسلم علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے پائندہ خاں کے تعاون سے ان علاقوں کو سکھوں کے تسلط سے آزاد کرایا جائے مگر جب شاہ صاحبؒ نے پائندہ خاں سے اس موضوع پر گفتگو کی تو آپؒ نے محسوس کیا کہ وہ اس مقصد کے لئے مجاہدین کا ساتھ دینے کو تیار نہیں اس علاقے میں یہی ایک طاقتور اور جی دار سردار تھا۔ اس کی طرف سے مایوسانہ جواب پا کر اگر کوئی اور ہوتا تو یقیناً دل برداشتہ ہو کر واپس چلا جاتا مگر شاہ اسماعیل نہایت بلند ہمت انسان تھے۔ انہیں مایوس ہونا آتا ہی نہ تھا۔ ظاہری اسباب سے کہیں زیادہ انکی نظر اللہ تعالیٰ کی تائید اور اسکے فضل پر تھی چنانچہ انہوں نے ہمت نہ ہاری اور نواب پائندہ خاں سے رخصت ہو کر چھتر بائی روانہ ہو گئے۔ روانہ ہونے سے قبل آپؒ نے قبائل جدون، اوتمان زئی، امان زئی، عیسیٰ خیل اور سیح بہار کے سرداروں کے نام خطوط لکھے اور اپنے قاصدوں کے ہاتھ بھیجکر انہیں شرکتِ جہاد کی تحریک کی۔ اس کے بعد آپؒ چھتر بائی روانہ ہو گئے جہاں سے دریائے سندھ کو عبور کر کے مشرقی کنارے پر پہنچنا تھا۔ نواب پائندہ خاں نے اپنے بھائی امیر خاں کو رہنمائی کی غرض سے شاہ صاحبؒ کے ساتھ کر دیا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ راستے میں شاہ صاحبؒ جہاں قیام فرمائیں وہاں ان کے آرام اور خورد و نوش کا خیال رکھا جائے۔ رات کو شاہ صاحبؒ اور مجاہدین نے جنہیں قبل ازیں امب بھیجدیا گیا تھا دریائے سندھ کے غربی کنارے پر قیام کیا۔ صبح ہوتے ہی دریا عبور کیا۔ نکاپانی پہنچکر علماء کا ایک وفد شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ تقریباً آٹھ سو مجاہدین کا لشکر آپ کی امداد کیلئے حکم کا منتظر ہے۔ اگر عزمِ جہاد ہو تو لشکر آپ کے ساتھ روانہ کر دیا جائے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ جہاد کی تیاری جاری رکھیں۔ ضرورت پڑنے پر اطلاع دی جائے گی۔

شاہ اسماعیلؒ کا قیامِ اگرور

نکا پانی سے شاہ اسماعیلؒ قافلہ مجاہدین کے ہمراہ شیر گڑھ اور شیر گڑھ سے اگرور پہنچے جو ضلع ہزارہ کا مشہور مقام ہے یہاں کا سردار عبدالغفور خاں تھا وہ ان دنوں صاحب فراش تھا اس لئے اس کی طرف سے اسکے بھائی کمال خاں نے اگرور سے باہر شاہ صاحبؒ کا استقبال کیا۔ چونکہ رات ہو گئی تھی اس لئے کلکئی میں قیام کیا۔ صبح کو اوگی پہنچے جو اگرور کا مرکزی مقام تھا اور خان آف اگرور کی قیام گاہ تھی۔ یہاں مضافات کے خوانین شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شاہ صاحبؒ کے ہاتھ پر سید صاحبؒ کی بیعت کی۔ ان میں عبدالغفور خاں آف اگرور کا بھتیجا ارسلا خاں، سید محمد علی شاہ کا فرزند حیدر شاہ اور پکھلی کا خان احمد خاں شامل تھے۔ یہاں سے شاہ اسماعیلؒ نے ملا شاہ سید اور اخوندزادہ ملا محمد اسماعیل کو قرب و جوار کے قبائل میں دعوتِ جہاد دینے کی غرض سے روانہ کیا مگر اس دعوت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور ان علاقوں کے خوانین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر شاہ اسماعیلؒ یہاں سے کلکئی واپس چلے گئے جہاں مجاہدین مقیم تھے۔ چند روز کے بعد خان اگرور کا بھتیجا ارسلا خاں اگرور کے افغانوں کا ایک دستہ لیکر کلکئی پہنچا اور شاہ صاحبؒ سے درخواست کی کہ اس کی امداد کیلئے مجاہدین کی ایک جماعت بھیج دی جائے تاکہ سردار حبیب اللہ خاں کے محصور بیٹے کو سکھوں کی قید سے آزاد کرایا جا سکے۔ شاہ صاحبؒ نے میاں مقیم رامپوری کو پچاس مجاہدین کا ایک دستہ دیکر ارسلا خاں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

سر بلند خاں تنولی بھی ہزارے کا با اثر اور جنگجو خان تھا۔ شاہ اسماعیلؒ نے مقصدِ جہاد کیلئے اس کا بھی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی اور ملاقات کیلئے اسکے پاس تشریف لے گئے۔ سر بلند خاں اور نواب امب پائندہ خاں کے درمیان دیرینہ عداوت تھی۔ سر بلند خاں کے پیشِ نظر صرف ایک ہی مقصد تھا کہ پائندہ خاں اور اسکے اقتدار کا خاتمہ کر دیا جائے۔ وہ شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ تعاون کرنے کیلئے اسی صورت میں تیار ہو سکتا تھا جب اسے یقین ہو جاتا کہ شاہ صاحبؒ نواب پائندہ خاں کو زک دینے کیلئے اسکا ساتھ دیں گے۔ شاہ اسماعیلؒ ہزارہ اس لئے تشریف نہیں لائے تھے کہ خوانینِ ہزارہ کے تنازعات میں الجھ کر اپنی طاقت ضائع کریں اور مسلمانوں کے خون سے اپنی تلوار رنگیں۔ آخر انہوں نے سید صاحبؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر یہاں کے حالات سے انہیں مطلع کیا اور وہ اسباب بھی درج کئے جنکی بنا پر سر بلند خاں کی خاطر نواب پائندہ خاں سے دشمنی مول لینا سیاسی لحاظ سے بھی نامناسب اور مقاصدِ جہاد کیلئے مضرت رساں تھا۔

سربلند خاں سے مایوس ہو کر شاہ اسماعیلؒ درہ ٹیکری کے موضع جوبایاں مستور تشریف لیگئے اور غازیوں کی جماعت کو جس میں چالیس آدمی تھے گڑھی حبی کوٹ میں ٹھہرایا اور عبداللہ خاں نامی غازی کو ان کا امیر مقرر کر دیا جوبایاں مستور سے آپ نے ملا عصمت اللہ کو توم دیشی میں تبلیغ جہاد کیلئے روانہ کیا۔ ایک داعی کو ائی (علاقہ کاغان) کے سادات کے پاس بھیجا۔ پکھلی کے سردار سید محمد علی شاہ اور بٹ گرام کے غازی ناصر خاں کے پاس بھی تحریک جہاد میں حصہ لینے کیلئے خطوط ارسال کئے۔

جنگِ ڈمگلہ

ارسلا خاں اپنے لشکر اور مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ پکھلی پہنچ چکا تھا اور ان علاقوں میں سکھوں کی گڑھیوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ ان گڑھیوں میں ڈمگلہ اور شنکیاری مشہور گڑھیاں تھیں جن میں مسلح سکھ فوجیں قرب و جوار کے علاقوں کی حفاظت کرنے کیلئے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ اس زمانے میں سردار ہری سنگھ نلوہ ہزارہ کا گورنر تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مقامی افغانوں کا لشکر مجاہدین کی امداد کے ساتھ ڈمگلہ کے قریب پہنچ گیا ہے تو اس نے ڈمگلہ کو بچانے کیلئے سردار بھول سنگھ کو تین ہزار کا لشکر دیکر روانہ کر دیا۔ اسکے بعد تین ہزار فوج اسکی امداد کیلئے اور بھیجدی جب شاہ اسماعیلؒ کو سکھوں کی ان تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ درہ ٹیکری سے اپنے مجاہدین کی جماعت لے کر روانہ ہو گئے اور موضع تنسکیاری کے پاس پڑاؤ کیا۔ یہاں سے آپ نے ڈیڑھ سو مجاہدین کا ایک دستہ میاں محمد مقیم رامپوری کی قیادت میں روانہ کیا۔ اس جنگ کیلئے "لفظ عبداللہ" کو "ورڈ" کے طور پر تجویز کیا گیا۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو ان کا نائب مقرر کیا اور بارود سے بھرے ہوئے بانس کے نل دے کر ہدایت فرمادی کہ سکھوں کی گڑھی پر حملہ کرنے سے پہلے یہ نل آگ لگا کر اندر پھینک دیئے جائیں تاکہ اچانک آتش زدگی سے سکھ فوج میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے اور وہ بھاگنا شروع کر دے۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار مقامی باشندے بھی مجاہدین کے ساتھ تھے جو صرف لوٹ مار کے لالچ میں شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ جب مجاہدین کا لشکر ڈمگلہ کے قریب پہنچا تو ان میں سے ایک ہزار سے زیادہ فرار ہو گئے۔ سکھوں نے اپنے لشکر کے چاروں طرف خاربندی کر رکھی تھی۔ میاں مقیم رامپوری نے لشکر گاہ کے قریب پہنچکر شاہ اسماعیلؒ کی ہدایت کے مطابق بارود کی نل آگ لگا کر اندر پھینک دیئے۔ ہر طرف آگ بھڑک اٹھی۔ پھر نعرۂ تکبیر بلند کر کے لشکر گاہ میں داخل ہو گئے۔ انکے پیچھے مجاہدین نے بھی اندر داخل ہو کر گولیوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ سکھ سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ پچاس مجاہدوں نے چھ ہزار سکھوں کو اس طرح بھگا دیا کہ وہ اپنا مال و اسباب اور ان میں سے بعض اپنے ہتھیار بھی نہ لے جا سکے۔ جب مقامی لوگوں نے جو ادھر ادھر چھپے

ہوئے تھے میدان صاف دیکھا تو جھٹ آموجود ہوئے اور مفرور سکھوں کا اسباب سمیٹنا شروع کر دیا جب سکھوں کے ہوش حواس بجا ہوئے تو انہوں نے گھاس پھونس کے چند مکانوں کو آگ لگا دی تاکہ دشمن کی تعداد کا اندازہ ہو سکے۔ شعلے بلند ہونے پر معلوم ہوا کہ یہ تو مٹھی بھر آدمی ہیں، چنانچہ انہوں نے از سر نو ترتیب قائم کی اور اپنی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی اسلئے مولوی خیر الدین شیر کوٹی نے کمال ہوشیاری اور چابکدستی سے مجاہدین کو لشکر گاہ سے باہر نکال لیا۔ جب ایک ایک شخص خاربندی سے باہر آگیا تو سب سے آخر میں خود باہر نکلے۔ اس جنگ میں چھ یا سات آدمی مجاہدین میں سے شہید اور اسی قدر زخمی ہوئے، سکھوں کے مقتولوں کی تعداد تین سو تھی [1] دو غازی عبد الخالق محمد آبادی اور سید لطف علیؒ کے شدید زخم آئے تھے اور انکے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہتھیارے لو اور ہمیں یہاں سے نہ اٹھاؤ ہم اس سرزمین پر اپنی جانیں جانِ آفریں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔

جنگ شنکیاری اور شاہ اسماعیلؒ

جنگ ڈمگلہ کے وقت شاہ اسماعیلؒ شنکیاری کے پاس مجاہدین کے ایک دستے کے ہمراہ مقیم تھے، یہ دو تین دن آپؒ اور آپؒ کے ساتھیوں پر نہایت سخت گذرے، کسی شخص کے منہ میں ایک کھیل تک اڑ کر نہ پڑی تھی۔ ڈمگلہ کی جنگ میں مال غنیمت میں کچھ غلہ ہاتھ لگا جو شنکیاری پہنچایا گیا۔ فاقہ کش مجاہدین کی مشکل آسان ہوئی، کچھ لوگ کھانا کھا چکے تھے کچھ کھانا تیار کرنے میں مصروف تھے کہ شنکیاری کی گڑھی میں سے سکھوں کا ایک دستہ معمول کے مطابق گشت کرنے نکلا۔ شاہ صاحبؒ کی نگاہیں گڑھی کی طرف لگی رہتی تھیں اس دستے کو سب سے پہلے انہوں نے ہی دیکھا اور مجاہدین کو تیار ہونے کا حکم دیا، حکم ملتے ہی ہر شخص نے کمر کس لی اور ہتھیار لے کر مورچہ بند ہو بیٹھا۔ جونہی سکھ لشکر قریب آیا شاہ اسماعیلؒ نے بندوقیں اور شاہینیں سر کرنیکا حکم دیا۔ اس کے بعد باآواز بلند کہا کہ "یارو جانے نہ دو" سکھوں نے بھی گولیوں کا جواب گولیوں سے دیا، تھوڑی دیر میں سکھ دستہ قریب آگیا۔ شاہ اسماعیلؒ نے بندوق سر کی کہ اس اثنا میں ایک سکھ تلوار کھینچکر شاہ صاحبؒ پر حملہ آور ہونے کے ارادے سے جھپٹا۔ آپ نے گولی مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ دوبارہ بندوق بھرنے لگے کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور شاہ صاحبؒ کی انگشت شہادت کو اڑاتی ہوئی گذر گئی مگر آپ نے اس حالت میں بندوق سر کر دی ایک اور سکھ کی لاش خاک و خون میں تڑپنے لگی، خون اس

---

[1] سوانح احمدی صفحہ ۱۰۶

کثرت سے بہنے لگا کہ جب چوتھی بار بندوق بھرنی چاہی تو بارود کی پیالی خون سے بھر گئی۔ مجبوراً آپ نے تلوار کا قبضہ ہاتھ میں لیا اور باوجودیکہ ہاتھ سے خون فوارے کی مانند جاری تھا مگر اسی زخمی ہاتھ سے اس پھرتی سے سکھوں پر حملے شروع کئے کہ وہ گھبرا کر بھاگنے لگے۔ ساتھیوں نے بھی دو بدو جنگ میں تلوار کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ سکھ فرار ہو کر اپنی گڑھی میں جا چھپے اور میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ گڑھی حبیب اللہ کے سردار کا بیٹا جس کی رستگاری کے لئے اس نے شاہ صاحب کو اپنی امداد کی غرض سے بلایا تھا۔ گڑھی شنکیاری میں قید تھا۔ جب سکھوں اور مجاہدین میں جنگ شروع ہوئی تو سکھوں کی ساری توجہ جنگ کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی اثنا میں حبیب اللہ خاں کا بیٹا موقع پا کر گڑھی شنکیاری سے نکل گیا اور سکھوں کی قید سے آزاد ہو گیا۔ شاہ اسماعیلؒ کے شنکیاری آنے کا اصل مقصد یہی تھا وہ حاصل ہو چکا تھا اسلئے آپ مجاہدین کو لیکر اگرور روانہ ہو گئے۔ اس جنگ میں سکھوں کے[1] ڈیڑھ دو ڈھائی سو افراد مارے گئے۔ مجاہدین میں سے چھ یا سات شہید اور تقریباً دس افراد زخمی ہوئے۔ سوانح احمدی کے مصنف کا بیان ہے کہ جنگ شنکیاری میں شاہ اسماعیلؒ کی جو انگلی (انگشتِ شہادت) زخمی ہوئی تھی آپ اس کی طرف اشارہ کر کے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ " اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے تو یہ میری انگشت شہادت کی ہے، ورنہ بہت سے زخم لگتے ہیں اور ان میں کچھ ثواب نہیں ہوتا"[2]۔

مولانا جعفر تھانیسری نے اس جنگ میں مجاہدین کی تعداد بارہ لکھی ہے۔ یہی تعداد مولانا غلام رسول مہر نے بھی بیان کی ہے۔ لیکن دس بارہ آدمیوں کا لشکر کثیر سے مقابلہ کرنا اور اس کے دو ڈھائی سو آدمیوں کو تہہ تیغ کر دینا اور پھر انہیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دینا قرین قیاس نہیں، اگرچہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں مگر اس جنگ کے حالات قرونِ اولیٰ کی جنگوں سے بالکل مختلف تھے۔ پھر یہ وہ جنگ تھی جس کیلئے خان آف اگرور کے بھتیجے ارسلا خاں نے شاہ اسماعیلؒ کو زور دے کر تحریک کی تھی اور وہ اپنے لشکر کے ہمراہ شنکیاری کے قریب موجود تھا۔ اس کے اہل لشکر کی صحیح تعداد کسی تذکرہ میں درج نہیں قیاس کہتا ہے کہ ڈیڑھ دو سو آدمی ضرور اس کے ہمراہ ہوں گے۔ چالیس مجاہدین شاہ صاحبؒ کیساتھ درہ ٹیکری سے آئے تھے جو اس جنگ میں موجود تھے۔ ناصر خاں بٹ گرامی بھی اپنے ایک مختصر سے دستے کے ہمراہ مجاہدین کی اعانت کیلئے ساتھ آئے تھے۔ چنانچہ خود مولانا غلام رسول مہر کا بیان ہے کہ :-

"ڈمگلہ اور شنکیاری کے معرکوں نے سکھوں پر سخت سراسیمگی طاری کر دی تھی۔ کمال خاں اور ناصر خاں نے مولانا سے کہا کہ آپ اگرور تشریف لے چلیں تاکہ وہاں

---

[1] منظورۃ السعداء ص ۹۴۸ (قلمی نسخہ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور) مصنفہ سید جعفر علی نقوی [2] سوانح احمدی ص ۲۱۰

اطمینان سے مزید اقدامات کی تجویزیں سوچی جائیں ؎۱ "

گویا اگرور کے خان عبدالغفور خاں کا بھائی کمال خاں اور بٹ گرام کے خان ناصر خاں اس جنگ میں شاہ اسماعیل رح کے ساتھ تھے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شنکیاری کی جنگ میں شاہ اسمٰعیل رح کے ساتھ بارہ مجاہدین کا ہونا خلافِ واقعہ ہے، یہ تعداد کم سے کم ڈھائی تین سو ہو گی۔ اگرچہ سکھوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی مگر شاہ اسماعیل کی غیر معمولی شجاعت اور فنِ جنگ میں غیر معمولی مہارت کی وجہ سے قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر غلبہ حاصل ہوا۔ بہرحال شاہ صاحب رح شنکیاری سے اپنے مجاہدین کمال خاں ارسلا خاں اور ناصر خاں بٹ گرامی کے دستوں کے ساتھ بفہ، خاکی اور بیر گنڈ سے ہوتے ہوئے اگرور کے صدر مقام اوگی پہنچے، راستے میں جب سکھوں کی گڑھی کے پاس سے گذرتے تو زور زور سے نقارہ بجانے کا حکم دیتے تاکہ اگر کسی گڑھی میں مقیم سکھ فوج میں جرأت ہو تو باہر نکل کر مقابلہ کرے مگر سارے راستے میں ایک گڑھی سے بھی سکھ فوج کو مقابلہ پر نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اوگی میں شاہ صاحب رح کا قیام آٹھ روز رہا۔ مقصد یہ تھا کہ قرب وجوار کی گڑھیوں پر حملہ کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا جائے تاکہ ہزارہ سکھوں کی دست برد سے آزاد ہو جائے مگر اسی دوران میں ہندوستان سے مجاہدین کے بہت سے قافلے سید صاحب رح کے پاس آ گئے تھے اور ان کے انتظام و انصرام کیلئے شاہ صاحب رح کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سید صاحب رح کی طلبی پر آپ ان کے پاس روانہ ہو گئے۔

شاہ اسماعیل رح کا دورۂ سمہ و سوات

جب شاہ اسماعیل رح سید صاحب رح کی خدمت میں پنجتار پہنچے تو ہندوستان سے آئے ہوئے قافلوں کی ترتیب و انتظام کا کام ختم ہو چکا تھا اور سید صاحب رح ارباب بہرام خاں کے مشورے پر علاقہ سمہ کا دورہ کرنے کی تیاریاں فرما رہے تھے تاکہ ان علاقوں کے خوانین کی پرانی عداوتیں اور گروہ بندیاں ختم کرا کے انہیں باہم گلے ملا دیں، اس دورے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس علاقے کے افغانوں کی اخلاقی دینی اور معاشرتی اصلاح ہو جائے اور انہیں جہاد کیلئے تیار کیا جا سکے۔ چنانچہ سید صاحب رح مجاہدین کا قافلہ لیکر علاقہ سمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں شاہ اسماعیل رح آپ کے ہمراہ تھے، سید صاحب رح کی معیت میں آپ جن جن مقامات پر تشریف لے گئے ان میں سے قابلِ ذکر مواضعات اور قصبات یہ ہیں۔ بشوہ، چار گلٹی، مہر علی، مچھئی، امان زئی، اسماعیلہ، کالو خاں، تلا نڈی، شیخ جانا۔ ان

؎۱ سید احمد شہید رح ص ۱۹

مقامات میں سے آپ نے شیوہ اور امان زئی میں چار چار دن اور باقی مقامات پر ایک ایک شب قیام کیا۔ ان مقامات کے سرداروں اور عوام دونوں نے سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیل کا نہایت گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ ضیافتیں کیں۔ تقریریں کرائیں اور بعیت کی۔ یہ دورہ تقریباً دو ہفتے جاری رہا۔ اس کے بعد شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کی معیت میں پنجتار واپس تشریف لے آئے۔ دوسری بار پھر دورے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس دورے میں آپ جن علاقوں میں تشریف لے گئے ان میں کاٹ ملنگ، لونڈ خور، شاہ کوٹ، مالاکنڈ ایجنسی کا مشہور مقام درگئی اور خہر (علاقہ سوات زیریں) شامل ہیں۔ خہر میں شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کی معیت میں ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ ٹھہرے اور یہاں قیام کر کے سوات اور سم کے خوانین و عوام کی اصلاح اخلاق و ترغیب جہاد کا فریضہ انجام دیا۔ خہر ہی کے قیام کے دوران سید صاحبؒ کے نہایت فاضل رفیق اور دست راست مولانا عبدالحئیؒ کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔ مولانا عبدالحئیؒ شاہ اسماعیلؒ سے ایک دن پہلے سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے تھے اور انہی کی تحریک سے شاہ اسماعیلؒ نے سید صاحبؒ کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے پر رکھا تھا۔ سید صاحبؒ کی تحریک کو فروغ دینے میں شاہ اسماعیلؒ کے بعد سب سے زیادہ حصہ مولانا عبدالحئیؒ کا تھا۔ علم و فضل اور تحریر و تقریر میں بھی وہ شاہ اسماعیلؒ کے ہم پایہ تھے۔ ایک روایت کے مطابق آخر عشرہ رجب ۱۲۴۳ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ کو بواسیر کے مرض میں مبتلا ہو کر موضع خہر (علاقہ سوات زیریں) میں وفات ہوئی۔ شاہ اسماعیلؒ نے چند اور رفقا کے ساتھ غسل دیا۔ خہر ہی میں دفن کئے گئے۔[1]

جنگ اتمان زئی میں شاہ اسماعیلؒ کا حصہ

سید صاحب اور شاہ اسماعیلؒ خہر ہی میں تھے کہ پشاور کے درانی سردار، رنجیت سنگھ کے ایما سے چار ہزار کا لشکر لیکر سید صاحب سے نبرد آزما ہونے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ لشکر دریائے لنڈہ عبور کر کے اتمان زئی پہنچ گیا۔ جب سید صاحبؒ کو درانیوں کی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو آپؒ نے بھی مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ اس وقت آپؒ کے اہل لشکر کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ کا امیر شاہ اسماعیلؒ کو مقرر کیا گیا اور دوسرے کی قیادت سید صاحبؒ نے فرمائی۔ سب سے پہلے شاہ اسماعیلؒ اپنا لشکر لیکر اتمان زئی کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے سید صاحبؒ کے لشکر نے کوچ کیا۔ خہر سے درگئی وہاں سے موسیٰ گڑھی اور پھر توتی پہنچکر شاہ اسماعیلؒ نے اپنے

---

[1] سوانح احمدی صہ ۱۰۹

لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ عصر کے وقت سے قبل سید صاحبؒ بھی اپنے لشکر کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ بستی سے باہر نماز پر نماز عصر ادا کر کے سید صاحبؒ نے دعا کی اور شاہ اسماعیلؒ کے دستے کو رخصت کیا۔ اس موقع پر آپ نے ہر غازی سے فرداً فرداً مصافحہ کیا۔ اس کے بعد شاہ اسماعیلؒ ایک رہبر کی رہنمائی میں اتمان زئی روانہ ہو گئے۔ بارہ چودہ میل چل کر ایک پہاڑ آیا، یہاں گوجروں کی آبادی تھی۔ ان لوگوں نے شاہ اسماعیلؒ اور آپ کی جماعت کی دودھ اور لسی سے تواضع کی۔ یہاں ٹھہر کر شاہ صاحبؒ نے سید صاحبؒ کا انتظار کیا۔ سید صاحبؒ کے تشریف لانے کے بعد دونوں لشکر پھر روانہ ہوئے اور جلالہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ یہاں نقشۂ جنگ تیار کیا گیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ شاہ اسماعیلؒ مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ میمنہ پر حملہ کریں اور شب خون ماریں اور سید صاحبؒ میسرہ پر رہیں تاکہ اگر درانی میدانِ جنگ سے فرار ہو کر اتمان زئی کی آبادی میں داخل ہونا چاہیں تو ان کی مزاحمت کی جائے۔

اس منصوبے کے مطابق شاہ اسماعیلؒ اپنی جماعت کو ہمراہ لیکر دشمن کی لشکرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے اور ہدایت فرما دی کہ جب تک، وہ بندوق سر نہ کریں اس وقت تک گولی نہ چلائی جائے "سوانح احمدی" کے مصنف کا بیان ہے کہ "مولوی محمد اسماعیلؒ صاحب بڑی دانائی سے اپنے سریہ کولے کر دشمن کے میمنہ پر بقدر فاصلہ ایک گولی کی مار کے پہنچ گئے۔ وہاں سے صرف سواروں کو ایک دوسرے کے پیچھے کر کے اپنے ساتھ لئے ہوئے آپ آگے بڑھے۔ جب عین دشمن کے لشکر پر پہنچ گئے اس وقت سنتری نے آپؒ کو للکارا، آپؒ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ دوسری بار للکارا پھر بھی آپؒ نے جواب نہ دیا۔ تیسری للکار کا جواب نہ پانے پر سنتری نے اپنی بندوق سر کر کے شور مچایا اور اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ اس وقت مولانا شاہ اسماعیلؒ نے مع اپنے ساتھیوں کے بہ آواز بلند تکبیر کہہ کر حملہ کیا اور توپوں پر جا پہنچے۔ گولہ انداز نے مہتابی روشن کر کے چاہا کہ توپ چلائے۔ مولانا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ڈانٹ کر فرمایا کہ توپ کو درانیوں کے لشکر کی طرف پھیر دو۔ اس نے خوف کے مارے آپؒ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد آپؒ نے دوسری توپ پر بھی قبضہ کر لیا اور گولہ انداز کو تلوار سے مردار کر دیا۔ جب دشمن کے لشکر میں بھگی (بھگدڑ) شروع ہوئی تو گاؤں کی طرف سے سید صاحبؒ بھی مع لشکر کے آن پہنچے، دونوں طرف سے مبارکباد کی فتح کی آوازیں بلند ہوئیں اور سجداتِ شکر ادا کئے گئے"[1]۔

"وقائع احمدی" اور "منظورۃ السعدا" کے مصنفین نے بھی شاہ اسماعیلؒ کی یورش اور درانیوں کی توپوں پر قبضہ کرنے کا واقعہ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے مگر تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ انکے بیان کے مطابق درانیوں کے پہریدار کی طرف سے گولی چلنے کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور پھر اپنی

---

[1] سوانح احمدی صہ ۱۰۹

جماعت کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سب سے آگے خود شاہ صاحب تھے اور پیچھے باقی جماعت۔ جوں ہی درانیوں کے توپچی نے توپ داغ کر فائر کرنا چاہا شاہ اسماعیلؒ اور انکے ساتھی زمین پر بیٹھ گئے اور توپ کا گولہ ان کے سروں پر سے گذرتا چلا گیا۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے نہایت برق رفتاری سے درانیوں کے توپچیوں پر یورش کی اور قبل اس کے کہ وہ دوسرا گولہ سر کرتے آپؒ ان کے سروں پر جا پہنچے اور توپچیوں کو قتل کر کے توپوں پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑی دیر میں لشکرگاہ درانیوں سے خالی ہو گئی اور وہ بھاگ کر ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ یہاں انہوں نے مستحکم مورچے بنا لیے۔ ادھر شاہ اسماعیلؒ اور سید صاحبؒ نے بھی اپنی جماعتوں کو منظم کر کے ایک بلند مقام پر توپیں نصب کروا دیں۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی۔ اس اثنا میں پتہ چلا کہ اتمان زئی کا رئیس سردار عالم خاں اور خیبر کے افغان سردار درانیوں سے مل گئے ہیں انہی لوگوں کی تائید و حمایت پر سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ درانیوں کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ کے مشورے سے میدانِ جنگ سے مراجعت کا فیصلہ کیا۔ ایک جماعت مورچوں میں موجود رہی تاکہ دشمن کو میدانِ جنگ سے مجاہدین کی واپسی کی خبر نہ ہو۔ اور باقی سارا لشکر نہایت احتیاط سے واپس ہوا۔ اس لشکر کی قیادت شاہ اسماعیلؒ نے کی۔ ان کے بعد سید صاحبؒ اور باقی مجاہدین بھی اتمان زئی سے نکل اپنے مستقر بمقام "خہر" پہنچ گئے۔

اس جنگ میں شاہ اسماعیلؒ کی غیر معمولی شجاعت اور بے خوفی نے اپنے سے چار گنا دشمن کو شکست دی۔ اس کی توپوں پر بھی مجاہدین کا قبضہ ہو گیا اس کا جانی اور مالی نقصان بھی بہت ہوا مگر مجاہدین میں سے کسی کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ اس کامیابی نے قرب و جوار کے علاقوں پر مجاہدین کی ہیبت قائم کر دی اور سکھ دربار پر بھی مجاہدین کے عزم و استقلال اور انکی فوج کی بے خوفی کا بڑا اثر پڑا۔ خہر پہنچکر شاہ اسماعیلؒ نے سید صاحبؒ کو مشورہ دیا کہ بخارا کے حکمران کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے اور اسے جہاد میں حصہ لینے کی تحریک کی جائے۔ چنانچہ سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ کے مشورے پر لشکر مجاہدین کے مشہور عالم اور بزرگ میاں نظام الدین چشتیؒ کو نو آدمیوں کی ایک جماعت کا امیر مقرر کر کے بخارا بھیجا۔ قرآن حکیم کا ایک مطلا نسخہ شاہِ بخارا کیلئے تحفے کے طور پر عنایت کیا اور ایک مفصل خط بھی لکھا۔

خہر پہنچکر شاہ اسماعیل نے دوسری خدمت یہ سرانجام دی کہ سید صاحبؒ اتمان زئی روانہ ہونے سے قبل بیت المال کا پچیس تیس ہزار روپیہ ٹوپی کے مقام پر زمین میں دفن کرا گئے تھے۔ اب اس رقم کی ضرورت پیش آئی چنانچہ آپؒ نے بائیس آدمیوں کی ایک جماعت کو ٹوپی روانہ کیا تاکہ دفن شدہ رقم نکال کر بحفاظت لے آئے شاہ اسماعیل نے اس جماعت کی قیادت کی اور انہی کی نگرانی میں یہ روپیہ نکال کر خہر لایا گیا۔

خادے خاں کا فتنہ اور شاہ اسماعیلؒ

صوبہ سرحد کے مقامات ہنڈ، زیدہ اور پنجتار کے افغان سرداروں میں مستقل مخاصمت و مخالفت رہتی تھی۔ ان میں ہنڈ کا سردار خادے خاں جہاں اپنی شجاعت و تدبیر اور طاقت میں بڑھا ہوا تھا وہاں اپنی شرارت اور فتنہ آرائی میں بھی سب سے آگے تھا۔ اس نے خوانینِ سرحد میں سب سے پہلے سید صاحبؒ کی بیعت کی اور آپؒ کو اپنے علاقے میں لے جا کر ٹھہرایا مگر سب سے پہلے سید صاحبؒ کی مخالفت بھی اسی نے کی اور مجاہدین کیلئے بڑے مصائب کا موجب بنا۔ جب اس نے سید صاحبؒ کے ایک مخلص فدائی اشرف خاں رئیس زیدہ کے خلاف صف آرائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور سید صاحبؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؒ نے اس فتنہ کا ازالہ کرنے کیلئے شاہ اسماعیلؒ سے مشورہ کیا اور انہیں پونے دو سو مجاہدین کی ایک جماعت دیکر حکم دیا کہ زیدہ جا کر ان دونوں افغان سرداروں میں مصالحت کرا دیں۔ شاہ صاحبؒ جماعتِ مجاہدین لے کر براہ "سلیم خاں" قصبۂ مانیری پہنچے۔ اس اثنا میں مقام "شاہ منصور" کی طرف سے گولیاں چلنے کی آوازیں آئیں۔ شاہ صاحبؒ نے تیز تیز قدموں سے شاہ منصور کا رخ کیا۔ راستے میں خادے خاں کا حریف اور زیدہ کا سردار اشرف خاں ملا۔ آپؒ نے اس سے اس جنگ و جدل کا سبب دریافت کیا اور کہا کہ مجھے تو امیر المومنین نے آپ دونوں کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے بھیجا ہے۔ اشرف خاں نے جواب دیا کہ میں نے تو سید بادشاہ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا اور اپنی گڑھی سے باہر بھی نہیں نکلا۔ مگر خادے خاں اپنا لشکر لیکر صبح ہوتے ہی لڑنے کی غرض سے آپہنچا۔ آخر مجبور ہو کر مجھے بھی میدان میں آنا پڑا۔" اسکے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس کا گھوڑا بدک گیا۔ اشرف خاں زمین پر آ رہا اور اسی حادثے میں جاں بحق ہو گیا۔ شاہ اسماعیلؒ فوراً زیدہ پہنچے، اشرف خاں کے پس ماندگان کو تسلی و تشفی دی۔ اسکے جنازے میں شرکت فرمائی اور جب مسجد میں اس کی تعزیت کیلئے اجتماع ہوا تو آپؒ نے اس اجتماع سے خطاب کیا اور اشرف خاں مرحوم زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ اسی دوران میں سید صاحبؒ نے اٹک کے بعض غیرت مند مسلمانوں کی اعانت سے اٹک پر قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اٹک صوبہ سرحد کا اہم ترین مقام اور دروازہ تھا اگر یہ مجاہدین کے قبضے میں آجاتا تو صوبہ سرحد سے سکھوں کا اقتدار بآسانی ختم ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ ہنڈ کے سردار خادے خاں نے اٹک کے قلعہ دار کو خفیہ خفیہ اطلاع بھیجدی کہ ہوشیار ہو سید بادشاہ حملہ کرنے والے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور اٹک کے بہت سے مسلمان جو اس منصوبے میں سید صاحبؒ کے شریک کار تھے گرفتار کئے گئے اور ان سب کو

سکھوں نے پھانسی دی۔ یہ صورتِ حال بے حد افسوسناک اور سید صاحبؒ کے اسلامی مقاصد کیلئے سخت نقصان دہ تھی۔ خادے خاں اور بعض افغان سرداروں کی فتنہ آرائی حد سے تجاوز کر چکی تھی اس لئے سید صاحبؒ نے سردار فتح خاں رئیس علاقہ پنجتار اور شاہ اسماعیلؒ کے مشوروں سے افغان علماء اور سرداروں کے ایک اجتماع کا فیصلہ کیا۔ یہ اجتماع پنجتار میں منعقد ہوا۔ تین ہزار کے لگ بھگ علماء، خوانین اور صوبہ سرحد کے معززین نے اس اجتماع میں شرکت کی۔ پہلے سید صاحبؒ نے خطاب کیا۔ آپ کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے تقریر کی۔ شاہ صاحبؒ نے تقریر کا آغاز قرآن حکیم کی اس آیت سے کیا کہ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسولؐ کی اور اس کی جو تمہارا حاکم ہو) اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے اس کا ترجمہ اور تفسیر اپنے مخصوص عالمانہ اور دلنشین انداز میں بیان فرمائی۔ پھر علماء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ لوگ بتائیں کہ کیا اس ارشادِ خداوندی کی رو سے اطاعتِ امام فرض ہے یا نہیں؟ علماء نے بیک زبان کہا کہ "فرض ہے" پھر شاہ صاحبؒ نے دریافت کیا کہ عاصی کے متعلق آپ حضرات کی کیا رائے ہے، علماء نے جواب دیا کہ ایسا شخص باغی ہے۔ جب علماء نے یہاں تک آپ سے اتفاق کر لیا تو آپ نے قرآن و حدیث کی رو سے باغی کے متعلق حد شرعی کی وضاحت فرمائی اور فتویٰ مانگا کہ باغی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ سارے علماء نے متفقہ طور پر کہا کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے باغی واجب القتل ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو پھر آپ لوگ اس فتوے پر دستخط فرما دیں۔ چنانچہ اجتماع میں موجود تمام علماء نے فتوے پر اپنی مہریں لگا دیں۔ اسکے بعد شاہ اسماعیلؒ نے علماء سے خطاب کیا اور انہیں ان کے فرائض یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ اس صورتِ حال کی تمام تر ذمہ داری آپ حضرات پر عائد ہوتی ہے۔ یہاں کے سردار آپ کے زیرِ اثر ہیں، اگر آپ لوگ سچی بات کہنے میں مصلحت بینی سے کام نہ لیتے اور حق گوئی کے معاملے میں کسی خوف و تحریص کی پروانہ کرتے تو یہ مصائب و آلام کبھی رونما نہ ہوتے۔ اس کے بعد آپؒ نے حاضرین سے کہا کہ اب میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کروں گا آپ سب لوگ اس دعا میں شریک ہوں۔ اسکے بعد آپ نے نہایت خشوع و خضوع سے مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق اور ان کی کامیابی کیلئے دعا کی مگر ہنڈ کا سردار خادے خاں دعا میں شریک نہ ہوا۔ یہ اجتماع شعبان ۱۲۴۴ھ[1] میں منعقد ہوا اور اسکی کامیابی کا سہرا بہت حد تک شاہ اسماعیلؒ کے سر بندھتا ہے۔

---

[1] سوانح احمدی ص ۱۱۰ و منظورۃ السعداء

جنرل ونٹورا کا حملہ اور شاہ اسماعیلؒ

ونٹورا رنجیت سنگھ کا نہایت ماہرِ فن اور بہادر جرنیل تھا۔ سکھوں کی افواج کو جدید اور مغربی طرز پر منظم کرنے میں اس جرنیل کا بڑا حصہ ہے۔ جب سید صاحبؒ کا اثر و اقتدار صوبہ سرحد میں مسلسل بڑھنے لگا اور سکھ فوجوں کو پے در پے شکست ہوئی تو رنجیت سنگھ نے جنرل ونٹورا کی قیادت میں ایک بڑا لشکر سید صاحبؒ کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس لشکر نے پنجتار سے تھوڑے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ اسی دوران لشکر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سید صاحبؒ کے غازی شب خون مارنے والے ہیں۔ اس خبر کے ساتھ ہی سکھوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔ ان کی یہ بے دلی اور جنگ سے پہلو تہی دیکھ کر جنرل ونٹورا نے واپسی ہی میں مصلحت سمجھی۔ اس طرح سکھ فوجیں بغیر لڑے ہی واپس چلی گئیں۔ جب رنجیت سنگھ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اس نے ونٹورا پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ وہ سید صاحبؒ سے جنگ کئے بغیر کیوں واپس آ گیا۔ آخر کچھ عرصے کے بعد اس نے پھر سید صاحبؒ سے جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر ہنڈ کے سردار خادے خاں نے اسے اپنی امداد کا یقین دلایا چنانچہ وہ ایک عظیم لشکر لیکر روانہ ہو گیا اور پنجتار سے تھوڑے فاصلے پر خیمہ زن ہو گیا۔ سید صاحبؒ کو بھی اس لشکر کی نقل و حرکت کی خبر ہو چکی تھی، چنانچہ آپؒ نے شاہ اسماعیلؒ اور پنجتار کے سردار فتح خاں کے مشورے سے بستی کی حفاظت کیلئے دو مختلف سمتوں میں دیواریں تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ سکھ بآسانی بستی میں داخل نہ ہو سکیں۔ ان دیواروں کی تیاری میں سید صاحبؒ کے ساتھ شاہ اسماعیلؒ نے بنفسِ نفیس حصہ لیا۔" اس وقت مجاہدین کی تعداد مع قندھاریوں کے قریب نو سو آدمیوں کے تھی[1]۔" سکھ لشکر کی تعداد بعض روائتوں میں دس ہزار بتائی گئی ہے بعض میں کم لیکن بہرحال ان کی تعداد مجاہدین کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تھی۔ مقابلہ سے پہلے شاہ اسماعیلؒ نے تحریک کی کہ سارے مجاہدین امیر المومنین کے ہاتھ پر موت کی بیعت کریں۔ یہ تجویز سب نے پسند کی۔ شاہ صاحبؒ نے کھڑے ہو کر آیۂ بیعت رضوان کی تلاوت کی۔ اسکے بعد بڑی وضاحت سے اس آیت کی تفسیر و تشریح بیان کی اور بیعتِ رضواں کے فضائل سے سامعین کو آگاہ کیا۔ شاہ اسماعیل کی تقریر کے بعد سب نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور عہد کیا کہ جب تک ہمارے جسم میں جان ہے، ہم مقابلۂ دشمن سے منہ نہ موڑیں گے۔ اس موقع پر شاہ اسماعیلؒ نے جو تقریر کی تھی اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"اس وقت سب صاحب جو حاضر ہیں حضرت امیر المومنین کے دستِ مبارک پر اس نیت خالصہ

---

[1] سوانح احمدی ص ۱۱۱

سے بیعت کریں کہ انشاءاللہ زندہ جان آج ہم مقابلۂ کفار سے نہ ہٹیں گے یا ان کو مار کر فتح پائیں گے یا اسی میدان میں شہید ہو جائیں گے۔ اس میں جو صاحب بہ مشیت ایزدی شہید ہوں گے شہادت کبریٰ کا درجہ پائیں گے اور جو زندہ بچیں گے وہ اعلیٰ مراتب کے غازی ہوں گے۔"[1]

اس جنگ میں سید صاحبؒ کے بعد جس مجاہد نے سب سے زیادہ بے خوفی و بے جگری کا مظاہرہ کیا وہ شاہ اسماعیلؒ تھے۔ جب جنرل ونٹورا کی فوجیں پنجتار کی ان دیواروں کے قریب آئیں جو دفاعی نقطۂ نظر سے تعمیر کی گئی تھیں تو شاہ اسماعیلؒ نے ہدایت کر دی کہ جب تک میں جھنڈی نہ ہلاؤں اس وقت تک کوئی شخص بندوق سر نہ کرے۔ اس وقت مولانا شہید ان تمام ٹکڑیوں کو لڑا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک سبز جھنڈی تھی۔ ہر جانباز بہادر بے چین تھا کہ اسماعیلؒ جھنڈی کیوں نہیں ہلاتا۔ آخر جب وہ موقع آ گیا کہ مسلمان کے فیر (فائر) کچھ کام کرتے، آپؒ نے جھنڈی ہلائی اور ایک کڑاکے کی آواز میں اللہ اکبر کہا بس یہ کہنا تھا کہ فیر (فائر) شروع ہو گئے اور (دشمن) بڑھتے بڑھتے قریب آ گیا۔ اتفاق سے (اسلامی لشکر کے) نشان بردار کے بازو میں ایک گولی لگی۔ مولانا شہید (شاہ اسماعیلؒ) نے دیکھا کہ نشان جھکنا چاہتا ہے کہ آپ قلب فوج سے لپکے اور فوراً اس کے ہاتھ سے نشان لے کے اس پرے کی کمان کرنے لگے۔"[2] غرض شاہ اسماعیلؒ کی بے خوفی و غیر معمولی شجاعت اور سید صاحبؒ کے عسکری تدبر نے مٹھی بھر مجاہدوں کو فتح عطا فرمائی۔ سکھ لشکر کو ہزیمت ہوئی اور جنرل ونٹورا دوسری بار بھی ناکام ہو کر دریائے سندھ کی طرف پسپا ہو گیا۔ شاہ اسماعیلؒ کے زیر قیادت دستے نے سکھ لشکر کا دور تک تعاقب کیا اور ان کے کچھ آدمی تہہ تیغ کر دیئے۔

واقعۂ تنگی اور شاہ اسماعیلؒ

اگرچہ رئیس ہنڈ خادے خاں کی ریشہ دوانیاں آشکارا ہو چکی تھیں اور اس کے طرز عمل سے اسلامی مفادات کو پے در پے نقصانات پہنچ رہے تھے مگر ان تمام باتوں کے باوجود سید صاحبؒ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے گریز کر رہے تھے۔ آپؒ کی انتہائی کوشش تھی کہ معاملات نرمی اور صلح و آشتی سے روبہ اصلاح ہو جائیں تاکہ کسی مسلمان کی تلوار مسلمان کے خون سے نہ رنگی جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر آپؒ نے اس سے ایک بار پھر رابطہ قائم کیا۔ دونوں میں بمقام "سلیم خاں" ملاقات کا پروگرام طے پایا۔ سید صاحبؒ روانہ روانہ ہونے والے تھے کہ شاہ اسماعیلؒ نے عرض کیا کہ آپ کا جانا مناسب نہیں مجھے اجازت دیجئے۔ بعض اور

---

[1] وقائع احمدی بحوالہ سید احمد شہید ص ۹۶

[2] حیات طیبہ ص ۱۸۳

اہل الرائے اصحاب نے شاہ صاحبؒ کی تائید کی۔ چنانچہ ایک سو غازیوں کی جماعت لیکر شاہ اسماعیلؒ خادے خاں سے ملاقات کرنے کی غرض سے روانہ ہو گئے۔ "سلیم خاں" کے قریب پہنچکر شاہ صاحبؒ نے اپنے آنے کی اطلاع کی۔ اس نے پیغام بھیجا کہ شاہ اسماعیل صاحبؒ تین یا چار آدمیوں کو لے کر آجائیں۔ چونکہ خادے خاں ناقابلِ اعتبار آدمی تھا اور مسلسل دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا اس لئے ساتھیوں نے عرض کیا کہ ایسے دھوکے باز شخص کے علاقے میں تین چار آدمیوں کے ساتھ جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ جائیں گے۔ شاہ صاحبؒ نے کمال مردانگی اور بے خوفی سے فرمایا کہ "مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔" یہ کہہ کر آپ نے ساتھیوں کو اپنے ہمراہ جانے سے روک دیا اور انہی تین چار آدمیوں کو ساتھ لے کر خادے خاں کے پاس چلے گئے۔ شاہ صاحبؒ نے نہایت نرم لہجے میں خادے خاں کو سمجھایا کہ اپنے بھائیوں کو ذلیل کرنے اور ان سے انتقام لینے کی خاطر غیر مسلموں سے ساز باز کرنا اور انہیں ساتھ لاکر مسلمانوں کی بستیوں کو ویران کرانا اور ان کا خون بہانا نہایت برا فعل ہے۔ آپ کو ان حرکتوں سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور معاف فرمانے والا ہے۔ اس نے توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا رکھا ہے۔ آئندہ کیلئے آپ سکھوں کا شریکِ کار بننے سے توبہ کیجئے شریعتِ محمدیہ کے مطابق زندگی گذاریئے بصورتِ دیگر دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی ہوگی۔

شاہ صاحبؒ کی اس معقول تقریر کا خادے خاں نے یہ نامعقول جواب دیا کہ "مولانا صاحب آپ ناراض نہ ہوں۔ سید بادشاہ ملا مولوی ہیں اور ہم لوگ حاکم۔ ہمارا طریق ان سے بالکل مختلف ہے جو شریعت وہ پیش کرتے ہیں ہم پختون لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ آخر وہ کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہیں ان سے جو کچھ ہوسکے وہ شوق سے ہمارے خلاف کریں۔"

خادے خاں کا جواب سن کر شاہ اسماعیلؒ سمجھ گئے کہ اس شخص میں اصلاح کی گنجائش باقی نہیں رہی چنانچہ آپ واپس آ گئے اور صورتِ حال سے سید صاحبؒ کو مطلع کر دیا۔ اسی دوران میں موضع تنگی سے جو پشاور سے مشرق کی سمت ۳۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے سید صاحبؒ کی خدمت میں کچھ لوگ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ جب سے سردارانِ پشاور نے ہمارے علاقے پر تسلط قائم کیا ہے انہوں نے مظالم کی انتہا کر دی ہے۔ ہم ان کے ہاتھوں زندگی سے عاجز آئے ہوئے ہیں، آپ ہماری امداد کریں اور ہمیں اس ظلم سے نجات دلائیں۔ تنگی کے لوگ آپ کی امداد کے منتظر ہیں اگر آپ مجاہدین کی ایک جماعت ہمارے ساتھ بھیجدیں تو یہ علاقہ آپ کے زیر تسلط آجائے گا اور پشاور کی فتح کا راستہ بھی کھل جائے گا۔۔۔ چونکہ سردارانِ پشاور سکھوں سے ساز باز کر چکے تھے اور سید صاحبؒ کے اسلامی مفادات کو ان کی وجہ سے

سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس لئے سید صاحبؒ کی عرصے سے خواہش تھی کہ پشاور پر قبضہ کر کے فتنے کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے۔ چنانچہ آپؒ نے اہل تنگی کی درخواست منظور کر لی اور تین سو مجاہدین کا ایک دستہ تنگی بھیجنے کیلئے تیار کیا۔ اس دستے کی امارت بھی شاہ اسماعیلؒ کے سپرد ہوئی۔ سید صاحب کے مخلص فدائی ارباب بہرام خانؒ بھی شاہ اسماعیل کے ہمراہ تھے۔ نماز عشاء پڑھ کر شاہ صاحب تنگی ۔۔۔ سے روانہ ہوئے۔ رات بھر سفر کرتے رہے۔ صبح کو ایک نالے کے کنارے قیام کیا۔ دن بھر یہیں ٹھہرے رہے۔ جب اندھیرا ہو گیا تو پھر سفر شروع کیا۔ تنگی کے قریب پہنچکر آپ اپنی جماعت کے ہمراہ ٹھہر گئے اور اس بستی کے جو لوگ آپ کے ساتھ تھے ان میں سے چند آدمیوں کو ہدایت فرمائی کہ آبادی میں جا کر صورت حال کا جائزہ لو۔ واپس آکر انہوں نے شاہ صاحبؒ ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین کو ساتھ لیا اور دوبارہ گاؤں میں داخل ہوئے وہاں جا کر پتا چلا کہ تنگی میں دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک مجاہدین کا ساتھ دینے پر آمادہ ہے اور دوسرا سرداران پشاور کا حامی و مددگار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال جنگ کیلئے مناسب نہ تھی۔ چنانچہ آپ بستی کے لوگوں پر اظہار افسوس کرتے ہوئے واپس آگئے۔

جنگِ ہنڈ اور شاہ اسماعیلؒ

یہ وہ تاریخی جنگ ہے جس میں شاہ اسماعیلؒ کے سپاہیانہ جوہر پوری تابانی سے چمکے اور ان کی عسکری بصیرت اور ذاتی شجاعت کا حیرت انگیز مظاہرہ ہوا۔ قارئین بار بار پڑھ چکے ہیں کہ ہنڈ کے سردار خادے خاں کی منافقانہ کارروائیوں سے صوبہ سرحد کے مسلمانوں پر کتنی مصیبتیں نازل ہوئیں اور سید صاحبؒ کے پاکیزہ مقاصد کیلئے کتنی مشکلات پیدا ہوئیں۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ صوبۂ سرحد کے ممتاز علماء نے ایسے منافق اور باغی کے متعلق واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور خوانین نے اس سے پورا اتفاق کیا۔ شاہ اسماعیلؒ نے ذاتی طور پر اسکے پاس جا کر ہر چند اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آیا اور شاہ صاحبؒ کو جواب صاف دیکر واپس بھیجدیا۔ چنانچہ اب اسکی سزادہی کا وقت آپہنچا تھا۔ سید صاحبؒ نے پانچسو مضبوط و توانا غازیوں کو منتخب کر کے ایک جماعت ترتیب دی۔ شاہ اسماعیل کو اس کا کمانڈر اور ارباب بہرام خانؒ کو ڈپٹی کمانڈر مقرر کیا۔ شاہ صاحب موضع بازار اور گڑھی امان زئی کے راستے ترکئی پہنچے۔ یہاں آپؒ نے مجاہدین کو خورد و نوش کی اشیاء دیکر ہدایت فرمائی کہ جتنی جلد ہو سکے دو وقت کا کھانا تیار کر لو۔ مغرب کی نماز ادا کر کے ترکئی سے پنجتار کے سے چکر کاٹ کر ہنڈ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ کسی کو ہنڈ پر حملہ آور ہونے کا شبہ نہ ہو۔ خادے خاں کا چچازاد بھائی محمد بیگ خاں جس کے کسی عزیز کو خادے خاں نے قتل کرا دیا تھا

شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ تھا۔ اور وہی رہبری کا فرض ادا کر رہا تھا۔ چونکہ رات کا وقت تھا، اس لئے ایک مقام پر جاکر وہ بھی راستہ بھول گیا۔ شاہ صاحبؒ کی جماعت کے بہت سے لوگ ان سے بچھڑ گئے آخر بڑی مشکلات برداشت کر کے صبحِ صادق کے قریب شاہ اسماعیلؒ ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ ہنڈ پہنچے۔ وقت بہت کم تھا اور شاہ صاحبؒ کے ساتھ آدمی بہت تھوڑے سامنے۔ سامنے ہنڈ کا مضبوط قلعہ تھا جس پر خادے خاں کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے نہایت حاضر دماغی سے کام لے کر اپنی مختصر سی جمعیت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ چار حصوں کا امیر شیخ ولی محمد پھلتی کو بنایا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ آپ ان آدمیوں کو قلعے کے دروازے کے دونوں جانب کھیتوں میں چھپا دیجیے۔ جونہی دروازہ کھلے فوراً قلعہ میں داخل ہو جائیں اور بندوقیں سر کر دیں۔ بندوقوں کی آواز سنتے ہی میں بھی اپنے دستے کے ساتھ آجاؤں گا۔ چنانچہ شیخ ولی محمد پھلتی نے اسی منصوبے کے مطابق مجاہدین کو گنے کے کھیتوں میں دور تک پھیلا دیا۔ خود ایک دستہ لے کر دروازے کے قریب ایک کھیت میں چھپ گئے۔ جونہی پہرے دار نے دروازہ کھولا شیخ ولی محمد پھلتی بجلی کی سی تیزی سے دروازے میں داخل ہو گئے اور بندوقیں سر کر دیں۔ بندوقوں کی آوازیں سنتے ہی شاہ اسماعیلؒ بھی اپنے دستے کے ساتھ قلعے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ خادے خاں کے سپاہیوں نے مزاحمت کی مگر مجاہدین کی گولیوں کا نشانہ بنے اور شاہ اسماعیلؒ نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ آپؒ نے اعلان کرا دیا کہ ہم کسی شخص سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ ہماری جنگ صرف خادے خاں سے ہے۔ اس لئے لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہنڈ کے لوگ سہم گئے۔ اس دوران مجاہدین کے اور دستے بھی جو راستہ بھول گئے تھے پہنچ گئے۔ خادے خاں اپنی خواب گاہ میں محوِ خواب تھا جب اس نے بندوقیں چلنے کی آواز سنی تو باہر نکلا اور حکم دیا کہ نقارہ بجا کر لوگوں کو تیار رہنے کی ہدایت کی جائے۔ نقارہ بجا مگر جنگ کیلئے کوئی تیار نہ ہوا۔ اسی گھبراہٹ میں جب وہ اپنی خواب گاہ کی چھت پر بھاگا بھاگا پھر رہا تھا کہ مجاہدین کی گولیوں کا نشانہ بنا۔[1] قلعہ پر قبضہ کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے ہنڈ کے لوگوں کو ہدایت کر دی کہ کوئی شخص ہتھیار بند ہو کر نہ نکلے۔ مجاہدین کو ہدایت فرمائی کہ کسی شخص کا مال و اسباب نہ لوٹا جائے اور نہ کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے۔ خادے خاں کی مستورات کو تسلی دینے کی غرض سے ہنڈ ہی کے ایک معتبر شخص کو انکے پاس بھیجا۔ وہ اپنے زیورات اور قیمتی اشیاء لیکر ایک مولوی کے گھر میں پناہ گزین ہو گئیں۔ شاہ صاحبؒ نے ان سے یا انکی

---

[1] منظورۃ السعدا ص ۵۱۲ تا ص ۵۱۶

اشیاء سے کوئی تعرض نہ کیا۔ خادے خاں کی نعش اسکے عزیزوں کے مطالبے پر انکے حوالے کردی اس طرح شاہ اسماعیلؒ کی بے خوفی، فن جنگ میں غیر معمولی مہارت اور انتظامی قابلیت سے یہ مہم بخیر و خوبی سر ہوگئی اور ایسے مواقع پر فاتحین کی طرف سے جو بے اعتدالیاں ہوتی ہیں ان میں سے کسی بے اعتدالی کا مظاہرہ نہ ہوا۔

ہنڈ پر قبضہ کرنیکے بعد شاہ اسماعیلؒ نے قلعہ کو اپنی قیام گاہ بنایا اور اس کی حفاظت کے نہایت مستحکم انتظامات کئے۔ خادے خاں کی شکست اور قتل کے بعد اسکے بھائی امیر خاں اور ایک قرابت دار غلام خاں نے نیا فتنہ برپا کر دیا اور اپنے مقتول بھائی کے خون کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کردیں۔ قرب وجوار کے خوانین کے پاس جاکر سید صاحبؒ کے ظلم و ستم کی فرضی داستانیں بیان کیں اور انہیں اپنی امداد پر آمادہ کیا۔ مقصد سوائے اسکے اور کچھ نہ تھا کہ کسی طرح مقتول بھائی کی ریاست کی سربراہی مل جائے۔

دوسری طرف سید صاحبؒ سے بھی نامہ و پیام جاری رکھا اور قسمیں کھا کر انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ سید صاحبؒ کو اس کی منافقت کا علم ہوچکا تھا۔ اسلئے آپ نے اسے ریاست دینے سے انکار کردیا۔ آخر مایوس ہوکر وہ پشاور کے سردار یار محمد خاں کے پاس گیا اور بارہ ہزار روپے کے عوض اسے اپنی امداد پر آمادہ کر لیا۔ اس نے اپنے ایک جرنیل حاجی خاں کاکڑ کو لشکر دے کر امیر خاں کی امداد کیلئے روانہ کردیا۔ اس لشکر نے ہنڈ پہنچکر مجاہدین سے نبرد آزمائی کا آغاز کردیا اور چھ سات سو سواروں کے ساتھ قلعہ ہنڈ کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ شاہ اسماعیلؒ نے جو پوری طرح چوکس اور ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھے، صرف تین چار سو مجاہدین کے ذریعہ امیر خاں اور حاجی خاں کاکڑ دونوں کے متحدہ لشکر کو شکست دی اور قلعہ پر بدستور اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ دوسری بار انہوں نے تقریباً تین ہزار کے لشکر سے حملہ کیا مگر شاہ اسماعیلؒ نے قلعہ کے شمالی اور جنوبی سمت کی کمیں گاہوں میں مجاہدین کے دو دستے بٹھا دیئے اور خود قلعہ میں موقع کے منتظر رہے۔ کمین گاہوں میں متعین مجاہدین کو ہدایت کردی کہ جب دشمن تمہاری زد میں آجائے اس وقت حملہ کرنا۔ دور سے حملہ نہ کر بیٹھنا۔ جونہی یہ لشکر قلعہ کے قریب آیا سامنے سے شاہ اسماعیلؒ نے نعرۂ تکبیر بلند کرکے حملہ کیا۔ شمالی اور جنوبی کمین گاہوں سے مجاہدین بلائے ناگہاں کی طرح نکل پڑے۔ اس اچانک اور شدید حملے سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان سے فرار ہوگیا۔ اس کے بعد ایک روز امیر خاں اور حاجی خاں کاکڑ نے پھر حملہ کیا۔ اس بار شاہ اسماعیلؒ نے صرف تین سو مجاہدین کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ ان مجاہدین نے اس ٹڈی دل لشکر پر اس مستعدی اور جرأت سے حملے کئے کہ امیر خاں کے درانی حمایتی بھی مجاہدین کی جنگجوئی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے۔ [1]

---

[1] منظورۃ السعدا ص۱۲۰

جنگِ زیدہ اور شاہ اسماعیلؒ

ہنڈ سے درانیوں کے جاتے ہی مجاہدین نے پھر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مولوی مظہر علی عظیم آبادی ان کے امیر تھے اور بڑی مستعدی سے قلعہ کی حفاظت کر رہے تھے کہ اس اثنا میں سردار یار محمد خاں پشاور سے لشکرِ عظیم اور توپ خانہ لیکر آ پہنچا تاکہ قلعہ ہنڈ پر قبضہ کر کے مجاہدین کو شکستِ فاش دے اور اسی میدان میں سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ کا خاتمہ کر دے۔ سردار یار محمد خاں زیدہ سے دو تین میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ چونکہ دشمن کی تعداد اور طاقت مجاہدین سے بہت زیادہ ہے اس لئے شبخون مارا جائے۔ شاہ اسماعیلؒ کو شبخون مارنے والے دستے کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ چنانچہ چھ یا سات سو مجاہدین کی جماعت لیکر آپؒ زیدہ سے روانہ ہو گئے۔ اس وقت رات کا ایک بجا تھا۔ راستے میں آپؒ نے مجاہدین کو جنگ کا نقشہ اچھی طرح سمجھا دیا۔ اور ضروری ہدایات دیدیں۔ آپؒ کے لشکر میں ایک جماعت ہندوستانی، بنگالی، پنجابی اور سندھی مجاہدین کی اور دوسری مقامی افغانوں کی تھی۔ ہتھیاروں میں تلواریں، بندوقیں اور شاہینیں تھیں، توپیں نہ تھیں۔ اور نہ یہ توپیں ساتھ لانے کا موقع تھا۔ لشکر کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے ہندوستانی، بنگالی، پنجابی اور سندھی مجاہدین یا قندھاریوں کے کچھ آدمی ان کے پیچھے مقامی افغان۔ دشمن کے قریب پہنچکر کچھ سوار نمودار ہوئے۔ انہوں نے مجاہدین کو آتا دیکھ کر للکارا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ کے آدمی ہیں تو تیزی سے اپنے لشکر گاہ کی طرف بڑھنے لگے۔ شاہ صاحبؒ نے مجاہدین کو بھی تیزی سے پیش قدمی کرنے کا حکم دیا اور جب دیکھا کہ دشمن کے سوار ایک گولی کی زد میں رہ گئے ہیں تو نعرہ تکبیر بلند کر کے بندوقوں کی باڑھ ماری۔ پہلی ہی باڑھ میں بہت سے سوار ہلاک ہو گئے، باقی لشکر گاہ میں جا گھسے۔ گولیوں کی آواز سنتے ہی درانیوں کے توپچیوں نے توپوں کے منہ کھول دیئے۔ شاہ اسماعیلؒ نے اپنے مختصر سے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کو دائیں طرف سے بڑھنے کا حکم دیا، دوسرے کو بائیں طرف سے اور خود تیسری جماعت کی قیادت کرتے ہوئے سامنے سے بڑھے۔ یہ پیش قدمی اس سرعت سے ہوئی کہ چشم زدن میں مجاہدین توپچیوں کے سر پر جا پہنچے اور پانچ توپیں شاہ اسماعیلؒ کے قبضے میں آ گئیں۔ ایک توپ سے مجاہدین نے یار محمد خاں کے لشکر پر گولے پھینکنے شروع کئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ساری لشکر گاہ خالی ہو گئی ایک گولی یار محمد خاں کے بھی لگی زخم کاری آیا اور وہ بھاگتے ہوئے زیدہ اور پشاور کے درمیان فوت ہو گیا۔ مجاہدین نے گھوم پھر کر لشکر گاہ کو دیکھا وہاں کسی مرد کا نام و نشان نہ تھا البتہ یار محمد خاں کے خیمے میں چند عورتیں نکلیں جنہیں

اس کے آدمی کسی ملحقہ گاؤں سے بدکاری کے لئے پکڑ لائے تھے۔ شاہ اسماعیلؒ نے ان عورتوں کو اسی وقت ان کے گھروں کو بھجوا دیا۔ ایک جگہ پلاؤ کی بہت سی دیگیں تیار تھیں۔ مجاہدین نے شاہ اسماعیلؒ کی اجازت سے شکم سیر ہو کر پلاؤ کھایا۔ اس جنگ میں متعدد توپیں، شاہینیں، بندوقیں، گھوڑے، اونٹ ہاتھی اور خیمے مجاہدین کے ہاتھ لگے۔ مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا جو شرعی اصول کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ جنگِ زیدہ میں شاہ اسماعیلؒ کے ساتھیوں میں سے چار آدمی شہید اور سات زخمی ہوئے۔

جنگِ امب اور شاہ اسماعیلؒ

ریاست امب کو اس کے محلِ وقوع اور حکمراں کی شخصیت دونوں لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی یہ مقام کشمیر کے راستے پر واقع تھا۔ امب کا حکمراں نواب پائندہ خاں نہایت دلیر، باہمت اور مدبر شخص تھا۔ سکھوں سے مسلسل نبرد آزمائی کر رہا تھا۔ سید صاحبؒ سے وفاداری و عقیدت کا بھی اظہار کر چکا تھا۔ اس لئے اس سے قبل بھی آپؒ نے نواب پائندہ خاں سے امداد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس مقصد کیلئے شاہ اسماعیلؒ کو امب بھیجا تھا مگر پائندہ خاں نے سید صاحبؒ کے ساتھ تعاون کرنے کے سلسلے میں کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہ کیا اور شاہ اسماعیلؒ کو مایوس لوٹنا پڑا۔ جنگِ زیدہ کے بعد سید صاحبؒ نے علاقۂ پکھلی کے مسلمان سرداروں کی امداد کا فیصلہ کیا جو سکھوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور آپ سے مسلسل امداد طلب کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ کشمیر کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے تھے جہاں مسلمان سکھ حکومت کے ہاتھوں ناقابلِ برداشت مصائب و آلام میں مبتلا تھے۔ چنانچہ آپؒ نے اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ زیدہ سے کھبل اور کھبل سے ستھانہ تشریف لے گئے۔

ستھانہ ہی میں پائندہ خاں کو ملاقات کے پیغام بھیجا۔ پائندہ خاں نے امب کے مقام عشرہ میں سید صاحبؒ کو ملاقات کی دعوت دی۔ آپؒ نے شاہ اسماعیلؒ اور گیارہ دوسرے افراد کو اپنے ہمراہ لیا اور عشرہ روانہ ہو گئے۔ چونکہ نواب پائندہ خاں کا دل سید صاحبؒ کی طرف سے صاف نہ تھا اور وہ آپؒ کو اپنی شکی طبیعت کی وجہ سے شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اسلئے شاہ اسماعیلؒ نے ازراہِ احتیاط چوبیس مسلح مجاہدین کا ایک دستہ مقامِ ملاقات سے تھوڑے فاصلے پر اوٹ میں بٹھا دیا تھا تاکہ اگر کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہو تو یہ دستہ سید صاحبؒ کی امداد و حفاظت کیلئے پہنچ جائے۔ ادھر پائندہ خاں نے بھی پانچ سو پیادوں کا لشکر پہاڑ کے دامن میں بٹھا رکھا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دونوں طرف کس قدر

۱؎ سوانح احمدی صفحہ ۱۱۴

بے اعتمادی بھی اور بلا شبہ یہ بے اعتمادی پائندہ خاں میں کمئی اخلاص کی بنا پر پیدا ہوئی تھی جب سید صاحبؒ مقام ملاقات کے قریب پہنچے تو پائندہ خاں کے سردار سید صاحبؒ کے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ آدمی زیادہ ہیں کم ہوتے ہوتے یہ تعداد جو ابتدا میں بارہ تھی دو افراد پر مشتمل باقی رہ گئی یعنی شاہ اسماعیلؒ اور خواجہ محمد، انہی دو اصحاب کی معیت میں سید صاحبؒ اور نواب پائندہ خاں کی ملاقات ہوئی، ملاقات نہایت مختصر رہی حتیٰ کہ پائندہ خاں نے سید صاحبؒ کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی بھی دعوت نہ دی بلکہ عرض کیا کہ میں آپ کی دعوت کا تمام سامان آپ کی قیام گاہ پر (ستھانہ) پہنچا دوں گا۔ سید صاحبؒ اس کیلئے ایک پگڑی لے گئے تھے جو اپنے دستِ مبارک سے اسکے سر پر باندھنا چاہتے تھے۔ اس نے جلدی سے پگڑی اٹھالی اور کہا کہ میں گھر جا کر خود باندھ لوں گا۔۔۔ مقصد یہ تھا کہ سید صاحبؒ جلد سے جلد اسکے علاقے سے چلے جائیں۔ اس ملاقات میں آپؒ نے نواب پائندہ خاں کو اپنا ہم نوا اور مقصدِ جہاد میں شریک و معاون بنانے کی پوری سعی فرمائی اور اپنی طرف سے شکوک و شبہات کے ازالے کی حتی الامکان سعی کی مگر اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ ستھانہ واپس تشریف لے آئے اس کے بعد کھبل تشریف لے گئے میاں چند روز قیام کے بعد آپ نے خوانین بھلی کی امداد کیلئے ایک لشکر روانہ کیا، شاہ اسماعیلؒ اس لشکر کے کمانڈر مقرر ہوئے، مولوی خیرالدین شیر کوٹی کو ڈپٹی کمانڈر مقرر کیا گیا۔ شاہ اسماعیلؒ نے ستھانہ پہنچکر نواب پائندہ خاں کو اطلاع بھیجی کہ ہم خوانین بھلی کی امداد کیلئے (جو سکھوں کے مظالم کا نشانہ بنے ہوئے تھے) دریا عبور کر کے جانا چاہتے ہیں۔ آپ کشتیوں کا انتظام کر دیں، پائندہ خاں نے نہ صرف صاف جواب دے دیا بلکہ یہ بھی پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے علاقے سے نہ گزریں۔ شاہ صاحبؒ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تلواروں کو مسلمانوں کے خون سے رنگنا نہ چاہتے تھے، اسلئے آپؒ نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ آپ سید صاحبؒ کے عقیدت مند ہیں اور خود کو ان کا فرماں بردار ظاہر کرتے ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ ان کے مجاہدوں کو اپنے علاقے سے دریا پار کرنے کی اجازت نہیں دیتے جو سکھوں سے جنگ کرنے جا رہے ہیں۔ اگر آپ اپنے علاقے کے گھاٹ سے ہمیں دریا عبور کرنے کی اجازت نہیں دیتے تو ہم کسی اور گھاٹ سے دریا عبور کر لیں گے مگر اس صورت میں ہمیں بھیٹ گلی سے گذرنا پڑیگا چونکہ یہ مقام آپ کی حدودِ ریاست میں ہے اس لئے آپ ہمیں اس راستے سے گذرنے کی اجازت دیدیجئے۔ اس کا جواب پائندہ خاں نے یہ دیا کہ آپ کسی ایسے راستے سے نہ گذریں جو میری ریاست کے حدود میں واقع ہے ورنہ میری اور آپ کی جنگ ہوگی، شاہ صاحبؒ نے یہ سارے حالات سید صاحبؒ کی خدمت میں لکھ بھیجے اور آئندہ لائحہ عمل کے لئے ہدایات طلب کیں۔ جواب

میں شاہ اسماعیلؒ کی طلبی کا پیغام آیا۔ شاہ صاحب ستھانہ ہوتے ہوئے پنجتار پہنچے جہاں ان دنوں سید صاحبؒ مقیم تھے۔ آخر صلاح مشورے کے بعد فیصلہ ہوا سید صاحبؒ ایک خط نواب پائندہ خاں کو لکھیں بس میں اسے احسن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کریں۔ اگر پائندہ خاں پھر بھی آمادہ جنگ ہی رہے تو اسے راستے سے ہٹانے کیلئے نبرد آزمائی کی جائے تاکہ خوانینِ پھلی اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی امداد میں جو رکاوٹ پیش آگئی ہے وہ دور ہو۔ اسکے بعد سید صاحبؒ بھی شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ لشکر لیکر امب کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مجاہدین کا ایک دستہ مقدمۃ الجیش کے طور پر ستھانہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ نواب پائندہ خاں سید صاحبؒ سے جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے چنئی کے مقام پر پہنچکر سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ کو لشکر کا کمانڈر مقرر کیا اور امب روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی ہدایت کر دی کہ جنگ کا آغاز آپ کی طرف سے نہ ہو۔ نواب پائندہ خاں کا بھائی مددخاں بھی شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ تھا جسے پائندہ خاں نے سارے حقوق سے محروم کر دیا تھا۔ شاہ اسماعیلؒ چنئی سے روانہ ہو کر گبائی اور بارا ہوتے ہوئے ڈگیرہ پہنچے وہاں ڈیڑھ سو غازیوں کو متعین کر کے فردسہ روانہ ہوئے اور وہیں قیام کر کے جنگی کارروائیوں کا آغاز کیا۔ آپؒ نے سب سے پہلے مجاہدین کا ایک دستہ کوہ کنیر ڑی پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ کیا اور ارباب بہرام خاں کو اس دستے کا امیر مقرر فرمایا۔ اس دستے نے پہلی ہی یورش میں کوہ کنیر ڑی پر قبضہ کر لیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر نواب پائندہ خاں سمجھ گیا کہ شاہ اسماعیلؒ سے میدان لینا آسان نہیں۔ چنانچہ اس نے حکمتِ عملی سے کام لیا اور شاہ صاحبؒ کی خدمت میں صلح کی درخواست پیش کر دی۔ اس درخواست میں اپنے گذشتہ طرزِ عمل پر اظہارِ ندامت کیا اور آئندہ کیلئے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ شاہ صاحبؒ کو دعوت دی کہ آپ چھ سات سو مجاہدوں کے ساتھ باندڑہ آجائیں۔ وہیں معاملات صلح طے ہو جائیں گے۔ مولانا جعفر تھانیسری بیان کرتے ہیں کہ:

"مولانا ممدوح (شاہ اسمائیلؒ) اس عرضی کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہمارا مطلب پائندہ خاں سے صرف یہی تھا کہ ہم کو اس سے جنگ کرنا ہرگز منظور نہیں ہے اور اسی وقت مولانا سید احمد علی صاحب کو بھی جو عشرہ والے دستے کے سوار تھے تاکید لکھ دیا کہ آپ بلا حکم ثانی پایندہ خاں پر حملہ نہ کریں[1]۔"

شاہ اسماعیلؒ چند مجاہدوں کو ساتھ لے کر باندڑہ جانے کو تیار تھے کہ بعض مجاہدین مثلاً شیخ ولی محمد پھلتی اور قاضی محمد حبان نے عرض کیا کہ ہم لوگ چند غازیوں کے ساتھ آپ کو باندڑہ نہیں جانے دیں گے، جائیں گے تو

---

[1] سوانح احمدی ص ۱۱۷

سب جائیں گے ورنہ آپ بھی نہیں جائیں گے۔ ان لوگوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ پائندہ خاں دھوکہ دے کر آپ کو گرفتار کرنا چاہتا ہے، آپ اس کا انتظار کریں، اگر وہ باندہ آجائے پھر تو آپ تشریف لے جائیں ۔ ورنہ یہیں رہیں۔ ان لوگوں کا خدشہ بالکل درست ثابت ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ نواب پائندہ خاں نے باندہ کے قریب اپنے علاقے کے ایک سردار رحمت خاں کو فوج کا ایک دستہ دے کر چھپا دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ جوں ہی شاہ اسماعیلؒ پر قابو پاؤ انہیں گرفتار کر لو۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے عقیدت مند غازیوں کا مشورہ قبول کر لیا اور باندہ جانے کا ارادہ ملتوی فرما دیا۔ ادھر نواب پائندہ خاں نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصۂ لشکر کو فروسہ، ستھانہ اور کینر ڑی کی طرف بڑھایا تاکہ فروسہ اور ستھانہ میں جو مجاہد متعین ہیں ان کے درمیان رابطہ منقطع ہو جائے اور کینر ڑی ہر طرف سے کٹ جائے۔ اس کے بعد اس نے کینر ڑی کی طرف جانے والے دستے کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بڑی سخت جنگ ہوئی اور پہلے ہی حملے میں چھ غازی شہید ہو گئے۔ جن میں سے چار سید ظہور اللہ بنگالی، فیض اللہ بنگالی، حاجی عبداللہ رام پوری اور سید مدد علی[1] تھے۔ دو کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ ایک اور مجاہد امام خاں خیرآبادی بعد کی ایک یورش میں شہید ہو گئے۔ جنگ کا پانسہ نواب پائندہ خاں کے حق میں تھا کہ پچاس پنجابی مجاہدوں کا ایک دستہ اور قندھاری مجاہدوں کی جماعت آ پہنچی۔ انہیں دیکھتے ہی پائندہ خاں کی فوج کے پیر اکھڑ گئے اور انہوں نے نہ صرف فروسہ کی طرف جانے والے راستے کی ناکہ بندی ختم کر دی بلکہ ان دستوں نے بھی راہ فرار اختیار کی جو کوہ کینر ڑی پر حملہ کر رہے تھے۔

ادھر کوہ کینر ڑی پر دشمن کو شکست ہوئی اور ادھر نواب پائندہ خاں نے عشرہ میں مجاہدوں کے ایک دستے کے ہاتھوں شکست کھائی اور کوٹلہ پہنچا۔ یہاں کی حفاظت کے لئے اس کا جو دستہ متعین تھا وہ پوری مستعدی سے اپنے علاقے کی حفاظت کر رہا تھا۔ پائندہ خاں کو دیکھ کر اس کے حوصلے اور بلند ہو گئے اب مجاہدین نے سارا زور کوٹلہ پر لگا دیا۔ شیخ ولی محمد پھلتی پہاڑ کے اوپر سے گذرتے ہوئے امب تک پہنچ گئے۔ اس دستے کے پہنچنے پر "پائندہ خاں براہ گھاٹ چنر بائی دریائے اباسین (سندھ) عبور کر کے فرار ہو گیا۔[2]"

شیخ ولی محمد پھلتی نے امب پہنچ کر شاہ اسماعیلؒ کے پاس قاصد کے ہاتھ فتح کا مژدہ بھیجا۔ آپؒ دوسرے روز علی الصبح مجاہدین کا ایک دستہ لیکر امب پہنچ گئے۔ ابھی تک قلعہ پر مجاہدین کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ شاہ اسماعیلؒ کے امب پہنچنے کے بعد قلعہ میں محصور سپاہیوں نے صلح کا جھنڈا بلند کیا۔ شاہ صاحبؒ نے شیخ ولی محمد پھلتی

[1] سید احمد شہید ص ۱۶۵ [2] سوانح احمدی ص ۱۱۷

اور شیخ بلند بخت کو ہدایت کی قلعہ کے قریب جا کر معلوم کریں کہ یہ لوگ کن شرائط پر قلعہ خالی کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ صرف اپنا سامان اور ہتھیار لیکر یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صرف اپنا ذاتی سامان لے جا سکتے ہیں، ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ چنانچہ آپؒ خود قلعہ میں تشریف لے گئے اور اپنی نگرانی میں پائندہ خاں کے فوجیوں کو جن کی تعداد دو سو کے قریب تھی کشتیوں میں سوار کرا کے دریائے سندھ کے دوسری جانب بھیجدیا۔

پائندہ خاں اور اس کے سپاہیوں پر شاہ اسماعیلؒ اور آپ کے مجاہدین کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ انہوں نے چنرباٹی کا مضبوط قلعہ بھی بغیر مقابلہ کئے خالی کر دیا۔ مگر جب مجاہدین کے پہنچنے میں دیر ہوئی تو پائندہ خاں کے سپاہی دوبارہ اس پر قابض ہو گئے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر شاہ اسماعیلؒ نے مجاہدین کا ایک دستہ رسالدار عبدالحمید خاں کی سرکردگی میں چنرباٹی کی طرف بھیجا اور خود نیچے والے راستے سے ایک دستہ لیکر روانہ ہو گئے اور قلعہ کے دروازے کے سامنے اپنا مورچہ قائم کر لیا۔ دو طرف باقی غازیوں نے مورچے بنائے۔ اس طرح تین طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا مگر قلعہ پھر بھی فتح نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر شاہ اسماعیلؒ نے توپ منگوا کر گولہ باری کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں سید صاحبؒ بھی امب تشریف لے آئے اور آپؒ کے حکم سے کچھ اور توپیں منگوائی گئی ہیں۔ دمدمے بھی تیار ہو گئے ہیں۔ مجاہدین کو ازسرِ نو منظم کیا جا رہا ہے۔ سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ دونوں بہ نفسِ نفیس جنگی امور کی نگرانی کر رہے ہیں تو پائندہ خاں کو یقین ہو گیا کہ اب مقابلہ بے سود ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے دو نمائندوں کو سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں بھیجا اور صلح کا طالب ہوا۔ اپنے فرزند کو بطورِ یرغمال سید صاحبؒ کے سپرد کر دینے کا اقرار کیا اور دو تین دن کے بعد اسے مجاہدین کے لشکر میں روانہ بھی کر دیا۔ اس نے اقرار کیا کہ میں خطاکار ہوں مجھے معاف کیا جائے، آئندہ حضرت امیرالمومنین کی پوری طرح اطاعت اور وفاداری کروں گا۔ کافروں سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ اپنے بھائی مدد خاں کو جن حقوق سے محروم کیا ہے وہ بحال کر دوں گا۔ خان اگرور کے علاقے سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ ایک سو ساٹھ سوار مع اپنے فرزند کے علاقہ سمہ میں سید صاحبؒ کی امداد کیلئے روانہ کروں گا۔ دو ہزار پیادے کشمیر کی تسخیر کیلئے بغرض امداد بھیجوں گا۔ اگر آئندہ ان شرائط میں سے کسی ایک شرط کی بھی خلاف ورزی کروں تو میرا مال اور میری جان مسلمانوں کیلئے حلال ہو گی۔ ان شرائط کے مطابق امب اور اس کے مضافات کے وہ علاقے جو شاہ اسماعیلؒ نے فتح کئے تھے، مجاہدین کے پاس رہے۔ مشرقی امب پر پائندہ خاں کی حکومت تسلیم کر لی گئی مگر وہ بھی سید صاحبؒ کے نائب کی حیثیت سے۔[1]

---

[1] سید احمد شہیدؒ صد ۱۷۳

اب امب سید صاحبؒ کا مرکز قرار پایا۔ دفاتر یہیں منتقل ہو گئے۔ شرعی نظام جاری کر دیا گیا۔ زکوٰۃ اور عشر بیت المال میں داخل ہونے لگے۔ بے نمازوں کیلئے دُرّوں کی سزا مقرر ہو گئی۔ شاہ اسماعیلؒ نے امب کے دورانِ قیام میں سید صاحبؒ کے وزیر کی حیثیت سے انتظامی امور سرانجام دیئے۔ ایک دو بار سکھوں نے امب پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ان مواقع پر شاہ اسماعیلؒ نے نہ صرف جرنیل اور وزیر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں بلکہ بار برداری کا کام کرنے سے بھی اجتناب نہ کیا اور ایک چھوٹی توپ چند مجاہدین کے ساتھ باری باری اٹھا کر امب سے چترباٹی تک لے گئے۔ درس و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ علاقے میں گھوم پھر کر لوگوں کی اخلاقی حالت کا بھی مشاہدہ کرتے رہے۔ غرض سید صاحبؒ کے احکام اور شاہ اسماعیلؒ کی ذاتی جدوجہد سے امب اسلامی معاشرے کا ایک مثالی نمونہ بن گیا۔

باغیوں اور سکھوں کیخلاف شاہ اسماعیلؒ کی سرگرمیاں

سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ کو پے در پے جنگوں میں الجھا ہوا دیکھ کر ہنڈ اور زیدہ کے قرب و جوار میں بعض شرپسند سرداروں نے خود رائی شروع کر دی۔ بیت المال میں عشر جمع کرنے میں بھی پس و پیش کرنے لگے اندیشہ تھا کہ اگر یہ صورت حال جاری رہی تو باقی سردار بھی سرکشی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ سید صاحبؒ کی اجازت سے قاضی سید محمد حبانؒ ان علاقوں کا انتظام درست کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ شاہ اسماعیلؒ کو ان کی امداد کے لئے بھیجا گیا۔ ان علاقوں میں اصل فساد ملاؤں نے شروع کیا تھا۔ سید صاحبؒ کے تشریف لانے سے قبل افغان سردار عشر ملاؤں کو دیا کرتے تھے۔ سید صاحبؒ نے شرع کے مطابق عشر بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا اس طرح ملاؤں کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ختم ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ افغان عوام کی جہالت کی وجہ سے ان لوگوں پر ملاؤں کو جو سیادت اور برتری حاصل تھی وہ بھی ختم ہو گئی کیونکہ سید صاحبؒ اور شاہ اسماعیلؒ اسلام کی حقیقی اور سیدھی سادی تعلیم پیش کرتے تھے جس میں کیا ایک عام مسلمان کیا سردار اور کیا عالم سب یکساں ہیں۔ اس طرح سرداروں کے ساتھ ملاؤں کا اقتدار بھی ختم ہو گیا اور ملاؤں نے سرداروں کو گمراہ کر کے سید صاحبؒ سے بدظن کر دیا۔ چنانچہ شاہ اسماعیلؒ نے سب سے پہلے فتنے کے اصل سوراخ کو بند کرنے کی کوشش کی اور جگہ بہ جگہ جا کر قرب و جوار کے ملاؤں کو بلایا اور ان سے عشر کے مسلے پر تبادلہ خیال کیا۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ثابت کیا کہ عشر بیت المال کا حق ہے۔ شاہ اسماعیلؒ اور قاضی محمد حبانؒ جیسے جید علماء کے سامنے ان ملاؤں کی پیش تو نہ جا سکی اور انہوں نے بظاہر ان دونوں حضرات سے اتفاق کر لیا۔ مگر ہزارہ گزیٹر کے بقول :-

"علماء کو سوائے خاموشی کے اور کوئی چارہ نہ ہوا۔ گو زبان تو خاموش رہی مگر دل سینوں میں بول گیا اور منتظر وقت ہو بیٹھے اور اندر اندر پشاور و سوابق (سوات) اور دور دور تک اس ناراضامندی کی شہرت ہو گئی۔"[1]

ان لوگوں نے اپنے علاقوں میں جاکر فساد پھیلانا شروع کر دیا۔ چنانچہ جلد ہی اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اسی نواح میں سید صاحبؒ کے ایک افغان مرید ملا صاحبؒ کوٹھا تھے، انہوں نے قاضی سید محمد حبانؒ اور شاہ اسماعیلؒ کو اطلاع دی کہ موضع "کھلابٹ" کے لوگ آپ کے خلاف صف آرا ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ آخر قاضی محمد حبانؒ اور شاہ اسماعیلؒ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اس وقت مجاہدین کا لشکر ساڑھے نو سو افراد پر مشتمل تھا۔ نصف کے قریب سوار تھے اور باقی پیادے۔ اگرچہ کھلابٹ میں پانچ ہزار افغان جمع ہوئے تھے مگر جب مقابلہ ہوا تو میدان قاضی حبانؒ اور شاہ اسماعیلؒ کے ہاتھ رہا۔ اسی طرح مرغز، ٹھنڈ کوئی، کدا اور پنج پیر کے افغان بھی باغی ہو گئے تھے۔ ان علاقوں پر بھی پیش قدمی ضروری تھی مگر جب قاضی حبانؒ اور شاہ اسماعیلؒ لشکر لے کر ان علاقوں کی طرف بڑھے تو یہاں کے سرداروں نے جنگ کئے بغیر اطاعت قبول کر لی اور ان سب علاقوں میں از سر نو شرعی نظام نافذ ہو گیا۔

ہنڈ پر پھر سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا اور قرب و جوار کے افغان بھی ان کے ہاتھوں سخت مصائب و آلام کا شکار تھے۔ قاضی حبانؒ اور شاہ اسماعیلؒ ہنڈ کے قریب پہنچ چکے تھے چنانچہ تجویز ہوئی کہ اس قبضے کو بھی ختم کر دینا چاہیئے۔ قاضی صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کے مشورے سے رسالدار عبدالحمید خاں کو ایک جمعیت دے کر ہنڈ بھیجا گیا اور طے یہ ہوا کہ صبح کو شاہ اسماعیلؒ بھی قاضی صاحبؒ کے ساتھ باقی لشکر لے کر آجائیں گے۔ ادھر جب ہنڈ پر قابض سکھ فوج نے دیکھا کہ شاہ اسماعیلؒ اور ان کے ساتھیوں نے قرب و جوار کے تمام باغی سرداروں کو مطیع و فرماں بردار بنا لیا ہے تو اسے خطرہ پیدا ہوا کہ یہ لوگ متحد ہو کر ہنڈ پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ سکھ لشکر خوف زدہ ہو کر قلعہ سے نکلا اور کشتیوں میں بیٹھ کر راتوں رات فرار ہو گیا۔ صبح کو جب مجاہدین کا لشکر ہنڈ میں داخل ہوا تو قلعہ خالی پڑا تھا۔ اور سکھ لشکر خورد و نوش کا بہت سا سامان چھوڑ گیا تھا جس میں تین کمرے گندم سے بھرے ہوئے، دو کمرے آٹے سے بھرے ہوئے، گھی کے بہت سے پیپے، بہت بڑی مقدار میں گڑ اور خشک میوہ شامل تھا۔ ہنڈ کے آزاد ہونے کے بعد قرب و جوار کے بہت سے مقامات جن پر سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا ان کے تسلط سے آزاد ہو گئے۔ اس طرح شاہ اسماعیلؒ اور قاضی سید حبانؒ کی مشترکہ کوشش سے کہیں حکمت عملی کے ذریعے اور کہیں طاقت کے ذریعہ

---

[1] تواریخ ہزارہ صفحہ ۲۴۔ مولفہ محمد اعظم بیگ اسسٹنٹ کمشنر ضلع ہزارہ مطبوعہ ۱۸۷۴ء

باغیوں اور سرکشوں نے اطاعت اختیار کرلی اور سکھوں کا عمل دخل ان اطراف سے اٹھ گیا۔

جنگِ مردان اور شاہ اسماعیلؒ

شاہ اسماعیلؒ اور قاضی حبانؒ نے جن سرداروں کو تلقین وہدایت کیلئے بلایا تھا ان میں مردان کا سردار احمد خاں بھی شامل تھا۔ اس نے آٹھ روز کی مہلت مانگی اور اس اثنا میں سردارانِ پشاور کے پاس جاکر ان سے ساز باز شروع کردی اور انہیں مجاہدین کے خلاف صف آرا ہونے کی تحریک کرنے لگا جب اس کے اس شرمناک منصوبے کی اطلاع قاضی سید محمد حبانؒ اور شاہ اسماعیلؒ کو ہوئی تو دونوں نے فیصلہ کیا۔ کہ وقت ضائع کئے بغیر مردان پر حملہ کردینا چاہیئے تاکہ درانیوں کا لشکر آنے سے قبل مردان پر قبضہ کرلیا جائے عشا کی نماز پڑھ کر مجاہدین کا لشکر شب خون مارنے کے لئے روانہ ہوا۔ ہوتی کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ قلعے کے جنوب کی طرف کھلیان میں چالیس پچاس سپاہی بندوقیں لئے بیٹھے ہیں۔ جیسے ہی مجاہدین کھلیان کے قریب پہنچے ادھر سے یکدم بندوقیں سر ہوئیں۔ چونکہ شاہ اسماعیلؒ اور قاضی حبانؒ نے مجاہدین کو مطلع کردیا تھا کہ آگے دشمن کا ایک دستہ گھات میں بیٹھا ہوا ہے اس لئے وہ چوکنا تھے۔ ان گولیوں سے کسی کا جانی نقصان نہ ہوا البتہ ایک گولی مولوی مظہر علی عظیم آبادی کی ران میں لگی جس سے وہ زخمی ہوگئے مجاہدین نے اس زور سے دھاوا کیا کہ بندوقچی بھاگ نکلے اور ہوتی پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا۔ مجاہدین کا ایک دستہ ملا نور محمد قندھاری کی قیادت میں ہوتی کی حفاظت کیلئے متعین کرکے شاہ اسماعیلؒ اور قاضی حبانؒ باقی لشکر کے ہمراہ مردان روانہ ہوئے۔ مردان پہنچکر لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ پیادوں کو لیکر قاضی محمد حبانؒ قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔ سواروں کی قیادت شاہ اسماعیلؒ نے سنبھالی اور اس راستے کی ناکہ بندی کردی جو قلعے کو جاتا تھا تاکہ باہر سے تازہ دم کمک قلعے میں متعین فوج کی امداد کیلئے نہ پہنچ سکے۔ جب مردان کے قلعے کی تسخیر میں تاخیر ہوئی تو شاہ اسماعیلؒ نے محسوس کرلیا کہ قلعے کے چھ کے چھ برجوں پر نہایت ماہر شاہچی متعین ہیں۔ جب تک یہ برج خالی نہیں ہوں گے اس وقت تک مردان کا فتح ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ آپؒ نے رسالدار عبدالحمید خاں کو حکم دیا کہ پچاس سواروں کو شاہنیں دے کر شہر میں داخل کردیجئے مگر یہ لوگ گھوڑوں پر نہ جائیں بلکہ پیدل داخل ہوں اور برجوں پر گولہ باری کریں تھوڑی ہی دیر میں برجوں پر خاموشی چھا گئی قلعہ اور شہر دونوں دشمن کے سپاہیوں سے خالی ہوگیا مگر اس جنگ میں قاضی سید محمد حبانؒ نے شہادت پائی جو سرحد کے علماء میں سب سے بلند پایہ عالم تقویٰ و پرہیزگاری کے لحاظ سے نہایت ممتاز شجاعت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ اور سید صاحبؒ کے نہایت

عقیدت مند فدائی تھے، آکی شہادت کا شاہ اسماعیلؒ کو بے حد دکھ ہوا جب سید صاحبؒ نے یہ المناک خبر سنی تو آپ بھی حد درجہ مغموم ہوئے اور عرصے تک اس صدمے کو فراموش نہ کر سکے۔

خاتمۂ جنگ کے بعد احمد خاں سردار مردان کا بھائی رسول خاں ایک تہہ خانے سے نکلا اور پناہ کا طالب ہوا۔ شاہ اسماعیلؒ نے جو سوقت مجاہدین لشکر کے سپہ سالار تھے اسے امان دیدی اور مردان کا حاکم[1] مقرر کر کے اس سے پابندئ شریعت اور سید صاحبؒ کی وفاداری کا عہد لیا۔ ان مہمات کے بعد شاہ اسماعیلؒ امب پہنچکر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

امب میں شاہ اسماعیلؒ کی مصروفیات

شاہ اسماعیلؒ کو امب پہنچے چند ہی روز ہوئے تھے کہ پشاور کا حاکم سردار سلطان محمد خاں مردان کے معزول حاکم احمد خاں کی انگیخت پر ایک لشکر جرار لے کر سید صاحب سے نبرد آزمائی کی غرض سے پنجتار روانہ ہو گیا۔ سید صاحبؒ ان دنوں امب میں تھے جب آپؒ کو سلطان محمد خاں اور احمد خاں کی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو آپؒ نے قلعۂ امب کی مدافعت و حفاظت کی ذمہ داریاں شیخ بلند بخت دیوبندی کے سپرد کیں اور باقی فوج کا امیر شاہ اسماعیلؒ کو مقرر کیا۔ اس کے بعد آپؒ پنجتار کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ سردار سلطان محمد خاں کے فتنے کا قلع قمع کیا جا سکے۔ سید صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے بعد نواب پائندہ خاں نے پھر ریشہ دوانیوں کا آغاز کر دیا۔ اس نے مجاہدین کو شکست دینے کے لئے سکھوں سے ساز باز کرنے سے بھی گریز نہ کیا اور سردار ہری سنگھ کو اپنی مدد کے لئے بلا لیا۔ ہری سنگھ نے آتے ہی قلعۂ امب پر حملے شروع کر دیئے۔ اس موقع پر شاہ اسماعیلؒ نے تھوڑی سی جمعیت کے باوجود حیرت انگیز ثباتِ قدم اور ہمت و حوصلہ کا مظاہرہ کیا۔ سکھوں کی فوجیں فاور آباد کے قلعے اور دریائے سندھ کے پار سے حملے کر رہی تھیں، شاہ اسماعیلؒ نے توپیں نصب کرا کر ان قلعوں پر گولہ باری کرنے کا حکم دیا۔ ایک روز مجاہدین عشا کی نماز ادا کر رہے تھے کہ سکھوں کی بندوقوں کی گولیاں مسجد کی دیواروں سے ٹکرانے لگیں۔ شاہ اسماعیلؒ نے ایک مجاہد خدا بخش کو حکم دے کر مسجد کے ستون کے ساتھ توپ بندھوائی اور گولہ باری کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں بندوقیں خاموش ہو گئیں۔ اس زمانے میں شاہ صاحبؒ خطبۂ جمعہ میں سورہ فتح کی تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے تاکہ مجاہدین میں جوش و ولولے کے ساتھ ایمان و یقین کا جذبہ پیدا ہو۔ ایک جمعہ کا واقعہ ہے کہ آپؒ حسب معمول سورہ فاتحہ کے ایک رکوع کی تفسیر بیان فرما رہے تھے کہ اسی اثنا میں سکھ لشکر نے گولیاں

[1] سوانح احمدی صہ ۱۱۲

برسانا شروع کر دیں۔ یہ دیکھ کر شاہ صاحبؒ نے خطبہ روک دیا اور مجاہدین کو حکم دیا کہ تم لوگ دور دور تک منتشر ہو جاؤ اور جن لوگوں کے پاس دو رمار بندوقیں ہیں وہ انہیں سر کریں۔ چنانچہ آپؒ کی ہدایت پر مجاہدین نے مختلف اطراف میں مورچے سنبھال لئے۔ ایک مورچہ قلعہ کی شمالی جانب تھا۔ یہ ایک خندق تھی جس کی کھدائی میں شاہ صاحبؒ نے بہ نفسِ نفیس حصہ لیا تھا۔ اس مورچہ سے سکھوں کے قلعہ پر سخت یورش کی گئی۔ اس طرح مجاہدین کی طرف سے ترکی بہ ترکی جواب پا کر سکھوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ شاہ اسماعیلؒ سکھوں سے برسرِ پیکار تھے کہ سید صاحبؒ کو درانیوں سے جنگ درپیش آگئی اور آپ نے شاہ صاحبؒ کو تورو (مضافاتِ مردان) میں طلب فرمالیا۔ جہاں آپ درانیوں کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ سید صاحبؒ کا فرمان ملتے ہی شاہ اسماعیلؒ نے شیخ بلند بخت دیوبندی کو فوجی اور انتظامی امور کا نگراں مقرر کیا اور خود دو سو مجاہدین کو لیکر امب سے روانہ ہو گئے۔ دوپہر کو ستھانہ میں قیام کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر کھبل پہنچے یہاں پیر محمد مورائیں مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ مقیم تھے۔ ان کی جماعت میں سے ستر افراد کو منتخب کر کے ہمراہ لیا اور ٹوپی، پنج پیر اور دھوبیاں میں ٹھہرتے اور ان مقامات کے افغان سرداروں اور علماء کو امداد کی تحریک کرتے ہوئے تورو پہنچکر سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جب آپ امان زئی پہنچے تو مجاہدین کے علاوہ مقامی افغانوں اور علماء کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ ان میں صوبہ سرحد کے ممتاز عالم اور روحانی پیشوا حضرت اخوند سید امیرؒ بھی تھے جو تاریخ میں "ملا صاحبؒ کوٹھا" کے نام سے مشہور ہیں۔

جنگِ تورو اور شاہ اسماعیلؒ

جنگِ تورو جسے جنگِ بابا ڑ بھی کہتے ہیں سید صاحبؒ کے معرکوں میں بڑا اہم اور فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس جنگ نے درانیوں کی کمر توڑ دی اور فتح پشاور کیلئے راستہ صاف ہو گیا۔ سید صاحبؒ کے دوش بدوش شاہ اسماعیلؒ نے اس جنگ میں کمال شجاعت اور بے جگری کا مظاہرہ کیا۔ ایک موقع پر جب مجاہدین کو درانیوں کے مقابلے میں پسپا ہونا پڑا اور ان کے بہت سے افراد شہید و زخمی ہو گئے تو یہ شاہ اسماعیلؒ ہی تھے جنہوں نے شیخ ولی محمد پھلتی کو مشورہ دیا کہ فوراً دشمن کی توپوں پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ اسی اثنا میں مجاہدین کے ایک دستے نے درانی سواروں کے ایک بازو پر شدید حملہ کیا۔ سواروں کو شکست ہوئی۔ شیخ ولی محمد نے ان کا تعاقب شروع کیا۔ اس اثنا میں شاہ اسماعیلؒ نے ایک دستہ لیکر درانیوں کے توپ خانے پر حملہ کیا۔ توپچی جن کے پہلے ہی پیر اکھڑ گئے تھے شاہ صاحبؒ

کے حملے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کی توپیں شاہ اسماعیلؒ کے قبضے میں آگئیں۔

دوسری بار درانیوں نے پھر حملہ کیا مگر اس بار بھی انہیں ناکامی ہوئی۔ تیسری بار درانیوں کے سواروں کے ایک دستے نے بھرپور یورش کی۔ شاہ اسماعیلؒ نے شدید مزاحمت کی اور درانیوں کے متعدد سوار ان کی گولی کا نشانہ بنے۔ چونکہ جنگِ شنکیاری میں انگلی پر گولی لگنے سے ان کے ہاتھ میں کمزوری پیدا ہو گئی تھی اور تیزی سے بندوق بھر کر جلدی جلدی فائر کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا تھا اس لئے ایک بار بندوق سر کرنے کے بعد ابھی وہ اپنی بندوق بھر رہے تھے کہ ایک درانی سوار ان کے بالکل نزدیک آگیا۔ اتفاقاً ایک مجاہد حافظ وجیہہ الدین پھلتی نے اسے دیکھ لیا اور فوراً شست لے کر فائر کیا۔ سوار وہیں ڈھیر ہو گیا۔ ورنہ شاہ اسماعیل اس درانی سوار کی گولی کا نشانہ بنے بغیر نہ بچتے خود شاہ صاحبؒ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اس روز مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب میری شہادت کا وقت آپہنچا ہے۔ بہرحال تیسرے حملے کے بعد درانی میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے اور جنگ کا فیصلہ سید صاحبؒ کے حق میں ہو گیا۔ اس جنگ میں اٹھائیس مجاہدین شہید ہوئے اور اسی درانی مارے گئے جنگ کے بعد شہدا کی نعشوں کی تدفین کا کام شاہ اسماعیلؒ کے سپرد ہوا۔ آپ نے موضع تورو کے باہر جانب شمال مشرق ایک لمبی چوڑی قبر کھدوائی اور پھر ساری لاشیں قبلہ رخ ان میں رکھوا دیں نعشیں رکھنے والوں کو آپ نے ہدایت فرمائی کہ چہروں کو ان کے عماموں سے ڈھانپ دیا جائے۔

اسی اثنا میں رسول خاں نے شاہ صاحبؒ کو پیغام بھیجا کہ میں تو دل سے سید صاحبؒ کا وفادار ہوں مگر کیا کروں درانیوں کی وجہ سے اس اقدام پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد رسول خاں اور شاہ اسماعیلؒ کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا جس کے مطابق اس نے مردان کا قلعہ خالی کرنا منظور کر لیا۔ معاہدہ کی دوسری شرط کے مطابق مجاہدین نے شہر سے باہر قیام کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے مرزا احمد بیگ پنجابی کو حکم دیا کہ پچاس مجاہدین کا ایک دستہ لے کر جاؤ اور قلعہ پر قبضہ کر لو۔ آپ نے انہیں ہدایت فرما دی کہ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد سارے برجوں پر اپنے پہرے دار مقرر کر دینا اور پھر بندوقیں سر کرا دینا تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ تمہاری مہم پوری طرح کامیاب ہو گئی ہے۔ مرزا احمد بیگ پنجابی نے نہایت خوش اسلوبی سے یہ مہم سر کر لی اور مردان کے قلعے پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا۔

فتحِ پشاور اور شاہ اسماعیلؒ

مردان کی فتح کے بعد سید صاحبؒ نے پشاور کی طرف کوچ کیا۔ آپؒ کی آمد کی خبر سن کر سردارِ پشاور

سلطان محمد خاں نے لڑے بغیر شہر خالی کر دیا اور اپنے اہل وعیال کو کوہاٹ روانہ کر دیا۔ خود پہاڑوں میں چلا گیا اور لشکر کو بھی ساتھ لے گیا۔ مردان سے روانگی کے وقت سے لے کر پشاور پہنچنے تک شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کے ہمرکاب رہے۔ جب سلطان محمد خاں نے اپنے نمائندے ارباب فیض اللہ خاں کو سید صاحبؒ کی خدمت میں بھیجکر صلح کی درخواست کی تو سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ ہی کو معاملات صلح طے کرنے کے لئے منتخب کیا۔ سلطان محمد خاں کی خواہش تھی کہ وہ خود سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر براہ راست بیعت کرے مگر سید صاحبؒ کی مجلس شوریٰ کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ سلطان محمد خاں پہلے شاہ اسماعیلؒ سے ملاقات کرے۔ اس کے بعد سید صاحبؒ سے ملاقات کا انتظام کیا جائے۔ ارباب فیض اللہ خاں نے دونوں کی ملاقات کے لئے اپنا گاؤں "ہزار خانی" تجویز کیا۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ ۴۲ مجاہدین کو ساتھ لیکر سید صاحبؒ کے نائب کی حیثیت سے موضع ہزارخانی روانہ ہو گئے۔ قلعے کے باہر سردار سلطان محمد خاں اور شاہ اسماعیلؒ کی ملاقات ہوئی۔ سلطان محمد خاں نے آگے بڑھ کر شاہ صاحبؒ کا استقبال کیا اور اُن سے معانقہ کیا۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ یہ گفتگو فارسی میں ہوئی۔ اسکے بعد سلطان محمد خاں نے شاہ صاحبؒ کے ہاتھ پر سید صاحبؒ کی بیعت کی اور عہد کیا کہ وہ سید صاحبؒ کا وفادار رہے گا۔ دین کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے گا اور مجاہدین کی امداد کرتا رہے گا۔ رخصت ہوتے وقت سلطان محمد خاں نے کھانے کی دعوت دی۔ آپؒ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اب میں اپنی قیام گاہ پر واپس جانا چاہتا ہوں۔ سلطان محمد خاں نے کھانا ساتھ کر دیا جو آپؒ نے پشاور پہنچکر مجاہدین میں تقسیم کرا دیا۔ تیسرے روز بھی دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں سلطان محمد خاں نے سید صاحبؒ سے ملاقات کر کے اصالتاً ان کی بیعت کرنے کی درخواست کی۔

شاہ صاحبؒ نے واپس آکر یہ درخواست سید صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپؒ نے درخواست منظور کر لی۔ پشاور اور ہزارخانی کے درمیان ایک میدان میں سید صاحبؒ اور سلطان محمد خاں کی ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ ملاقات سے پہلے شاہ اسماعیلؒ نے خود جا کر میدان کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ ملاقات کے دن سلطان محمد خاں بھی اپنا لشکر لے کر آیا۔ سید صاحبؒ کے ہمراہ بھی مجاہدین کا لشکر تھا۔ دونوں لشکر جائے ملاقات سے تھوڑے فاصلے پر مقیم ہو گئے۔ سید صاحبؒ صرف بیس مجاہدوں کو لیکر سلطان محمد خاں کے خیمے کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ دور جا کر اٹھارہ آدمیوں کو روک دیا اور صرف شاہ اسماعیلؒ اور ارباب بہرام خاںؒ باقی رہ گئے جو سید صاحبؒ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب سلطان محمد خاں کے خیمے کے قریب پہنچے تو اس نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔ اپنی گذشتہ کوتاہیوں پر ندامت کا

اظہار کیا۔ آئندہ کیلئے توبہ کی اور پھر سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سید صاحبؒ نے اسے اپنی طرف سے پشاور کا حاکم اور اپنا نائب مقرر کر دیا۔ مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو قاضی شہر کا منصب عطا کیا۔

شاہ اسماعیلؒ کی باجوڑ کو روانگی

پشاور کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کی معیت میں پنجتار چلے گئے۔ چند روز کے بعد علاقۂ باجوڑ کے خان کے نمائندے سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پشاور کی فتح پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔ انہوں نے خان کی طرف سے عرض کیا کہ اسکے علاقے میں بھی شرعی نظام نافذ کر دیا جائے۔ سید صاحبؒ نے اس خدمت کیلئے بھی شاہ اسماعیلؒ کو منتخب کیا۔ سو مجاہدین کی جماعت ان کے ساتھ کی جس میں مولانا خیر الدین شیر کوٹی بھی شامل تھے۔ باجوڑ جانے کے لیے سوات سے گذرنا ضروری تھا۔ لیکن جب اہل سوات کو معلوم ہوا کہ باجوڑ کے لوگوں نے سید صاحبؒ سے شرعی نظام کے نفاذ کی درخواست کی ہے تو چونکہ اہل سوات اور اہل باجوڑ میں سخت دشمنی تھی اس لئے سوات کے سردار عنایت اللہ خاں نے شاہ اسماعیلؒ کو راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اہل باجوڑ سید صاحبؒ کا نظام قبول کرنے کے بعد سیاسی لحاظ سے مستحکم ہو جائیں گے اور اس کے لئے خطرہ بن جائیں گے۔ دوسرے اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ اگر اہل باجوڑ نے شرعی نظام قبول کر لیا تو عجب نہیں کہ انہیں بھی اس نظام میں شامل ہونا پڑے جس کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ شاہ اسماعیلؒ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ خود سوات کے مقام پر چہر تشریف لے گئے اور عنایت اللہ خاں کو ہر چند سمجھایا مگر وہ کسی طرح شاہ صاحبؒ کو باجوڑ جانے کے لئے راستہ دینے پر رضامند نہ ہوا۔ مجبوراً آپؒ نے باجوڑ جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ البتہ راستے کے دو مقامات امان زئی اور تونڈ خوڑ میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور شرعی نظام کی برکات سے روشناس کیا۔ تونڈ خوڑ میں آپ نے اہل دیہہ کی درخواست پر تقریر بھی فرمائی۔ تقریر فارسی میں کی اور اخوند فیض محمد نے اس کا ترجمہ کیا۔ یہاں کے ایک عالم حافظ پشم سے شاہ اسماعیلؒ کا علمی مناظرہ بھی ہوا جس کا موضوع فدیۂ نماز تھا۔ حافظ صاحبؒ نے اس کے حق میں دلائل دیئے اور شاہ اسماعیلؒ نے اس کے غیر شرعی ہونے پر اظہار خیال کیا۔ یہ مناظرہ نہایت دوستانہ ماحول میں ہوا۔ واپسی سے قبل آپ نے مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو تونڈ خوڑ میں شرعی نظام کے نفاذ پر متعین کیا اور خود پنجتار چلے گئے۔

حادثۂ پشاور اور شاہ اسماعیلؒ

اب پشاور سے لیکر ضلع ہزارہ کے آخری مقام امب تک سید صاحبؒ کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اس امر کا امکان پیدا ہو گیا تھا کہ اگر حالات سازگار رہے تو مجاہدین کا لشکر کشمیر اور پنجاب کو سکھوں کے قبضے سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جائے گا مگر سردار پشاور سلطان محمد خاں نے سکھوں کے ایما اور نام نہاد علما کے ورغلانے سے سید صاحبؒ کے خلاف سازش شروع کر دی خود اس کا دل بھی سید صاحبؒ کی طرف سے صاف نہ تھا یہ داستان بہت طویل اور نہایت دردناک ہے اور ہم اپنی کتاب "شہادت گاہِ بالاکوٹ" میں اسے اجمالاً بیان کر چکے ہیں۔ جب یہ فتنہ رونما ہوا تو سید صاحبؒ کے مشورے سے شاہ اسماعیلؒ نے اس فتنے کو فرو کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ سردار سلطان محمد خاں نے سید صاحبؒ اور مجاہدین پر جو اعتراضات کئے ان کا جواب آپؒ ہی نے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو بھیجا اور انہیں ہدایت کی کہ معاملات کو نرمی اور حکمت عملی سے روبہ اصلاح کریں اور جب دیکھیں کہ سلطان محمد خاں فساد پر آمادہ ہے تو مجاہدین کو لے کر پنجتار آجائیں مگر نوشتۂ تقدیر پورا ہو کر رہا۔ ایک روز رات کے پچھلے پہر سلطان محمد خاں کے آدمیوں نے دور دراز دیہات میں پھیلے ہوئے مجاہدین کو بے خبری کی حالت میں شہید کر دیا جب اس روح فرسا سانحے کی اطلاع پنجتار پہنچی تو شاہ اسماعیلؒ شہید نے مجاہدین کو چوکس رہنے کی ہدایت فرمائی اور اس مسجد کے قریب توپیں نصب کر دیں جہاں مجاہدین نماز پڑھتے تھے تاکہ اگر پنجتار میں کوئی شورش بپا ہو تو اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔

شاہ اسماعیلؒ اور جنگِ بالاکوٹ

حادثۂ پشاور کے بعد جب سید صاحبؒ بقیۃ السیف مجاہدین کو لے کر پنجتار سے راج دواری کے سفر پر روانہ ہوئے تو شاہ اسماعیلؒ بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ مجاہدین کا یہ قافلہ تھاکوٹ اور بٹ گرام ہوتا ہوا ۳ یا ۴ شعبان ۱۲۴۶ھ کو راج دواری پہنچا۔

شاہ اسماعیلؒ کا قیامِ سچہ

اس علاقے کے خوانین کے مشورے کے مطابق شاہ اسماعیلؒ کو موضع سچہ کی حفاظت پر متعین کیا گیا اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو ان کا نائب مقرر کر کے موضع بھوگڑمنگ کی حفاظت کا کام تفویض کیا گیا۔ شاہ اسماعیلؒ راج دواری سے روانہ ہو کر موضع جبڑ کرا نو پہنچے۔ ان کے ساتھ پچاس مجاہدین کی ایک جماعت تھی۔ راج دواری سے روانہ ہوتے وقت سید جعفر علی نقوی کو شاہ اسماعیلؒ کے ہمراہ بھیجا گیا تاکہ وہ ان کے سیکرٹری کی حیثیت سے تحریری امور سرانجام دیں مگر تھوڑی دور جا کر جعفر علی نقوی بیمار ہو گئے اس لئے انہیں راستے ہی سے واپس آنا پڑا۔ منشی محمد غوث جو نواب پائندہ خاں حاکم امب کی طرف سے سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور سید صاحبؒ سے نہایت اخلاص و محبت رکھتے تھے، سید جعفر علی نقوی کی بجائے شاہ اسماعیلؒ کے پاس بھیج دیئے گئے۔

منشی محمد غوث صرف محرر نہ تھے بلکہ نہایت اچھے خطیب اور دینی مسائل سے پوری طرح باخبر بھی تھے چنانچہ شاہ اسماعیلؒ نے انہیں مقامی باشندوں کی اصلاحِ اخلاق پر مامور کر دیا اور سید صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ منشی محمد غوث اہلِ سچہ کو وعظ و تلقین کرنے کی وجہ سے تحریری امور سرانجام نہیں دے سکتے۔ اس لئے ایک اور محرر بھیج دیا جائے۔ اگر سید جعفر علی نقوی صحت یاب ہو گئے ہوں تو انہیں روانہ

کر دیا جائے ورنہ کسی اور شخص کو بھیج دیا جائے۔ اسی دوران میں شاہ اسماعیلؒ کی جماعت کے دو مجاہدوں عبداللہ اور حبیب اللہ خاں کا خط سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم پانچ افراد جو شاہ اسماعیلؒ کے ہمراہ موضع سچہ آئے تھے ان میں سے تین افراد بیمار ہو گئے ہیں اور جو دو آدمی صحت مند ہیں ان سے کھانا تیار کرنے اور پانی لانے کا کام سر انجام پانا ممکن نہیں اس لئے چند افراد اور بھیج دیئے جائیں تاکہ کام میں آسانی پیدا ہو جائے۔ سید صاحبؒ نے منشی محمدی انصاری کی معرفت سید جعفر علی نقوی سے دریافت کیا کہ وہ شاہ اسماعیل کے پاس جانے کو تیار ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے شاہ اسماعیلؒ کے پاس جانے اور ان کی خدمت میں رہنے سے بڑی خوشی ہو گی چنانچہ سید جعفر علی نقوی کو شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ وہ ۵ شعبان ۱۲۴۶ھ کو سچہ پہنچے اور اس مکان میں مقیم ہو گئے جہاں جماعتِ مجاہدین کے پانچ افراد ٹھہرے ہوئے تھے شاہ اسماعیلؒ کے سچہ پہنچنے پر یہاں کے سردار حسن علی خاں نے اپنی حویلی خالی کر دی تھی۔ شاہ صاحبؒ اور آپؒ کے مجاہدین اس حویلی میں فروکش ہوئے۔ مولانا جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ شاہ اسماعیلؒ کے سچہ پہنچنے کے بعد سردارِ سچہ حسن علی خاں نے مقامی باشندوں کو حکم دیا کہ اب تک تم لوگ مالیہ کی جو رقم سکھوں کو دیا کرتے تھے اب انہیں ادا کرنی بند کر دو۔ آئندہ سے یہ رقم شاہ اسماعیلؒ کو ادا کی جائے گی جن کا لشکر ہماری حفاظت کیلئے آیا ہوا ہے۔ جب سکھ اس طرف مالیہ وصول کرنے آئیں گے تو غازی ان سے نمٹ لیں گے۔ چنانچہ بعض جگہ سے غلّہ اور بعض جگہ سے غلہ کی قیمت مجاہدین کو ادا کر دی گئی۔[1]

پورا ایک ماہ اسی طرح گذر گیا۔ اس اثنا میں کئی بار سکھوں کا لشکر گڑھی تنکیاری سے نکل کر درہ بھوگرمنگ کی طرف آیا تاکہ بھوگڑ منگ اور سچہ کو مجاہدین کے تسلط سے آزاد کرائے مگر ہر بار مولوی خیرالدین شیرکوٹی اور شاہ اسماعیلؒ کے مجاہدین نے ان کی مزاحمت کی اور انہیں ناکام لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ مولانا جعفر علی نقوی کا بیان ہے جو اس وقت درہ بھوگڑ منگ میں موجود تھے کہ شاہ اسماعیلؒ اور مولوی خیرالدین شیرکوٹی کی موجودگی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ درہ بھوگڑ منگ میں داخل ہو سکے ایک ماہ کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے مولوی خیرالدین شیرکوٹی کو بھوگڑ منگ میں پیغام بھیجا کہ میرا خیال ہے عنقریب حضرت امیرالمومنین (سید احمد شہیدؒ) کی طرف سے آپ کو بالاکوٹ جانے کا پیغام ملے گا اس لئے آپ تیار رہیں۔ چنانچہ تیسرے روز مولوی خیرالدین شیرکوٹی کے نام سید صاحبؒ کا حکم پہنچا جس میں انہیں بالاکوٹ جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مولوی صاحب اسی روز (۲۷ شعبان ۱۲۴۶ھ) دو پہر

---

[1] منظورۃ السعدا صد ۱۱۱۲

کو بالاکوٹ روانہ ہو گئے

شاہ اسماعیلؒ کا سفر بالاکوٹ

اس اثنا میں شاہ اسماعیلؒ کے نام بھی سید صاحب کا حکم پہنچ گیا کہ آپ فوراً بالاکوٹ روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ نے ۲۹ شعبان کو اپنے دستے کے مجاہدین کو حکم دیا کہ سامانِ سفر تیار کر دو مگر مصلحتاً اصل منزلِ مقصود کو پوشیدہ رکھا اور یہ ظاہر کیا کہ ہمارا ارادہ بھوگڑ منگ جانے کا ہے کیونکہ وہ اس درے کا دہانہ ہے اور وہاں قیام کرنے سے سچہ کی بھی بہتر طور پر حفاظت ہو سکے گی۔ آپؒ کے حکم کی تعمیل میں مجاہدین نے کمریں کس لیں اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ اس وقت بادل چھائے ہوئے تھے اور اس قدر شدید برف باری ہو رہی تھی کہ گھوڑوں کے منہ سے نکلنے والا جھاگ بھی جم جاتا تھا۔ موضع بھوگڑ منگ پہنچکر شاہ اسماعیلؒ اور ان کے دستے نے کچھ دیر درختوں کے نیچے آرام کیا۔ پھر آپؒ نے مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہمارا ارادہ بھوگڑ منگ میں قیام کرنے کا نہیں بلکہ بالاکوٹ جانے کا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ اہل لشکر نے عرض کیا کہ ہم آپ کے تابع فرمان ہیں آپ کا جو ارشاد ہو بجا لائیں گے[1]۔ اسکے بعد آپؒ نے فرمایا کہ اگرچہ اس وقت سخت برفباری ہو رہی ہے اور ہم نے سنا ہے کہ برف کی کثرت کی وجہ سے بالاکوٹ کا راستہ بند ہو گیا ہے مگر ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ اگر وہاں تک نہ پہنچ سکے تو راستے کی کسی بستی میں ٹھہر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی تائید سے کل بالاکوٹ میں داخل ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپؒ بھوگڑ منگ سے اسی برفباری میں روانہ ہو گئے اور ایسے مقام پر پہنچے جہاں ایک گاؤں آباد تھا۔ گاؤں کے باہر ایک بنگلہ نما کشادہ عمارت تھی۔ شاہ اسماعیلؒ مجاہدین کو لے کر اس عمارت میں داخل ہو گئے یہاں لوگوں نے کپڑوں سے برف صاف کیا اور دم لینے کیلئے ٹھہر گئے۔ کچھ دیر کے بعد اس گاؤں کے لوگ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؒ نے ان سے پوچھا کہ کیا اس بستی میں اس مکان کے علاوہ کوئی اور مکان ایسا ہے جس میں مجاہدین قیام کر سکیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری بستی میں اس مکان کے علاوہ اور کوئی مکان اس قابل نہیں کہ آپکے مجاہدین اس میں ٹھہر سکیں۔ انہوں نے یہ کہکر شاہ اسماعیلؒ کو خوفزدہ کرنے کی بھی کوشش کی کہ یہاں سے ایک کوس کے فاصلے پر گڑھی شنگیاری ہے جہاں سکھوں کی فوج مقیم ہے۔ عجب نہیں کہ آپ کی آمد کی خبر سن کر وہ شب خون مارے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمیں ان کے شب خون کا خوف نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ اگر برفباری اسی طرح رات بھر جاری رہی تو بالاکوٹ کا راستہ سفر کے قابل رہے گا یا نہیں؟ گاؤں کے باشندوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ اگر برف باری اسی

---

[1] منظورۃ السعدا ص ۱۱۱۹

طرح جاری رہی تو بالاکوٹ کا راستہ کل سفر کرنے کے قابل نہ رہے گا اور پھر چند ماہ کیلئے بالکل بند ہو جائے گا۔ اگر آپ کا ارادہ بالاکوٹ جانے کا ہو تو آج کا کام کل پر نہ ڈالیے[1]

راستے کے مصائب

چنانچہ شاہ اسماعیل اور آپ کی جماعت نمازِ ظہر ادا کر کے اس برف باری کے دوران بالاکوٹ روانہ ہو گئی۔ ابھی چڑھائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ نمازِ عصر کا وقت آگیا۔ شاہ صاحب اور آپ کے لشکر نے پہاڑ کے دامن میں نماز ادا کی اور پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ سید جعفر علی نقوی جو اس سفر میں شاہ اسماعیل کے ہم رکاب تھے لکھتے ہیں کہ شام کے قریب پہاڑوں پر چڑھنے کی نوبت آئی۔ برف کی کثرت سے تمام پہاڑ حتیٰ کہ درخت بھی سفید ہو رہے تھے اور نشیب و فراز میں امتیاز کرنا مشکل تھا۔ ہمارے آگے آگے ایک رہبر تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ہمارا لشکر۔ کچھ لوگ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے کہ نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ اکثر لوگوں نے اشاروں سے نماز ادا کی۔ اس وقت لشکر قطار کی صورت میں جا رہا تھا۔ ایک شخص آگے دوسرا اس کے بالکل پیچھے تسبیح کے دانوں کی طرح۔ آگے والا شخص جب قدم بڑھاتا تو پیچھے والا شخص اس کے عین پیچھے رہتا اور دائیں یا بائیں قدم نہ رکھتا تاکہ کہیں کسی کھڈ میں نہ جا گرے۔ جب سارا لشکر پہاڑ پر پہنچ گیا تو برف باری بند ہو گئی البتہ بادل بدستور چھائے ہوئے تھے۔ درختوں کے اوپر اور نیچے چاروں طرف برف کی سفیدی پھیلی ہوئی تھی یہاں تک کہ برف کی روشنی میں چھ سات قدم کے فاصلے پر بھی دوسرے آدمی کا چہرہ پہچانا جاتا تھا۔ یہ روشنی چاند کی دوسری یا تیسری تاریخ کی روشنی کی طرح محسوس ہوتی تھی۔

بلندی تک پہنچنے میں تو دشواری پیش نہ آئی اور راستہ آسانی سے طے ہو گیا البتہ جب پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترنے لگے تو سخت مشکل پیش آئی۔ لوگ بندوقوں کے سہارے یعنی انہیں عصا کی طرح ٹیکتے ہوئے راستہ طے کر رہے تھے۔ چنانچہ اسی حالت میں ایک شخص کی کوہاٹ ساخت کی بندوق اچانک سر ہو گئی۔ چونکہ اس کا منہ برف سے بند ہو گیا تھا اس لئے نالی پھٹ گئی اور اس کا ایک ٹکڑا مولوی نصیر الدین سہارنپوری کے دستے میں شامل ایک سید کے چہرے پر لگا جس سے اس کا رخسار زخمی ہو گیا۔ چونکہ اترائی کا راستہ نہایت خطرناک تھا اور سارے راستے بڑے گہرے کھڈ تھے اس لئے لوگ آگے پیچھے چل رہے تھے اور کیفیت یہ تھی کہ اگر ان میں سے سب سے آگے والے کا پیر پھسل جاتا تو

---

[1] منظورۃ السعداء صفحہ ۱۱۲۰

سب سے پچھلے آدمی تک سب گر پڑتے۔ برف سخت ہو کر اس پر اتنی پھسلن پیدا ہو گئی تھی کہ قدم جما کر چلنا محال تھا۔ چنانچہ بعض لوگ چار قدم اور بعض آٹھ قدم چل کر گر پڑتے اور پھر اٹھ کھڑے ہوتے مگر اس کے باوجود کسی نے ہمت نہ ہاری) بعض لوگوں کے جسم میں شدید درد شروع ہو گیا تھا۔ ہاتھ پیر اس قدر سُن ہو چکے تھے کہ بہت سے لوگوں کے پیروں میں کانٹے چبھے مگر انہیں ان کانٹوں کی تکلیف بھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ چونکہ چست لباس اور پٹی کی سختی کی وجہ سے سینہ اور پیٹھ جکڑی ہوئی تھی اس لئے سانس گھٹ رہا تھا اور کلام کرنے تک کی طاقت نہ تھی۔ ہر شخص اپنی سانس کو زندگی کا آخری سانس سمجھ رہا تھا پس جب کوئی شخص پھسل کر گر پڑتا تو کلمۂ توحید اور اللہ تعالیٰ کا نام اس کے ورد زبان ہوتا۔ اسی طرح نصف میل تک سفر طے کیا۔ اس سے آگے گو تھوڑا سا راستہ باقی رہ گیا تھا مگر انسان تو انسان خچر اور گھوڑے بھی اس قدر تھک گئے تھے کہ جب چڑھائی شروع ہوئی تو خچروں اور گھوڑوں پر چڑھ کر راستہ طے کرنے کی بجائے پیدل چل کر انہیں کھینچنا پڑتا تھا صرف سامانِ جنگ اور ضروری اسباب ان پر لدا ہوا تھا[۱]۔

سید جعفر علی نقوی کے مصائب

اسی طرح گرتا پڑتا مگر ہمت اور استقلال سے کام لیتا ہوا مجاہدین کا یہ قافلہ مٹی کوٹ پہنچ گیا کچھ لوگ جو طاقت ور اور تندرست تھے پہلے پہنچے مگر جو لوگ کمزور تھے یا راستے میں بیمار ہو گئے تھے بعد میں مٹی کوٹ پہنچے، سید جعفر علی نقوی ان لوگوں میں سے تھے جنہیں راستے کے مصائب نے بیمار کر دیا اور وہ قافلے سے بچھڑ گئے۔ اس لئے وہ بعد میں مٹی کوٹ پہنچے۔ ان کا بیان ہے کہ مٹی کوٹ نامی گاؤں میں مسلمان گوجروں کی آبادی تھی۔ ان میں سے اکثر نے گھاس کی جوتیاں پہن رکھی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ ان میں سے ہر شخص کے ہاتھ میں چیڑ کا عصا تھا اسے روشن کر کے یہ لوگ مجاہدین کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ راقم الحروف (سید جعفر علی نقوی) راستہ بھول کر لشکر سے بچھڑ گیا مگر ہمت نہ ہاری۔ البتہ اگر کہیں کوئی درخت یا پتھر ہوتا تو اسے پکڑ کر کھڑا ہو جاتا اور مسلسل لمبے لمبے سانس لینے لگتا جب تھوڑا سا آرام کر لیتا تو پھر چل دیتا۔ اسی طرح گرتا پڑتا جا رہا تھا کہ گوجروں کی جماعت دوڑ کر میرے پاس پہنچ گئی۔ چونکہ میں نیم جاں ہو چکا تھا اور سوائے ایک دستار کے میرے کپڑے اور ہتھیار بیت المال کی ملکیت تھے۔ اس لئے میں نے اپنی دستار اتار کر ایک گوجر کی طرف بڑھائی اور اس سے کہا کہ لے

---

[۱] منظورۃ السعدا صـ ۱۱۲۲

بھائی یہ پگڑی مجھ سے لے لو اور مجھے کسی محفوظ جگہ پہنچا دو۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارے امیر مولوی محمد اسماعیلؒ پیچھے پیچھے آرہے ہیں ہم لوگ انہیں لینے جا رہے ہیں، یہ کام کرنے کے بعد تمہیں کسی اجرت کے بغیر اپنے ساتھ لے جائیں گے، جہاں تک ہو سکے اور تم میں جتنی طاقت ہو اس کے مطابق چلتے رہو۔ تھوڑا سا راستہ اور طے کر لو اس کے بعد منزل آسان ہو جائے گی۔ کچھ دور چل کر پنجابی مجاہدین کی ایک جماعت میرے قریب پہنچ گئی۔ اس جماعت کے ایک رکن میاں برکات نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کچھ دور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ انہوں نے مجھ سے میرا نام دریافت کیا۔ جب میں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ میں شاہ اسماعیلؒ کا محرر ہوں تو میاں برکات نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ اپنے ہتھیار اور کپڑے وغیرہ مجھے دیدو تاکہ بوجھ ہلکا ہو جائے اور جس طرح ہو سکے باقی راستہ طے کرو۔ میں نے اپنے ہتھیار اور دوسرا سامان انہیں دیدیا اور تاکید کر دی کہ دیکھو یہ خدائی مال ہے اس کا خیال رکھنا۔ اگر میں وفات پا جاؤں تو یہ سامان بیت المال میں جمع کرا دینا ورنہ خدا کے یہاں تم سے مواخذہ ہوگا۔ چنانچہ اس نے سید صاحبؒ کے فرامین، تلوار، رضائی اور دوسرا سامان مجھ سے لے لیا اور اپنی جماعت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ کچھ دور چل کر ایک اور جماعت ملی۔ اس جماعت کے افراد تھوڑی سی جگہ پر جو برف باری سے محفوظ رہ گئی تھی لکڑیاں جمع کرکے آگ روشن کر رہے تھے۔ یہ جگہ ایک نالے کے قریب واقع تھی جو پہاڑ کے دامن سے گذر رہا تھا۔ اتنے میں ان میں سے ایک شخص نے مجھے آواز دی "منشی اے منشی" مگر تنفس کی تنگی کی وجہ سے میرے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس وقت میری کیفیت بالکل وہی تھی جو ضیق النفس کے مریض کی ہوتی ہے جب وہ شخص میرے قریب پہنچا تو اس نے مجھے ملامت کی کہ اتنی دیر سے تمہیں آواز دے رہا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں نے اسے اپنی کیفیت بتائی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی اقامت گاہ پر لے گیا۔ میں نے آگ کے قریب ہو کر اپنا جسم سینکنا چاہا مگر سب لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ ایسا مت کرنا ورنہ اپنے ہاتھ پیروں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے، انہوں نے مجھے سنگ دانہ کا تھوڑا سا نمک دیا اور کہا کہ یہ کھا لو۔ اتنے میں بادل چھٹ گئے اور رمضان المبارک کا چاند نظر آگیا۔ میرا جسم برفانی سردی کی وجہ سے اس قدر ٹھٹھر گیا تھا کہ سیدھا کھڑا ہونا مشکل تھا۔ مغرب کی نماز بھی میں نے اشارے سے پڑھی۔ اسی دوران میں عشا کا وقت ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ نالے کے پانی سے وضو کرکے نماز پڑھ لوں کہ اتنے میں بندوقیں سر ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید مولانا اسماعیل صاحبؒ کو گوجروں نے بالاکوٹ پہنچا دیا ہے اس خوشی میں بندوقیں سر ہو رہی ہیں۔ مگر میرا یہ خیال غلط تھا۔ یہ بندوقیں دراصل رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کی خوشی میں سر کی جا رہی تھیں ۔ جب میں نے وضو کا ارادہ کیا تو

منظورۃ السعدا صـ ۱۱۳۶

مجھ میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ مجبوراً گھٹنوں کے بل چل کر نالے تک پہنچا۔ مجھے نالے پر وضو کی غرض سے جاتے دیکھ کر میاں برکات اور ان کے پنجابی ساتھیوں نے مجھے روکا اور کہا کہ اگر اس حالت میں جسم پر پانی ڈال دیا تو یاد رکھو تمہارے ہاتھ پیر بیکار ہوجائیں گے۔ یہ سن کر میں نے وضو کا ارادہ ترک کر دیا اور عشا کی نماز تیمم سے ادا کی اس کے بعد میں تمام رات آگ کے پاس بیٹھا رہا۔ مولوی نصیر الدین سہارنپوری کی جماعت کے ایک سید کے پاس تھوڑا سا آٹا تھا۔ انہوں نے جلدی سے دو روٹیاں پکائیں۔ ایک مجھے دیدی اور دوسری خود کھالی۔ یہ ایک روٹی میں نے نمک کے ساتھ کھائی اور ساری رات بیٹھے بیٹھے گذار دی صبح کی نماز بھی میں نے تیمم سے ادا کی۔ اتنے میں میاں برکات پنجابی نے میرا سامان لاکر میرے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ تم نے یہ سامان دیتے وقت کہا تھا کہ یہ خدائی مال ہے اس کی حفاظت کرنا۔ اسے سنبھال لو۔ اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے اگرچہ میں سفر کے قابل نہ تھا لیکن میں نے ہمت کر کے کمر کس لی اور ہتھیار باندھ لئے۔ چونکہ برف کے اثرات کی وجہ سے میرے ہاتھوں میں گرفت کی طاقت نہیں رہی تھی اس لئے میں نے اپنا سامان جسم کے مختلف حصوں سے باندھ لیا اور ضروری سامان جس میں سید صاحبؒ کے خزائن تھے کاندھے پر لٹکا لیا۔ اس کے بعد میں پہاڑی راستے پر روانہ ہوگیا۔ میرے لئے سیدھا کھڑا ہونا مشکل تھا اس لئے گھٹنوں کے بل پہاڑ پر چڑھ رہا تھا۔ جب میں اوپر آیا تو سورج کی کرنیں میرے جسم پر پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ میری کمر سیدھی ہونے لگی۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی تیزی سے چلنے لگا کہ جو لوگ مجھ سے پہلے روانہ ہو چکے تھے انہیں راستے میں جا پکڑا انہوں نے مجھے تعجب سے دیکھا اور کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ مگر میں نے ٹھہرنے اور بیٹھنے سے انکار کر دیا کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ بیٹھنے سے کہیں پھر بدن اور کمر میں اکڑاؤ نہ پیدا ہو جائے۔ پس میں انہیں راستے ہی میں چھوڑ کر تیزی سے روانہ ہوگیا۔ اور اس وقت بالاکوٹ پہنچ گیا جب کہ میری جماعت کے کسی شخص نے اس سرزمین پر قدم نہ رکھا تھا۔

سید صاحبؒ کی صحبت کا اثر

بالاکوٹ پہنچ کر میری ملاقات مولوی خیر الدین شیرکوٹی سے ہوئی۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ روزے کے متعلق مولانا اسماعیلؒ کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ "مولانا یہاں کہاں ہیں؟" تم ہی تو سب سے پہلے شخص ہو جو یہاں پہنچے ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے اور اب بھی سوائے خشک نان کے جو صغر سن بچے کیلئے بھی ناکافی ہوتی ہے میرے منہ میں کوئی چیز نہیں پڑی۔ انہوں

نے فرمایا کہ جب دن کا چوتھا حصہ گذر چکا ہے تو صبر کے ساتھ باقی وقت بھی گذار دو چنانچہ میں نے روزے کی نیت کر لی۔ کچھ دیر کے بعد سید حسن شاہ آ گئے اور مصافحہ و معانقہ کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر ایک مکان میں لے گئے جہاں اس علاقے کے سردار موجود تھے۔ میں ان میں سے کسی کو نہ پہچانتا تھا۔ سید حسن شاہ نے ان سرداروں کے سامنے مجھ سے کہا کہ جس سردار کے متعلق میں تم سے پوچھوں اپنی ذہانت سے بتاؤ کہ وہ کون ہے؟ اس کے بعد انہوں نے ایک سردار کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ سلطان زبردست خاں ہو سکتے ہیں۔ پھر دوسرے سردار کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ سردار حبیب اللہ خاں ہو سکتے ہیں۔ چونکہ ان سرداروں کو شناخت کرنے میں مجھ سے غلطی نہ ہوئی اس لئے سب لوگ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ یہ حضرت امیر المومنین (سید صاحبؒ) کی صحبت کا اثر ہے کہ اس قدر فراست پیدا ہو گئی ہے۔[1] اس کے بعد میں نے انہیں اپنے ہاتھ پیر دکھائے اور راستے میں برفباری کی کیفیت بیان کی۔ انہوں نے اسی وقت گھی اور پسا ہوا نمک منگوایا اور مجھ سے کہا کہ یہ اپنے ہاتھوں اور پیروں پر مل کر دھوپ میں لیٹے جاؤ۔

شاہ اسماعیلؒ کی بالاکوٹ میں آمد

ان سرداروں کی ہدایت کے مطابق میں اپنے ہاتھوں اور پیروں پر گھی اور نمک مل کر مسجد کلاں[2] میں لیٹ گیا جو اس بستی میں سب سے بلندی پر واقع ہے۔ دوسرے روز مولانا شاہ اسماعیلؒ بھی اپنے تمام لشکر کے ہمراہ بالاکوٹ پہنچ گئے۔ ان کے متعلق معلوم ہوا کہ راستے میں گوجروں نے ان کے اور ان کے ہمراہیوں کیلئے زمین کا کچھ حصہ برف سے صاف کیا اور لکڑیاں لا کر آگ روشن کی ان گوجروں نے ہدایت کر دی کہ آپ لوگوں میں سے کوئی شخص آگ کے قریب نہ جائے اس کے بعد انہوں نے شاہ اسماعیلؒ کے ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور ان سب کی مہمان نوازی کی۔ شاہ صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں کے بالاکوٹ پہنچنے سے قبل ہی واصل خاں اور بعض دوسرے اصحاب کی حویلیاں خالی کرا لی گئی تھیں — کچھ مجاہدین نے مسجد میں قیام کیا۔ دوسرے روز شاہ صاحبؒ نے حکم دیا کہ وہ تمام لوگ جو صحت مند ہیں روزہ رکھیں البتہ بیمار لوگ روزہ چھوڑ سکتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا جعفر نقوی لکھتے ہیں کہ میرے ہاتھ پیر بیکار ہو گئے تھے

---

[1] منظورۃ السعداء ص ۱۱۲۹

[2] بڑی مسجد ہے جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ نمازیں پڑھاتے اور درس دیتے تھے۔ یہ مسجد مسجد بالا کے نام سے مشہور ہے اور ابھی تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے، البتہ ایک برآمدہ کا اضافہ ہوا ہے۔ (مولف)

اور میں سخت متفکر تھا کہ اگر کوئی کام در پیش آیا تو کیا ہوگا۔ اس علاقے میں ایک قسم کا غلہ پیدا ہوتا ہے جسے موٹھ کہتے ہیں۔ میں نے اسے پیس کر چند روز استعمال کیا۔ اس کے بعد مہندی کے پتے تلاش کر کے منگوائے اور اپنے ہاتھوں اور پیروں پر ان کا لیپ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چند روز کے بعد میں بالکل ٹھیک ہوگیا[1]

اسی روز نماز ظہر کے بعد سلطان زبردست خاں (سابق حاکم مظفر آباد) حاضر ہوئے اور شاہ اسماعیلؒ سے درخواست کی کہ ان کے علاقے پر سکھوں نے قبضہ کر لیا ہے اس لئے ان کی امداد کے لئے لشکر بھیجا جائے شاہ صاحبؒ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور وعدہ کر لیا کہ کچھ آدمی ہم آپ کے ساتھ دیں گے مگر سلطان زبردست خاں نے زیادہ آدمیوں کا مطالبہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمیں بالاکوٹ کی بھی حفاظت کرنی ہے۔ اور ہمارے پاس مجاہدین کی تعداد پہلے ہی کم ہے اس سے زیادہ آدمی بھیجنا ممکن نہیں۔ اس معاملے پر دوپہر تک گفتگو ہوتی رہی۔ مجلس سے اٹھ کر شاہ اسماعیلؒ اپنے مجاہدین کے پاس آئے اور گفتگو کی روداد بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ "میں نے سلطان زبردست خاں کے طرزِ کلام سے نفاق کی بو محسوس کی ہے"[2] جب مولوی خیرالدین شیرکوٹیؒ کو معلوم ہوا کہ شاہ اسماعیلؒ سلطان زبردست خاں کی امداد کے لئے لشکر بھیج رہے ہیں تو انہوں نے اس اقدام سے اتفاق نہ کیا مگر چونکہ شاہ اسماعیلؒ سلطان سے وعدہ کر چکے تھے اور بالاکوٹ میں مجاہدین کے امیر وہی تھے اس لئے مولوی خیرالدین شیرکوٹی نے اپنی بات پر اصرار نہ کیا اور شاہ اسماعیلؒ کے حکم سے تین سو مجاہدین کا لشکر زبردست خاں کے ساتھ مظفر آباد بھیج دیا گیا۔ جس نے سکھوں کو شکست دے کر شہر مظفر آباد اور چھاؤنی پر قبضہ کر لیا۔[3]

بالاکوٹ میں شاہ اسماعیلؒ کی مصروفیات

رمضان المبارک کی ۲ یا ۳ تاریخ کو شاہ اسماعیلؒ بالاکوٹ پہنچے اور اختتام رمضان تک وہ بالاکوٹ میں مقیم رہے، چونکہ آپؒ راستے کے مصائب کی وجہ سے بیمار ہوگئے تھے، اس لئے نہ روزہ رکھتے تھے نہ تراویح پڑھاتے تھے، مولوی نصیرالدین سہارنپوری کو تراویح پڑھانے کی ہدایت کردی تھی، چنانچہ ایک بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مولوی نصیرالدین سہارنپوری کو نیکی کی اور توفیق عطا فرمائے کہ تراویح پڑھاتے ہیں۔ میں سب لوگوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ کوئی شخص اعمال میں میری تقلید نہ کرے

---

[1] منظورۃ السعدا ص ۱۱۳۱
[2] منظورۃ السعدا ص ۱۱۳۱
[3] منظورۃ السعدا ص ۱۱۳۴ / ۱۱۴۷

کیونکہ میں بیماری کی وجہ سے معذور ہوں۔ البتہ جو شخص میری طرح معذور ہو اس کے لئے تراویح ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ معذوری کے باوجود لوگ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے دینی مسائل کے بارے میں استفسار کرتے آپ انہیں کافی و شافی جواب دیتے، ملا محمودؒ شاہ صاحبؒ کے حکم سے درس دیتے۔

مجاہدین کی بالاکوٹ میں آمد کا مقصد صرف روزے رکھنا اور تراویح پڑھنا نہ تھا، اصل مقصد جہاد تھا۔ چنانچہ شاہ اسماعیلؒ کے حکم سے مجاہدین نے دو تین بار سکھوں کے لشکر پر شب خون مارا۔ اس شب خون میں ہندوؤں کے بہت سے مرد، عورتیں، بچے اور ان کا مال و اسباب مثلاً ریشمی کپڑے اور برتن غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے۔ شاہ اسماعیل نے کئی بار ان ہندوؤں کو وعظ و تلقین کے ذریعہ قبول اسلام کی دعوت دی مگر ان میں سے کوئی شخص مسلمان نہ ہوا۔

شاہ اسماعیلؒ اور تسخیرِ کشمیر

شاہ اسماعیلؒ کے قیام بالاکوٹ کے دوران اہل کشمیر کا ایک وفد آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کشمیری مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کے دردناک واقعات سنا کر درخواست کی کہ ان کی امداد کی جائے اور فتح کشمیر کے لئے لشکر روانہ کیا جائے۔ شاہ اسماعیل نے اسی وقت سید صاحبؒ کی خدمت میں جو موضع سچہ میں مقیم تھے ایک عریضہ بھیجا اور درخواست کی کہ جناب اپنا لشکر لے کر تشریف لے آئیں۔ یہاں سے کشمیر صرف دو روز کی مسافت پر ہے کشمیری مسلمان سکھوں کے گورنر کے مظالم کی وجہ سے سخت تنگ ہیں اس لئے ان میں سے اکثر لشکرِ اسلام کا ساتھ دیں گے جب شاہ اسماعیلؒ کا یہ عریضہ سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا تو آپؒ کے پاس جو خوانین موجود تھے انہوں نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو سکھوں کا لشکر ہمارے علاقوں پر حملہ کر کے ہمیں تباہ کر دے گا، بہتر یہ ہے کہ پہلے یہاں سے بالاکوٹ تک سارے علاقے کو سکھوں سے بالکل پاک و صاف کر دیا جائے اور یہاں کا انتظام مستحکم کر کے پھر کشمیر کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ سید صاحبؒ نے بھی ان خوانین کی رائے سے اتفاق کیا اور شاہ اسماعیلؒ کو لکھ دیا کہ فی الحال اس منصوبے پر عمل نہیں ہو سکتا چونکہ شاہ اسماعیلؒ کو ہر وقت اطاعتِ امیر کا خیال رہتا تھا اس لئے وہ سید صاحبؒ کا خط پڑھ کر خاموش ہو گئے[1] مگر اتنا کہا کہ :۔

---

[1] منظورۃ السعداء ص ۱۱۳۵

"حضرت امیر المومنین (سید صاحبؒ) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید میں غریبوں اور کمزوروں پر رحم کرتے ہیں لیکن فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کو گرفتار کر لیں اور انہیں قلعے کے درودیوار پر لٹکا دیں پھر بھی ان مسلمانوں کی جان بچانے کے خیال سے لشکرِ اسلام کے امیر کو قلعے کی تسخیر کا ارادہ ترک نہیں کرنا چاہیئے البتہ یہ کوشش ضرور ہونی چاہیئے کہ ایسے حملوں سے ان گرفتار شدہ مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے جو قلعہ کی دیوار کے ساتھ ساتھ لٹکے ہوئے ہیں لیکن اگر ان حملوں میں قلعہ کی دیوار کے ساتھ ساتھ لٹکے ہوئے مسلمانوں میں سے کوئی مارا بھی جائے تو نہ اس کا قصاص طلب کیا جائے گا نہ خوں بہا دیا جائے گا اور نہ یہ گناہ ہوگا"[1]

گوشت فروشوں کی غلط روی

انہی دنوں میں بالاکوٹ کے کچھ کشمیریوں نے گوشت کی دو کانیں کھول لیں اور بعض مجاہدین سے کہہ سن کر اپنے آپ کو بھی غازیوں میں شمار کرانا شروع کر دیا اس طرح وہ بیت المال سے کھانے پینے کا سامان لیتے تھے اور کاروبار بھی کرتے تھے۔ یہ شکایت شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں پیش کی گئی آپ نے خدا بخش قاسم غلہ کو حکم دیا کہ مجاہدین کی لشکر شماری کی جائے مگر ان کی صحیح تعداد کو مخفی رکھا جائے کیونکہ اس کے افشا سے لوگوں میں اس کا چرچا ہو جائے گا اور بات دشمنوں کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ جب دشمن کو ہماری صحیح تعداد معلوم ہو جائے گی تو وہ ہم پر دلیر ہو جائے گا۔ چنانچہ آپؒ کی اس ہدایت پر پوری طرح عمل کیا گیا۔ شمار کے بعد ان خائنوں کی خیانت رک گئی جو گوشت بیچنے کا کاروبار بھی کرتے تھے اور اپنے آپ کو مجاہدوں میں شمار کر کے بیت المال سے غلہ بھی حاصل کرتے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق یہ شکایت بھی تھی کہ بالاکوٹ کے لوگوں کے ہاتھ بکرے کا گوشت کم قیمت پر بیچتے ہیں اور غازیوں سے زیادہ قیمت وصول کرتے ہیں، اس بنا پر کچھ کشمیری گرفتار بھی کئے گئے اور شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں پیش کئے گئے، شکایت کنندگان نے عرض کیا کہ یہ ہم سے زیادہ قیمت وصول کرتے ہیں اور بالاکوٹ کے لوگوں حتیٰ کہ یہاں کے ہندوؤں تک سے کم قیمت لیتے ہیں، شاہ صاحبؒ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہرگز ایسا نہیں ہے، شاہ اسماعیل نے غازیوں سے کہا تمہارا دعویٰ اس وقت قبول نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں گاؤں کے لوگوں کی شہادت پیش نہ کرو۔ یہ سن کر غازیوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنی طرف سے قیمت مقرر

---

[1] منظورۃ السعدا صفحہ ۱۱۴۰

[2] منظورۃ السعدا صفحہ ۱۱۴۰ و صفحہ ۱۱۴۱

فرمادیں۔ شاہ اسماعیلؒ نے فرمایا کہ میں خلافِ شرع کام نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث ہے کہ نرخ مقرر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (یعنی اشیا کے نرخ آئے دن تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس لئے مستقل طور پر کوئی ایک قیمت مقرر نہیں کی جا سکتی) اس پر وہ کشمیری خوشامدیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ "اے مسلمانو! خداوند تعالیٰ تمہیں فتح و نصرت کے ساتھ کشمیر لے جائے وہاں ہم تمہیں ایک روپے میں چار سیر گوشت دیں گے[1]۔"

شاہ اسماعیلؒ کا فرمانِ اراضی

ایک روز ایک بااثر دیہاتی شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کیلئے پیش کرتا ہوں اس کے صلے میں مجھے فلاں علاقے کی جاگیر جو اس وقت کافروں کے قبضے میں ہے لکھ دی جائے۔ چونکہ اس زمانے میں راستے مسدود تھے اور کاغذ کی سخت قلت تھی اس لئے شاہ صاحبؒ نے سید جعفر علی نقوی کو حکم دیا کہ کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر یہ فرمان لکھ دو کہ :۔

"الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ۔ اما بعد فلاں بن فلاں نے ہمارے امام کی سرکار میں حاضر ہو کر خدمتِ دین اور اقامتِ مجاہدین کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اس بنا پر اس کے گذارے کے لئے بطور امداد سرکار کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا کہ جب تک وہ خدمتِ دین پر قائم رہے گا اسے فلاں گاؤں میں فلاں علاقہ حسب خدمت اس وقت عطا کیا جائے گا جب غازی اس پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے یہ چند الفاظ عطانامے کے طور پر لکھ دیئے گئے تاکہ حسب ضرورت کام آئیں۔ المرقومہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ"

یہ فرمان دیکھ کر دیہاتی رئیس سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ سرکاری فرمان اتنے چھوٹے کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ شاہ اسماعیلؒ کو جب اسکی ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو آپؒ نے اسے طلب کیا اور فرمایا کہ جب مسلمانوں کو فتح ہو جائے گی تو تیرے لئے یہی پرزہ کافی ہوگا لیکن اگر یہی فرمان کاغذ کے ایک پورے تختے پر بھی لکھ دیا جائے اور اس پر مہر نہ ہو تو وہ تیرے کس کام آئے گا۔ اس پر وہ مطمئن ہو گیا اور کاغذ لے لیا۔ اس کے بعد جب اس نے عبارت پڑھی تو کہنے لگا کہ اس میں صرف یہ لکھا گیا ہے کہ زمین حسبِ خدمت دی جائے مگر اس کا تعین نہیں کیا گیا۔ اس پر آپؒ نے فرمایا کہ جو عبارت لکھی گئی ہے اس میں بھی تمہارا فائدہ ہے مثلاً اگر ایک سو بیگہ زمین لکھ دی جاتی اور تمہاری خدمت ایک ہزار بیگہ کی مستحق

---

[1] منظورۃ السعدا صـ۱۱۴۱

[2] منظورۃ السعدا صـ۱۱۴۲

ہوتی تو اس طرح تم نقصان میں رہتے یہ سن کر وہ خوش ہوگیا اور فرمان لے کر چلا گیا۔

ہندوؤں کو وعظ

ایک روز مولانا شاہ اسماعیلؒ نے مولوی سید نصیر الدین سہارنپوری کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ آپ گرفتار شدہ ہندوؤں کے پاس جائیں اور انہیں وعظ و تلقین سے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو ان سے کہیں کہ بصورتِ دیگر تمہیں بخارا لے جاکر فروخت کر دیا جائیگا۔ کیونکہ تم مالِ غنیمت کے طور پر ہمارے ہاتھ آئے ہو اور تمہارا فدیہ دینے والا کوئی موجود نہیں۔ چنانچہ مولوی نصیر الدین ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ اس پر مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ پھر سن لو کہ اگر تم اسلام قبول کر لو گے تو تمہاری عزت میں اضافہ ہوگا ورنہ تمہیں بخارا لے جاکر فروخت کر دیا جائے گا۔ وہاں تمہیں یا تو چمڑا رنگنے والے خریدیں گے یا جھاڑو دینے والے۔ اس طرح تمہیں سخت ذلت اٹھانی پڑے گی۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ ایمان نہ لائے اور کہا کہ ہمارے رشتہ دار آکر آپ کو ہمارا فدیہ نقد ادا کر دیں گے[1]۔

نمازِ تراویح کی امامت

رمضان المبارک کی ۲۷ ویں رات تھی کہ نمازِ عشاء کے فرض ادا کرنے کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے فرمایا آج میرا بھی دل چاہتا ہے کہ دو رکعت تراویح پڑھ لوں مگر شرط یہ ہے کہ امام مجھے بنایا جائے۔ یہ سن کر مولوی نصیر الدین نے عرض کیا کہ آپ کی موجودگی میں کون امام بننے کی جرأت کرے گا۔ اسکے بعد شاہ اسماعیلؒ امام کی جگہ پر بیٹھ گئے اور تراویح کی نیت باندھ لی۔ آپؒ نے ان دو رکعتوں میں سورۂ بنی اسرائیل ایسے پُر لطف انداز سے پڑھی کہ کسی نمازی کو کسی بھی امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں وہ سرور اور حظ نہیں آیا ہوگا جیسا اس روز شاہ اسماعیلؒ کے پیچھے حاصل ہوا۔

۲۹ رمضان کو جب عید کا چاند دیکھنے کا وقت آیا تو عجب منظر دیکھنے میں آیا۔ شاہ صاحبؒ نے بھی بڑے تعجب کا اظہار کیا۔ اس وقت ہر شخص مشرق کی طرف منہ کر کے چاند دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاہ اسماعیلؒ نے فرمایا کہ عجب بات ہے کہ ہر جگہ لوگ مغرب کی طرف ہلال کو تلاش کرتے ہیں لیکن اس مقام پر دیکھنے والوں کی نگاہ مشرق کی طرف ہے۔ بات یہ تھی کہ بالاکوٹ کے مغرب میں بہت اونچا پہاڑ واقع ہے

---

[1] منظورۃ السعداء صفحہ ۱۱

جب سورج اس کے پیچھے چلا جاتا تو عصر کا وقت ہو جاتا، اس طرح دو تین تاریخ تک ہلال نظر نہ آتا۔ مشرق کی طرف بھی بہت اونچا پہاڑ ہے۔ اس پر کالو خاں نامی گوجر رہتا تھا وہی رمضان، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا چاند دیکھنے کے بعد بندوقیں سر کرتا تھا۔ پس یہ وجہ تھی کہ لوگ مغرب کی بجائے مشرق کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں پہاڑ کی چوٹی پر کالو خاں کے آدمی کھڑے ہوئے تھے تاکہ چاند نظر آنے پر بندوقیں سر کر دیں۔ چنانچہ اس روز بھی کالو خاں نے بندوق سر کی۔ صبح کو عید الفطر کی نماز دریائے کنہار کے مشرق اور جنوب کے کنارے ادا کی گئی۔

نذر کی گائے

اسی روز ایک شخص شاہ اسماعیل ؒ کی خدمت میں نذر کی گائے لیکر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے منت مانی تھی کہ اگر میری فلاں حاجت پوری ہو جائے گی تو ایک گائے بطور نذر ذبح کروں گا میری وہ حاجت پوری ہو گئی ہے۔ پس آپ یہ گائے ذبح کرا کر اس کا گوشت مجاہدین میں تقسیم فرما دیں۔ شاہ صاحب ؒ نے گائے ذبح کی اور حکم دیا کہ اس کا گوشت مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ جب گوشت تقسیم ہونے لگا تو میر امام علی اللہ آبادی نے شاہ صاحب ؒ سے عرض کیا کہ میں سید ہوں اس لئے میں یہ گوشت نہیں کھا سکوں گا۔ شاہ صاحب ؒ نے فرمایا میں آپ کو اس سے محروم نہیں رہنے دوں گا۔ اس کے بعد آپ ؒ نے فرمایا کہ میرا حصہ لایا جائے۔ جب آپ ؒ کا حصہ آ گیا تو آپ ؒ نے فرمایا کہ یہ میری طرف سے ہدیہ کے طور پر میر امام علی کے پاس بھیجدیا جائے[1]

شیر سنگھ کا بھوگڑمنگ کو رُخ

اسی دوران میں شیر سنگھ ابن رنجیت سنگھ کو مجاہدین کی نقل و حرکت اور ان کے بالاکوٹ پہنچنے کی اطلاع ہو گئی۔ وہ نہایت تیزی سے اپنے لشکر کے ہمراہ گڑھی حبیب اللہ پہنچا۔ یہاں سے پہلے مظفر آباد گیا اور وہاں پہنچکر سلطان زبردست خاں اور اس کے ساتھیوں کا حال معلوم کیا۔ ادھر سے فارغ ہو کر پھر گڑھی حبیب اللہ واپس آ گیا۔ اس کے بعد اس نے گڑھی اور اس کے مضافات کے دورے کئے شنکیاری اور بھوگڑمنگ تک سکھوں کی جتنی گڑھیاں تھیں ان سب سے سامانِ رسد اور سپاہی جمع کئے۔ جس گڑھی میں سو آدمی ہوتے ان میں سے دس چھوڑ دیتا۔ جن میں دو سو آدمی ہوتے ان میں بیس

---

[1] منظورۃ السعداء ص ۱۱۴۴

چھوڑ دینا اور باقی اپنے ہمراہ لے لینا۔ اس طرح اس نے بہت بڑی فوج تیار کر لی۔ پشاور سے جو فوج اس کے ساتھ آئی تھی اسے بھی مجاہدین سے نبرد آزما ہونے کے لئے اس بڑی فوج میں شامل کیا۔ اس کے بعد اس نے سب سے پہلے بھوگڑ منگ پر حملے کا ارادہ کیا۔ شاہ اسماعیلؒ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے شیر سنگھ کے ارادے کی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے سید صاحبؒ کو لکھا کہ یہ کافر درۂ بھوگڑ منگ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اس لئے آپؒ ہوشیار رہیں اور اگر ضرورت ہو تو ہم عاجزوں کو امداد کے لئے طلب فرمائیں۔ سید صاحبؒ نے بھوگڑ منگ میں مجاہدین کے امیر مولوی خیرالدین شیر کوٹی کو صورتِ حال سے مطلع کیا اور چوکس رہنے کی ہدایت کی۔ یہی وجہ ہے کہ جب سکھوں کا لشکر بھوگڑ منگ پہنچا تو مجاہدین ان کے مقابلے کے لئے پہلے سے تیار تھے اور انہوں نے بستی کے تین طرف بلندی پر اپنے مورچے قائم کر رکھے تھے۔ جب شیر سنگھ کے لشکر پر ان تینوں اطراف سے گولیوں کی بارش ہونے لگی تو وہ نا امید ہو کر واپس چلا گیا۔

بالاکوٹ میں جاسوسوں کی آمد و رفت

سکھوں کی زیادہ توجہ بالاکوٹ کی طرف تھی کیونکہ یہاں مجاہدین کی تعداد سب سے زیادہ تھی ان کے جرنیل شاہ اسماعیلؒ بھی یہاں موجود تھے۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے بھی یہ بڑی اہم جگہ تھی اور درۂ کاغان کے دبانے پر واقع تھی۔ اس لئے شیر سنگھ نے علاقے کے بعض مسلمانوں کو روپیہ دے کر خرید لیا۔ اور انہیں جاسوسی کی غرض سے بالاکوٹ بھیجنے لگا۔ چنانچہ سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں کہ بعض بظاہر مسلمان سکھوں کے لشکر سے بالاکوٹ آتے تھے اور آں جناب (شاہ اسماعیلؒ) فرماتے تھے کہ یہ لوگ جو مجھے دن کے وقت نظر آتے ہیں میرا خیال ہے ان میں اکثر جاسوس ہیں جو کافروں کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر کیا کروں بغیر شرعی گواہوں کے انہیں گرفتار نہیں کر سکتا۔ لشکرِ اسلام میں حفاظت اور نگہبانی کا نہایت اچھا انتظام تھا۔ ایک روز لشکرِ مجاہدین کے محافظوں نے شاہ صاحبؒ کو جگایا اور کہا کہ جنوب کی طرف جدھر شیر سنگھ کا لشکر متعین ہے بہت سی مشعلیں نظر آ رہی ہیں۔ آپؒ نے بیدار ہو کر دیکھا تو روشنی نظر آ رہی تھی۔ روشنی دیکھ کر آپؒ فرمانے لگے کہ تم لوگ خاطر جمع رکھو مجھے یقین ہے کہ یہ روشنی دشمن کے لشکریوں کی نہیں بلکہ تمہارے دوستوں کی ہے۔ میں قدرتِ الٰہی سے اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ تم پر کوئی شب خون نہیں مارے گا۔ تم اپنا فرض مستعدی سے ادا کرتے رہو اور روشنی کو غور سے دیکھتے رہو۔ اگر وہ اسی جگہ پر رہے اور تمہاری طرف نہ بڑھے تو اندیشہ نہ کرو۔ پس اس روز شاہ صاحبؒ

ساری رات نہایت اطمینان سے سوئے۔ صبح کے وقت رات کے واقعہ کا ذکر چھڑ گیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ جنوں میں سے بعض لوگ مسلمان ہیں، یہ ہماری حفاظت کرتے ہیں۔[1]

شاہ اسماعیلؒ کی تجویزِ شب خون

ایک روز شاہ اسماعیلؒ نے چند رفقا سے جن میں منشی محمد غوث، حسن شاہ، میاں ضیاالدین اور سید جعفر علی نقوی بھی شامل تھے کہا کہ شیر سنگھ کے ارادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارا مقابلہ کیئے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا۔ اس کے شر کو دفع کرنے کے لئے کوئی تجویز سوچنی چاہیئے۔ سب نے شاہ صاحبؒ کو اختیار دے دیا کہ آپ جو تجویز مناسب سمجھیں ہم اس پر عمل کریں گے۔ آپؒ نے فرمایا کہ مجھے تو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم شیر سنگھ کے لشکر پر رات کو حملہ کریں کیونکہ اس کے لشکر میں جو پہلے ہی کثیر التعداد ہے روز بروز اضافہ ہو رہا ہے پس ایک پہاڑ تجویز کرنا چاہیئے جو اس کی لشکر گاہ سے خاصا بلند ہو اور دیکھنے والے کو اس پہاڑ پر سے شیر سنگھ کے لشکر کا حال بخوبی معلوم ہو سکے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے ایک پہاڑ تجویز ہوا جس کے نیچے ایک وسیع میدان تھا۔ اسی میدان میں شیر سنگھ کا لشکر خیمہ زن تھا۔ اس کے بعد شب خون مارنے کے وقت پر تبادلۂ خیال ہوا۔ کسی نے کہا کہ آدھی رات کا وقت مناسب ہے، کسی نے کہا کہ نہیں رات کے آخری حصے میں شب خون مارنا چاہیئے۔ شاہ اسماعیلؒ کو ان میں سے کوئی رائے پسند نہ آئی۔ آپ نے فرمایا کہ دشمن کا لشکر نصف شب تک شب خون کے اندیشے سے بہت محتاط رہتا ہے اور ان کا معمول ہے کہ آخری رات سے لے کر صبح تک گرنتھ وغیرہ پڑھتے ہیں پس مناسب یہ ہے کہ شب خون مارنے والی جماعت عصر کے وقت ایک ایک دو دو کر کے اس پہاڑ کی طرف چلی جائے جس پر سے شب خون مارنا ہے اور منتشر ہو کر پہاڑ پر چڑھیں۔ خود کو پہاڑ کی اوٹ میں دشمن کی نظر سے پوشیدہ رکھیں۔ دو تین آدمی متفرق ہو کر سیاہ کمبل اوڑھ لیں اور چرواہوں کا بھیس بدل کر سکھوں کے لشکر کی طرف نگاہ رکھیں، غروبِ آفتاب کے وقت سے تاریکی ہونے تک اسی طرح کریں۔ اس کے بعد اگر دیکھیں کہ دشمن کھانا پکانے یا کھانے میں مصروف ہے تو بڑی

---

[1] منظورۃ السعدا صفحہ ۱۱۵۶ اس واقعے کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حضرت شاہ اسماعیلؒ کا ذاتی خیال تھا، ورنہ جنوں کی کوئی الگ مخلوق نہیں، اگر یہ واقعی جن تھے اور بالاکوٹ کے مجاہدین کی حفاظت پر متعین تھے تو اس روز کیوں نہ آئے جس روز سکھوں اور مسلمانوں میں تاریخی معرکہ ہوا جس میں سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیلؒ اور سیکڑوں مسلمان شہید ہو گئے۔ (مولف)

چابکدستی سے اس پر حملہ کر دیں اگر اس کا موقع نہ ہو تو رات کی تاریکی میں اپنے مسکن کی طرف واپس آجائیں۔

اسی اثنا میں ایک شخص نے تجویز پیش کی کہ جہاں دشمن کا لشکر مقیم ہے اس کے چاروں طرف پہاڑ واقع ہیں، صرف ایک راستہ ہے جو لاہور کو جاتا ہے مناسب ہوگا کہ پہلے اس راستے پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ دشمن کے لیئے بھاگنے کی راہ باقی نہ رہے۔ اس طرح اسکے سارے افراد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ تجویز سن کر شاہ اسماعیلؒ نے فرمایا کہ یہ طریقہ درست نہیں، راستہ بند نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کے بھاگنے کا راستہ کھلا رکھنا چاہیئے۔ شبخون مارنے کا مطلب باقاعدہ جنگ کرنا نہیں ہوتا کہ ایک فریق مکمل طور پر غالب اور دوسرا مکمل طور پر مغلوب ہو جائے بلکہ اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ اسے صدمہ اور نقصان پہنچایا جائے اور اس کے حوصلے پست کر دیئے جائیں، راستہ بند کرنے میں ایک قباحت یہ ہوتی ہے کہ جب بھاگنے والے کو راہِ فرار نظر نہیں آتی تو وہ زندگی سے مایوس ہو کر باقاعدہ جنگ پر مجبور ہو جاتا ہے۔[1]

آپؒ نے فرمایا کہ شبخون مارتے وقت یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ جرأت کر کے اس طرف جانا چاہیئے جدھر بڑے بڑے خیمے ہوں اور جہاں لوگوں کی کثرت ہو، کوشش کرنی چاہیئے کہ سردارِ لشکر مارا جائے تاکہ لشکر بغیر سردار کے رہ جائے، یہ کام بڑی تیزی سے کرنا چاہیئے۔ شب خون مارتے وقت ایسا انتظام ہو کہ ایک طرف سے حملہ کیا جائے اور دوسری طرف مار دھاڑ کر کے لوگ اپنے مسکن کی واپس آجائیں۔ جب شب خون کا دن اور وقت یعنی دوسرا دن اور عصر کا وقت طے ہو گیا تو ہر شخص کو تاکید کر دی گئی کہ اس راز کو مخفی رکھا جائے، ہر شخص اپنی اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ دوسرے روز نمازِ ظہر کے بعد لوگ مسلح ہو کر شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور دعا کے ساتھ رخصت کے طالب ہوئے کہ اتنے میں سید صاحبؒ کا ایک قاصد شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؒ کا فرمان شاہ صاحبؒ کو پیش کیا اس میں سید صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ حبیب اللہ خاں کو اپنا قائم مقام بنا کر فوری طور پر میرے پاس آجایئے۔ آخر میں سید صاحبؒ کی مہر تھی اور خط کی پیشانی پر آپؒ نے اپنے دستِ مبارک سے "اللہ کافی" کے الفاظ درج کر دیئے تھے۔ خط پڑھتے ہی شاہ اسماعیلؒ نے شبخون مارنے کے لیئے روانہ ہونے والوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی جگہ واپس چلے جاؤ۔ اکثر لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا اور دریافت کیا کہ پہلی تجویز منسوخ ہونے کا کیا سبب ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین کی طرف

---

[1] منظورۃ السعدا صـ ۱۱۵۸

سے میری طلبی کا فرمان آیا ہے۔ بعض لوگوں نے عرض کیا اگر آپ شب خون کی کارروائی کے بعد حضرت امیر المومنین کی خدمت میں جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آپؒ نے جواب میں فرمایا کہ میں خود حاکم نہیں بلکہ حضرت امیر المومنین کا تابع فرمان ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کے حکم میں عذر کروں۔ کچھ اور لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اس خط کا ایسا جواب تحریر کر دیں جس میں اپنے ارادہ شب خون کی تفصیل درج ہو۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین کی طرف سے طلبی کا حکم آنے پر عذر کی گنجائش کہاں، تم نے دیکھا نہیں کہ آنجناب کے خط پر مہر کے علاوہ تاکیدی الفاظ بھی ہیں۔ سید صاحب کے عام خطوط پر صرف آپ کی مُہر ہوتی تھی۔ لیکن جس خط پر آپ اپنی مہر لگانے کے علاوہ "اللہ کافی" کے تاکیدی الفاظ بھی اپنے قلم سے درج کر دیتے تھے، اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کی تعمیل میں عذر کی مطلق گنجائش نہیں خواہ وہ عذر کتنا ہی معقول کیوں نہ ہو۔ اسی بنا پر آپ اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ بہت کم لکھتے تھے۔ شاید ہزاروں میں ایک خط پر۔

اس کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھے کل صبح یہاں سے روانہ ہونا ہے اور نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ خداوند تعالےٰ خیر فرمائے، اس خط کے قرینے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے یہاں سے ہٹانے کی کارروائی حبیب اللہ خاں کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ اس سے قبل کھڑک سنگھ بھی اپنا لشکر لے کر اس کوہستان میں داخل نہیں ہو سکا۔ گلاب سنگھ بھی خائب و خاسر ہو کر چلا گیا۔ حبیب اللہ خاں کا خیال ہے کہ شیر سنگھ بھی واپس چلا جائے گا لیکن شیر سنگھ کے اطوار و انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ کیے بغیر ہرگز نہیں جائے گا کیونکہ مختلف گڑھیوں سے اس کا لشکر طلب کرنا اور سامانِ رسد جمع کرنا اسی بات کی دلیل ہے کہ اس کا ارادہ جنگ کرنے کا ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہفتہ بھی نہیں گزرے گا کہ حبیب اللہ خاں پھر خط لکھ کر ہمیں بالاکوٹ طلب کریگا۔ لیکن صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

شاہ اسماعیلؒ کی سچہ کو روانگی

غرض دوسرے روز شاہ اسماعیلؒ مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ "ست بنی" کے راستے موضع سچہ روانہ ہو گئے جہاں سید صاحبؒ مقیم تھے۔ سچہ پہنچکر شاہ صاحبؒ سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپؒ کے حکم سے مشکوٰۃ کا درس شروع کر دیا۔ ظہر کی نماز کے بعد سے کر عصر کی نماز شروع ہونے تک شاہ اسماعیلؒ مشکوٰۃ میں سے ایک فصل کے قریب ترجمہ کر کے حاضرین کی ایک بڑی مجلس کو سناتے اور

پھر اس کی تشریح فرماتے ۔ خود سید صاحبؒ بھی بعض احادیث کے اسرار و رموز بیان فرماتے ۔ یہ چشمۂ فیض ایک ماہ تک جاری رہا۔ شاہ اسماعیلؒ کا اندازہ درست ثابت ہوا اور ۱۵ ذی قعدہ کو حبیب اللہ خاں کا ایک خط سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا جس میں تحریر تھا کہ آپ فوراً تشریف لے آئیں کیونکہ شیر سنگھ کا لشکر بالاکوٹ سے تقریباً ڈھائی کوس کے فاصلے پر جنوب کی طرف دریا کے کنارے پہنچ گیا ہے ۔

شاہ اسماعیلؒ کی بالاکوٹ کو واپسی

چنانچہ سید صاحبؒ نے فوری طور پر لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور دوپہر کے قریب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے ۔ وہاں ٹھنڈے پانی کے چشمے رواں تھے ۔ آپؒ نے وہیں قیام کرنے کا حکم دیا لوگوں نے طہارت اور وضو کیا اور سید صاحب کی اقتدا میں نماز ظہر ادا کرنے کے بعد پھر لشکر کو کوچ کرنے کا حکم ملا۔ اس مقام کے بعد اترائی شروع ہوگئی ۔ کچھ دور چل کر پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان آگیا۔ یہاں پہنچکر سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ سے فرمایا کہ آپ مع لشکر کے بالاکوٹ روانہ ہو جائیں اور وہاں پہنچکر لشکر کے لئے کھانے پینے کا انتظام کریں ۔ انشاء اللہ نماز عصر کے بعد ہم بھی آجائیں گے ۔ چنانچہ شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ سے رخصت ہو کر بالاکوٹ پہنچ گئے اور نماز عصر وہیں ادا کی ۔ سید صاحبؒ نے ایک رات اس جگہ قیام کیا اور دوسرے روز نماز فجر ادا کر کے بالاکوٹ روانہ ہو گئے ۔ چند گھنٹے کے بعد سید صاحبؒ بھی بالاکوٹ پہنچ گئے اور حویلی واصل خاں میں مقیم ہوئے ۔

شاہ اسماعیل صاحبؒ اس مکان میں مقیم ہوئے جو مسجد بالا کے غربی جانب واقع تھا ۔ آپؒ کے ساتھ آپ کی جماعت کے اراکین اور مولوی احمد اللہ ناگپوری بھی تھے ۔ بالاکوٹ کے دوران قیام میں مجاہدین کی ترتیب و تنظیم کی ذمہ داریاں شاہ اسماعیلؒ کے سپرد تھیں اور وہی مجاہدین کے لشکر کے جرنیل تھے ۔ باہر سے آنے والے سرداروں سے ملاقاتیں اور تبادلۂ خیال بھی شاہ صاحبؒ ہی کرتے تھے ۔ اس کے علاوہ مجاہدین اور بالاکوٹ کے لوگوں کی دینی و اخلاقی تربیت بھی ان کے ذمہ تھی ۔ مسجد زیریں میں وہ روزانہ نماز پڑھاتے اور ہر روز صبح کو درس دیتے ۔ سکھوں کے حملے کا ہر وقت خطرہ تھا ۔ اس خطرے کے پیش نظر آپؒ ہی کے مشورے سے دو حفاظتی دستے ان مقامات پر متعین کر دیئے گئے جدھر سے سکھ لشکر کے حملہ آور ہونے کا امکان تھا ۔ پہلا دستہ لاہور کی طرف جانے والے راستے پر متعین کر دیا گیا ۔ یہ راستہ ایک چھوٹے سے پل کے اوپر سے ہو کر گذرتا تھا ۔ دوسرا دستہ اس پہاڑی مقام پر تعینات کر دیا گیا جو بعد میں شہید گلی کے

نام سے موسوم ہوا۔ پہلے دستے کے کمانڈر ملا لعل محمد قندھاری اور دوسرے دستے کے کمانڈر مرزا احمد بیگ پنجابی تھے۔

جنگِ بالاکوٹ

۵ رمئی ۱۸۳۱ء کی شام کو سکھ فوج جس کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی اپنے کمانڈر سردار شیر سنگھ کی قیادت میں بالاکوٹ کے قریب پہنچ گئی۔ اس کا پہلا مقابلہ شہید گلی کے مقام پر اس دستے سے ہوا جس کے کمانڈر مرزا احمد بیگ پنجابی تھے۔ چونکہ اس دستے کے افراد کی تعداد نہایت قلیل تھی اس لیئے اسے شکست ہوئی۔ بہت سے مجاہدین شہید اور زخمی ہو گئے۔ باقی پسپا ہو کر بالاکوٹ آ گئے۔ اب سکھ فوج کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا اس لیئے وہ بآسانی مٹی کوٹ کے پہاڑوں پر چڑھ گئی۔ جس کے نیچے بالاکوٹ واقع ہے۔ چونکہ رات ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے بالاکوٹ پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور رات اسی پہاڑ پر گذاری۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ سامنے پہاڑ پر "ٹڈی دل" دشمن کا قبضہ تھا اور نیچے بالاکوٹ میں مجاہدین کے امیر سید احمد شہید اور ان کے جرنیل شاہ اسماعیلؒ مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اپنی جانیں جانِ آفریں کے سپرد کرنے کے لیئے تیار تھے۔ سکھوں کے مٹی کوٹ کے پہاڑ پر قابض ہو جانے کے بعد صاف نظر آ رہا تھا کہ علی الصبح جنگ ہو گی۔ چنانچہ سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیلؒ کے مشورے سے مورچہ بندی کر دی اور امکان بھر بالاکوٹ کی مدافعت کا انتظام مکمل کر لیا (اس کی تفصیلات ہم اپنی کتاب شہادت گاہِ بالاکوٹ میں درج کر چکے ہیں) شاہ اسماعیلؒ نے اپنا مورچہ مسجد بالا کے قریب جانبِ شمال قائم کیا اور مجاہدین کا ایک دستہ ان کی قیادت میں اس علاقے کی مدافعت کے لیئے متعین ہو گیا۔ یہاں یہ بتا دینا بے محل نہ ہو گا کہ سکھ فوج کے پاس اعلیٰ درجے درجے کے آلاتِ جنگ کے علاوہ توپ خانہ بھی تھا جو انہوں نے بالاکوٹ کے مشرق میں دریائے کنہار کے کنارے قائم کر دیا۔ مجاہدین کے پاس توپ تو کیا ولایتی ساخت کی بندوقوں کا بھی فقدان تھا۔ تلواریں گنڈاسے اور دیسی ساخت کی توڑے دار بندوقیں ان کی کل کائنات تھی۔ اس بے سروسامانی کے باوجود انہوں نے جنگ لڑی اور خوب لڑی۔ صبح ہوتے ہی سکھ فوج مٹی کوٹ کے پہاڑوں سے بالاکوٹ کی جانب اترنے لگی اور ان کی بندوقوں اور توپوں کے گولے بالاکوٹ کے قریب آ کر گرنے لگے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر سید صاحبؒ بھی مسجد بالا سے مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ ہوئے انہیں جاتا دیکھ کر شاہ اسماعیلؒ بھی اپنے مورچے سے نکلے اور ان کے ساتھ ہو لیئے۔ مسجد زیریں

میں چند منٹ قیام کرنے کے بعد سید صاحبؒ اچانک دلدل میں داخل ہو گئے جس کی دوسری طرف سکھ فوج پہاڑ سے اتر کر نیچے آرہی تھی۔ سید صاحبؒ کو دلدل میں داخل ہوتا دیکھ کر شاہ اسماعیلؒ نے بلند آواز سے حکم دیا کہ لمبی مار کی بندوقوں والے غازی امیر المومنین کے اردگرد ہو جائیں۔ اس کے بعد طرفین میں دو بدو جنگ شروع ہو گئی جس میں پہلے سکھ فوج کو شکست ہوئی اور اس کے سیکڑوں سپاہی اور افسر جو پہاڑ سے نیچے اتر آئے تھے مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے۔ باقی سکھ میدانِ جنگ سے فرار ہو کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ انہیں بھاگتا دیکھ کر شیر سنگھ نے للکارا اور ان کی ہمت بندھائی بھاگتی ہوئی سکھ فوج پھر واپس آئی اور پوری شدت سے حملہ کیا۔ اس مقابلے میں سید صاحبؒ مع اپنے بہت سے جاں نثاروں کے شہید ہو گئے۔

شاہ اسماعیلؒ کی شہادت

سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد شاہ اسماعیلؒ اور ارباب بہرام خاںؒ نے بچے کھچے مجاہدین کو اپنے ساتھ لیا اور سکھوں سے جنگ کرتے ہوئے بالاکوٹ کے شمال مشرق کی طرف ہٹتے چلے گئے۔ آگے (قصبۂ بالاکوٹ سے نصف میل کے فاصلے پر) "ست بنی کا نالہ" تھا۔ یہ نالہ عبور کر کے آپ نے سکھوں پر آخری ضرب لگائی۔ دونوں طرف سے شدید فائرنگ ہوئی۔ اسی فائرنگ کے دوران شاہ اسماعیلؒ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ اندوہناک سانحہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو ظہر کے وقت جمعہ کے دن پیش آیا۔

مولانا سید جعفر علی نقوی نے شاہ اسماعیلؒ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنگ کے دوران پہلی گولی شاہ اسماعیلؒ کے سرِ مبارک پر لگی۔ پیشانی اور داڑھی خون سے تر ہو گئی۔ اس حالت میں بھی آپؒ کو ایک ہی فکر تھی کہ سید صاحبؒ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ چنانچہ آپ نے ایک غازی امان اللہ سے پوچھا کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ انہوں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ "آپؒ نالے کے اس جانب ہیں" باوجودیکہ اس طرف سے بڑی کثرت سے گولیاں آرہی تھیں اور آپ زخمی بھی تھے مگر زخمی ہونے کے باوجود یہ کہتے ہوئے اسی طرف چل پڑے کہ اے بھائی ہم تو (سید صاحبؒ کے پاس) جاتے ہیں[1]

"وقائع احمدی" کے مصنف کا بیان ہے کہ لعل محمد جگدیش پوری مٹی کوٹ نامی کے دامنِ کوہ

---

[1] منظورۃ السعدا صفحہ ۱۱۹۴

رہے تھے۔ ان کے بائیں طرف مولانا اسماعیلؒ رائفل کندھے پر ڈالے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے آگئے اور لعل محمد سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ انہوں نے ایک ہجوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس طرف ہیں۔ یہ سن کر آپؒ تیز تیز قدموں سے ہجوم کی طرف چلے گئے۔ یہ سب بیانات ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے شاہ صاحبؒ کو بالاکوٹ کے سامنے چاولوں کے کھیتوں کے پار جنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ مقام مٹی کوٹ کے پہاڑ کے دامن میں ہے یہیں سید صاحبؒ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا اور مجاہدین کی کثیر تعداد جنگ کرتی ہوئی سید صاحبؒ پر سے پروانہ وار قربان ہوگئی۔ اس کے بعد کے حالات ان مجاہدین کو معلوم نہ ہو سکے کیونکہ یہ لوگ شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ "ست بنی" کے نالے کی طرف نہیں جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد جب سکھوں کا دباؤ بڑھتا گیا تو آپ نے بقیۃ السیف مجاہدین کو ساتھ لیا اور سکھ لشکر سے جنگ کرتے ہوئے "ست بنی" کا نالہ عبور کر کے قصبۂ بالاکوٹ کے شمال مشرق کی طرف چلے گئے اور وہاں اس وقت تک بندوق ہاتھ سے نہ چھوڑی جب تک کہ آپ کے جسم میں حرکت کرنے کی طاقت باقی رہی۔ یہیں آپ کے مخلص رفیقِ کار اور دوست ارباب بہرام خاں نے بھی شہادت پائی۔

شاہ اسماعیلؒ کا مدفن

غالباً دوسرے روز اسی مقام پر آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا جہاں آج بھی آپؒ کی قبر ایک چھوٹی سی چار دیواری میں موجود ہے۔ یہ مقام "ست بنی" کے نالے کے کنارے خاصی بلندی پر واقع ہے اس کے قریب ہی "برنہ" نالہ "ست بنی" کے نالے سے ملتا ہے اور آگے بڑھ کر دونوں نالے ایک نالے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ برسات میں اس نالے کا پانی مزار کی جڑ کے قریب سے ہو کر گذرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ چند سال سے پانی نے مزار کی چار دیواری کو نقصان پہنچایا اور مزار کی ایک دیوار کا کچھ حصہ منہدم ہوگیا تھا۔ گذشتہ سال محکمہ اوقاف نے زرِ کثیر صرف کر کے پتھروں کا مضبوط اور خوبصورت پشتہ بنا دیا ہے اور مزار کا فرش بھی پختہ کر دیا ہے اور اب یہ مزار بظاہر محفوظ ہوگیا ہے البتہ زائرین کیلئے اس تک پہنچنا اب بھی بہت دشوار ہے۔ صورت یہ ہے کہ سڑک اور مزار کے درمیان ایک بڑا پہاڑی نالہ ہے اس میں اتر کر اور چٹانوں اور پانی میں گذر کر مزار تک پہنچنا پڑتا ہے۔ جوان لوگ تو یہ ریاضت برداشت کر لیتے ہیں مگر بچوں بوڑھوں اور مستورات کو بڑی دشواری پیش آتی ہے اور کتنے ہی لوگ راستے کی دشواریاں دیکھ کر مایوس و محروم واپس چلے جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ

محکمہ اوقاف یا حکومت سرحد کا کوئی اور محکمہ اس نالے پر پل تعمیر کردے تاکہ زائرین کی یہ دشواری ختم ہو اور ہر شخص عالم اسلام کے اس بطل جلیل کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر نذر عقیدت پیش کر سکے۔

شاہ صاحبؒ کی شہادت کے بعد عرصے تک آپؒ کی قبر کی نشاندہی نہ ہو سکی۔ ۱۸۹۳ء میں موضع زیدہ مضافات مانسہرہ کے ایک خان عجب خاں اس علاقے کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے۔ یہ خاندان سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کا عقیدت مند تھا۔ اس عقیدت مندی کی وجہ سے خان عجب خاں نے بالاکوٹ جاکر سن رسیدہ اور معتبر افراد کو جمع کیا اور دونوں قبروں کی نشاندہی کی۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قبر پر انہوں نے ایک ایک کتبہ بھی نصب کیا۔ یہ کتبہ ناتراشیدہ پتھر پر ٹیڑھے ترچھے حروف میں کندہ ہے اور اب قبر کے جانب مشرق چاردیواری میں نصب ہے۔ شاہ صاحبؒ کے سرہانے فرید آباد کے ایک صاحب نے ۱۳۷۲ھ میں نیا کتبہ نصب کیا جس کی عبارت درج ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدفن

حضرت مولوی شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ دہلوی بن شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی

رحمتہ اللہ علیہم

ولادت شنبہ ۲۸ شوال ۱۱۹۶ھ

شہادت جمعہ ۲۴ ذی قعد ۱۲۴۶ھ

اے ذبیح اللہ اسماعیل ما — شد ندایت صور اسرافیل ما

خونِ خود را در کہ و کہسار ریخت — لیک بیخ حریت در ہند بیخت

احقر العباد سید اسد علی انوری فرید آبادی این کتبہ را

در ماہِ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ نصب کرد

شاہ اسماعیلؒ کی ازواج و اولاد

شاہ اسماعیلؒ کے والد ماجد شاہ عبد الغنیؒ درویش صفت اور متوکل بزرگ تھے۔ ساری عمر گوشہ نشینی میں گذار دی۔ کسی سے ہدیہ یا تحفہ قبول نہ کیا۔ اس خودداری و استغنا کی وجہ سے

زندگی نہایت عسرت میں بسر ہوئی اور وفات کے وقت ایسا کوئی ترکہ نہ چھوڑا جو اہل وعیال کی کفالت کا موجب ہوتا۔ ان کے انتقال کے بعد شاہ اسماعیلؒ کی پرورش اور ان کی تعلیم وتربیت ان کے چچا شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے ذمے لے لی۔ شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے یتیم بھتیجے کے ساتھ بیٹوں کی طرح سلوک کیا۔ صاحب ارواحِ ثلاثہ کا بیان ہے کہ "شاہ عبدالقادرؒ نے اپنی زندگی ہی میں کل جائداد شرعی حصص کے مطابق اپنی اکلوتی صاحبزادی بی بی زینب اور اپنے بھائیوں کے نام کر دی تھی۔ شاہ اسماعیلؒ کو چونکہ بیٹے کی طرح پالا تھا اس لئے اپنی صاحبزادی اور بھائیوں کی اجازت سے کچھ حصہ ان کے نام بھی کر دیا[۱] بعد میں اپنی نواسی سے اُن کی شادی کر دی۔ چنانچہ فتاویٰ عزیزی کے مولف کا بیان ہے کہ شاہ عبدالقادرؒ کی صرف ایک دختر تھیں جن کی شادی انہوں نے اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ سے کر دی تھی۔ ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ جن سے آپ نے شاہ اسماعیلؒ کا عقد کر دیا[۲]۔

شاہ محمد عمرؒ

اس عفیفہ سے شاہ اسماعیلؒ کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جن کا نام محمد عمرؒ تھا۔ ان کے علاوہ اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔ شاہ محمد عمرؒ اپنے جدِ بزرگوار شاہ عبدالغنیؒ کی طرح نہایت مستغنی المزاج انسان تھے۔ ساری عمر گوشہ نشینی میں گذار دی۔ تعلیم اپنے خاندانی مدرسے میں حاصل کی۔ اساتذہ میں صرف شاہ محمد اسحاق کا اسم گرامی معلوم ہو سکا[۳] نہایت خدارسیدہ بزرگ تھے۔ مفتی صدرالدین خان کا بیان ہے کہ شاہ محمد عمر صاحبؒ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بہت کثرت سے ہوتی تھی[۴] بعض دفعہ جذب کا غلبہ بھی ہو جاتا تھا[۵] نماز نہایت خضوع خشوع سے ادا کرتے۔ رکوع وسجود میں اتنا طویل وقفہ دیتے کہ اس دوران میں آدمی سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ ۲۷، ۲۸ بار پڑھ لیتا[۶]۔

خودداری واستغنا کا یہ حال تھا کہ امرا و بادشاہ سے بھی ملنے سے گریز کرتے۔ چنانچہ

---

[۱] ارواحِ ثلاثہ ص۵۲ [۲] فتاویٰ عزیزی مولفہ محمد عبدالاحد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۲ھ [۳] تراجم علمائے اہل حدیث ص۱۲۴ جلد اول مولفہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہری مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی۔ [۴] ارواحِ ثلاثہ ص۱۵۲ [۵] ارواحِ ثلاثہ ص۱۵۳ [۶] حیات بعد المماۃ ص۱۱۱ مولفہ فضل حسین مظفر پوری بہار (۱۹۰۸ء مطبع اکبری آگرہ)

"حیاۃ بعد المماۃ" کے مؤلف کا بیان ہے کہ بادشاہ دہلی نے اکثر ان کی ملاقات کی تمنا کی اور ارکین دولت کو پیغامِ ملاقات دے کر ان کے پاس بھیجا۔ آپ نے جواب میں یہی کہا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ میری ملاقات چاہتے ہیں ان کی بزرگی مجھ میں نہیں ہے اور اسی عذر پر کبھی ملاقات نہیں کی[1]

سخاوت کا یہ حال تھا کہ خاندان ولی اللہی میں ان کے پائے کا سخی ایک بھی نہیں ہوا اس خاندان میں چار بزرگوں کی سخاوت مشہور ہے۔ چوتھے بزرگ یہی شاہ محمد عمر رح تھے جن کے متعلق ایک بڑے عالم کا بیان ہے کہ ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ٹوپی مانگتا تو یہ ٹوپی بھی دے دیتے۔ اس کے بعد کہتے کہ لو یہ عمامہ بھی لے جاؤ۔ پھر کہتے کہ اچھا یہ کرتہ بھی لے جاؤ[2]

۲۲ر جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ کو شاہ محمد عمر رح کا انتقال ہو گیا۔ "مرگ شیخ زمان" سے تاریخ وفات نکالی گئی[3]۔ شاہ محمد عمر لاولد فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد اس خاندان کی صلبی اولاد ختم ہو گئی مگر روحانی اولاد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا اور آج لاکھوں انسان شاہ اسمٰعیل رح کے عقیدت مند ہیں اور انہیں اپنا روحانی پیشوا اور ملت اسلامیہ کا محسن قرار دیتے ہیں۔

---

[1] حیاۃ بعد المماۃ ص۱۱۵
[2] ارواحِ ثلاثہ ص۴۲
[3] فتاوٰئ عزیزیہ ص۱۱ (حاشیہ)

شاہ اسماعیلؒ کی علمی خدمات

شاہ اسماعیل شہیدؒ ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں اپنی عظمت کے انمٹ نقوش ثبت کر دیئے۔ وہ ایک طرف بہت بڑے سماجی و دینی مصلح، شعلہ بیان خطیب، اپنے عہد کے عظیم جرنیل اور نہایت بہادر انسان تھے تو دوسری طرف بہت بڑے عالم، ممتاز مصنف اور عربی و فارسی کے صاحبِ طرز انشا پرداز بھی تھے۔ اگرچہ اپنے مختلف النوع مشاغل کی وجہ سے آپؒ کو تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دینے کا پورا موقع نہ مل سکا اور نواب صدیق حسن خان کے بقول:

"آپؒ نے اکثر تصانیف سفر کے دوران لکھیں اور ان پر نظرِ ثانی کا موقع نہیں ملا۔ اس کے باوجود بلاغتِ انشا، فصاحتِ املا، لطافتِ بیان اور تحقیقِ معانی میں آپؒ کی تصانیف آپؒ کے معاصرین بلکہ بعض سابقین علما سے بھی بلند ہیں۔ اگر دوسرے اہل علم کی طرح آپؒ کو تصنیف و تالیف کی فرصت ملتی اور اطمینانِ خاطر سے ایک جگہ بیٹھ کر تصنیف کے کام میں مشغول ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ آپؒ نے کیسے کیسے عظیم الشان تصنیفی کارنامے انجام دیئے ہوتے"[1]

شاہ اسماعیلؒ کی تصانیف کی فہرست زیادہ طویل نہیں۔ آپ نے چند کتابیں لکھیں مگر جن لوگوں کو ان کتب کے مطالعے کا موقع ملا ہے وہ شہادت دیں گے کہ ان میں ہر کتاب اپنے پر اگر حرفِ آخر کی نہیں تو سند کی حیثیت ضرور رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے آپؒ کی وسعتِ علم

---

[1] اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین ص ۴۱۲ مصنف نواب صدیق حسن خاں مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ

جدتِ فکر، اسلوبِ ادا اور مختلف علوم میں مجتہدانہ شان کا اندازہ ہوتا ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شاہ اسماعیلؒ اپنے زمانے کے عظیم مجتہد تھے۔ ذیل میں آپ کی تصانیف کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ اسماعیلؒ کی تصانیف

(۱) ــــ ردّالاشراک : یہ رسالہ عربی میں ہے۔ شرک کی باریک درباریک اقسام اور غیر شرعی رسوم کے رد میں اس سے بہتر کتاب شاید ہی لکھی گئی ہو۔ اس میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک بار یہ رسالہ الگ سے شائع ہوا تھا۔ دوسری بار نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے " الادراک لتخریج احادیث ردّالاشراک" کے نام سے شائع کیا تھا۔ ہمارے پیشِ نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا تھا۔ شروع میں نواب صدیق حسن خاں کا رسالہ " قطف الثمر فی بیان عقیدۃ اہل الاثر" ہے جو مع فہرست عنوانات ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ سائز بہت بڑا ہے یعنی ۲۷ × ۱۷ ایک صفحے میں ۲۷ سطریں ہیں۔ ابتدا میں مختصر سا دیباچہ ہے۔ آخر میں عنوانات کی فہرست ہے۔ کاغذ باریک اور بہت نازک سیالکوٹی قسم کا ہے۔ رسالے کو مندرجہ ذیل ۳۵ عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) باب الاجتناب عن الاشراک (۲) باب رد الاشراک فی العلم (۳) ذکر رد الاشراک فی التصرف (۴) ذکر رد الاشراک فی العبادۃ (۵) ذکر رد الاشراک فی العادات (۶) باب الاعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ (۷) ذکر حقیقۃ الایمان (۸) ذکر الایمان بالقدر، (۹) ذکر الصحابہ واہل البیت (یہ سب سے طویل باب ہے) (۱۰) ذکر ردِ بدعاتِ قبور (۱۱) ذکر ردِ بدعات التقلید (۱۲) ذکر ردِ بدعات الرسوم (۱۳) ومنہا افتخار بالانساب (۱۴) ومنہا افراط التنظیم فیما بینہم (۱۵) ومنہا المغالات فی المھور والاسراف فی الولائم بل وفی کل ما یتعلق بالاعراس۔ (۱۶) ومنہا ما نعتہ عن النکاح الثانی (۱۷) ومنہا التوحید والاحداد (۱۸) ومنہا الافراط فی التزئین (۱۸) اما النہی الاجمال فلمارد ی (۱۹) اما النہی التفصیلی عن کل واحد من الابواب

(۲۰) وعن لبس الحریر (۲۱) وعن المعصفر (۲۲) وعن استعمال التصاویر (۲۳) وعن الاسبال (۲۴) وعن لباس الشہرۃ (۲۵) وعن الباس الرقیق (۲۶) وعن التحلی بالذہب (۲۷) وعن اتخاذ الاوانی من الذہب والفضۃ (۲۸) وعن تشبہ الرجال بالنساء و بالعکس (۲۹) وفی باب السلاح (۳۰) وفی باب المراکب (۳۱) وفی باب المساکین (۳۲) وفی باب الطیب (۳۳) وفی باب الفراش (۳۴) وفی باب تزئین الشعر (۳۵) وفی الوجوہ الممنوعۃ من تزئین النساء — اس کتاب کے مضامین و اثرات پر "تقویۃ الایمان" کے زیرِ عنوان گفتگو کی جائے گی۔

(۲)— تقویۃ الایمان : (اردو)

یہ شاہ اسماعیلؒ کی سب سے مشہور کتاب ہے اور اب تک اس کے بے شمار نسخے شائع شائع ہو چکے ہیں جن کی تعداد پچاس لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ بلاشبہ اردو زبان کی کوئی کتاب اتنی کثیر تعداد میں شائع نہیں ہوئی، یہ اس کتاب کی مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہی کتاب سب سے زیادہ اعتراضات کا ہدف بنی اور اس کے رد میں بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ شاہ اسماعیلؒ پر کفر کے فتوے بھی اسی کتاب کی وجہ سے لگائے گئے۔ بعض لوگوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔ خاص اہلِ علم کے علاوہ عام تعلیم یافتہ اصحاب بھی اس حقیقت سے واقف نہیں کہ "تقویۃ الایمان" دراصل شاہ صاحبؒ کی عربی کتاب "ردّ الاشراک" کے پہلے حصے کا ترجمہ ہے جو خود شاہ صاحبؒ نے کیا تھا۔ اس کتاب کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے اس عہد کے ایک علم دوست بزرگ مولانا امیر شاہ خاں خورجوی لکھتے ہیں کہ "مولوی اسماعیلؒ صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی، چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوی کے کتب خانے میں بھی تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں (دوستوں) کو جمع کیا جن میں حضرت سید صاحبؒ، مولوی عبدالحئی صاحبؒ، شاہ اسحاق صاحبؒ، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولوی فرید الدین صاحبؒ مرادآبادی، (حکیم) مومن خان (مومن)، عبداللہ خاں علوی (استاد امام بخش صہبائی و مولانا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور ان کے سامنے "تقویۃ الایمان" پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے

ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لیے میں اس کام سے معذور ہوگیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لئے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے۔ اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جاوے ورنہ چاک کر دیا جاوے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ اس پر مولوی عبدالحی صاحبؒ شاہ اسحاق صاحبؒ اور عبداللہ خاں علوی و مومن خاں (مومنؔ) نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے، چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہوگئی ۔ اشاعت کے بعد مولانا حج کو تشریف لے گئے"[1]

اب تک اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا سب سے قدیم ایڈیشن تو وہی ہے جو ۱۸۲۶ء میں اس وقت شائع ہوا تھا جب شاہ صاحبؒ حج کے لئے روانہ ہو چکے تھے اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں مطبع دارالعلوم دہلی سے شائع ہوا تھا اور ۹۲ صفحات پر مشتمل تھا اس کا ایک اور ایڈیشن اردو ٹائپ میں مطبع محسنی کلکتہ سے منشی غلام مولا اور منشی واجد کی نگرانی میں ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا تھا، یہ چند قدیم ایڈیشن ہیں۔ ان کے علاوہ سیکڑوں ایڈیشن شائع ہوئے آخری اور سب سے مستند ایڈیشن وہ ہے جو اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور سے آخری بار اکتوبر ۱۹۷۱ء میں آفسٹ پر نہایت خوبصورت شائع ہوا ہے اور مولانا غلام رسول مہرؔ نے ایڈیٹ کیا ہے۔ آغاز میں شاہ اسماعیلؒ کے مختصر مگر نہایت جامع سوانح حیات بھی شامل اشاعت کئے گئے ہیں جو مولانا غلام رسول مہر (مرحوم) نے قلمبند کئے تھے۔ مہر صاحب نے شاہ اسمٰعیلؒ کے سوانح کے ساتھ ساتھ "تقویتہ الایمان" کے مطالب کا ایک سرسری خاکہ بھی پیش کیا ہے۔ حاشیے میں ان احادیث کے حوالے بھی دیدیئے ہیں، جنہیں شاہ صاحبؒ نے کتاب کے متن میں درج ہے۔ بعض مفید اشارے بھی کئے ہیں جن سے کتاب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

تقویتہ الایمان کے عنوانات وہی ہیں جو شاہ صاحبؒ کی عربی کتاب ردالاشراک کے پہلے حصے کے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کا انداز بیان نہایت دلنشیں ہے، ہر دعوے کے حق میں

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۸۰ - ۸۱

صرف قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے ہیں اور کسی کتاب یا کسی کے قول پر اپنی کتاب کی بنیاد نہیں رکھی۔ چنانچہ آپؒ نے قرآن حکیم کی ۳۶ آیتیں اور مشکوٰۃ کی ۴۳ حدیثیں پیش کرکے شرک و بدعت کا رد کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور جلالت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور رسالت کا حقیقی تصور ابھرتا ہے، شرک کی بیخ کنی ہوتی ہے اور اسلام کی سچی اور صاف تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اور قاری محسوس کرتا ہے کہ اسلام کی تعلیم کتنی پاکیزہ، ارفع واعلیٰ اور سادہ تھی جسے چیستاں بنا دیا گیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے نہایت صحیح لکھا ہے کہ اگر تقویۃ الایمان پانچسو سال قبل شائع ہو جاتی تو آج ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی[1] اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ ترجمہ میر شہامت علی نے کیا تھا۔ انگریزی ترجمہ کا ایک جدید ایڈیشن شیخ محمد اشرف ناشر کتب کشمیری بازار لاہور نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ مولانا غلام رسول مہرؔ نے "تقویۃ الایمان" کے مقدمے میں اس کتاب کے دو قلمی نسخوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۱) قلمی نسخہ مکتوبہ ۷، ذیقعدہ ۱۲۵۲ھ (۱۳ر فروری ۱۸۳۷ء) کل ۱۱۴ صفحات۔ فی صفحہ ۱۴ سطر۔ فی سطر ۱۶ الفاظ۔ بعض اوراق قدرے کرم خوردہ ہیں۔ ابتدائی آٹھ صفحات غائب۔ مہر صاحب کے خیال میں یہ سب سے پرانا مخطوطہ ہے۔

(۲) قلمی نسخہ صفحات ۲۳۷۔ فی صفحہ ۸ سطر۔ فی سطر ۱۴ الفاظ۔ کتابت عمدہ، کاغذ اچھا۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔ یہ دونوں نسخے خلیل الرحمٰن داؤدی صاحب نے مہر صاحب کو دیئے تھے۔

تقویۃ الایمان کے انقلاب آفریں نتائج

اس میں شبہ نہیں کہ "تقویۃ الایمان" کی اشاعت کے بعد جس ناگوار ردِّعمل کا شاہ اسمٰعیلؒ کو اندیشہ تھا وہ ظاہر ہوا اور مخالفت کا طوفانِ عظیم امنڈ آیا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ شاہ صاحبؒ کا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہوا کہ "کچھ دن کے بعد لوگ لڑ بھڑ کر آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔" چنانچہ یہی ہوا جس قدر اس کتاب کی مخالفت بڑھتی گئی اسی قدر اس کی مقبولیت اور اثرات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ شاہ صاحبؒ کے بعض شدید مخالف بھی کتاب

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ مولانا عبید اللہ سندھی

پڑھ کر اور اس کے مطالب پر غور کر کے آپ کے ہم نوا بن گئے۔ چنانچہ اس دور کے جید عالم ملا صاحب بغدادی بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جو "تقویۃ الایمان" کی وجہ سے آپؒ کے سخت مخالف ہو گئے تھے اور اس کتاب پر متعدد اعتراضات کئے تھے۔ حج سے واپس آکر ۱۲۴۷ھ میں شاہ صاحبؒ نے کانپور سے ملا صاحبؒ بغدادی کو ایک خط لکھا جس میں ان کے اعتراضات کے نہایت مدلل و مسکت جوابات دیئے۔ ملا موصوف پر شاہ صاحبؒ کے اس مدلل خط کا نہایت اچھا اثر ہوا اور انہوں نے اپنے اعتراضات واپس لے لئے۔ چنانچہ خود شاہ اسماعیلؒ لکھتے ہیں کہ "یہ خط ۱۲۴۷ھ میں اس وقت تمام ہوا جب کہ میں کانپور میں تھا اور سید بغدادی کے نام بھیجا گیا تھا جب کہ جاہلوں نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا۔ اسے پڑھ کر غور کرتے ہوئے وہ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ تم نے اپنی کتاب (تقویۃ الایمان) میں جو کچھ لکھا ہے بالکل ٹھیک لکھا ہے اور میں نے جو کچھ آپ کی نسبت کہا وہ محض اس وجہ سے تھا کہ میں آپ کا کلام سمجھ نہ سکا، کیونکہ آپ کا رسالہ اردو زبان میں تھا اور میں عرب کا رہنے والا ہوں اردو بالکل نہیں سمجھتا ہوں۔ اس پنجابی نے آپ پر بہتان لگایا اور مجھے غلط ترجمہ کر کے سنایا آپ مجھ سے خفا نہ ہوں"[1]

مولانا رشید احمد گنگوہی جو علمائے دیوبند کے اکابر میں سے تھے "تقویۃ الایمان" کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اس سے بہت نفع ہوا چنانچہ مولوی اسماعیلؒ صاحب کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو نفع ہوا اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا[2]

شاہ اسماعیلؒ کے معاصرین میں سے ایک ممتاز عالم دین مولوی تبارک اللہ صاحب گذرے ہیں، یہ بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد اور مقام الدہن کے باشندے تھے، مولوی امیر شاہ خاں خورجوی کا بیان ہے کہ ایک روز انہوں نے اورنگ آباد میں وعظ کہا، وعظ کے بعد ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ "تقویۃ الایمان" کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ میں اس جلسے میں موجود تھا۔ میرے سامنے مولوی تبارک اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب "تقویۃ الایمان" شائع ہو کر الدھن میں آئی تو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا، کچھ لوگ مخالف

---

[1] اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان صہ ۸۰ مولفہ مولانا حافظ عزیز الدین مراد آبادی (شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

[2] ارواحِ ثلاثہ صہ ۲۸

ہو گئے اور کچھ موافق اور آپس میں بحث و مباحثہ اور گفتگوئیں ہونے لگیں۔ اس وقت میرے چچا جیات تھے جو بہت ضعیف العمر تھے۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا اور کانوں سے بھی اونچا سنتے تھے۔ انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایک مرتبہ فرمایا کہ لڑکو! میں چند روز سے دیکھ رہا ہوں کہ تم کچھ ورق ہاتھ میں لئے بحث و مباحثہ کرتے ہو۔ ہمیں تو بتلاؤ یہ کیا بات ہے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جناب ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس پر یہ بحث مباحثے ہوتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سناؤ۔ ہم نے "تقویۃ الایمان" اوّل سے لے کر آخر تک سنائی۔ اس کو سن کر آپ نے فرمایا کہ سب بستی کے لوگوں کو جمع کرلو۔ اس وقت میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ ہم لوگوں نے سب لوگوں کو جمع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ:۔

> "میں اب تک دنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے ان کی باتیں میرے جی کو نہ لگتی تھیں اور میں سمجھتا تھا کہ دنیا اس وقت گمراہی میں مبتلا ہے اور میرا جی ان باتوں کو ڈھونڈتا تھا مگر کنوئیں میں بھانگ (بھنگ) پڑی ہوئی تھی۔ نہ کسی کو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا۔ مولوی اسمٰعیلؒ کا احسان ہے کہ انہوں نے پانی اور بھانگ (بھنگ) کو الگ کر دیا اور سیدھا راستہ بتلا دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھانگ (بھنگ) ہی پئے جاؤ گے[1]"

(۳)۔ تذکیر الاخوان (اردو)

یہ شاہ صاحبؒ کی عربی کتاب "رد الاشراک" کے دوسرے حصے کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ مولانا سلطان محمد خان نے کیا ہے اور غلطی سے اسے انہی کی تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ خود مولانا سلطان محمد خان مرحوم نے اس کتاب کے آغاز میں تصریح کردی ہے کہ ایک فاضلِ جلیل نے اپنی کتاب کے "دوسرے باب میں اتباعِ سنت کی خوبیاں اور بدعت کی برائیاں اور تفصیل بعضے بدعات کی آیت و حدیث سے ذکر کی اور ارادہ ہندی ترجمہ کا کیا مگر فرصت نہ پائی اور راہِ خدا میں جان دی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اب بارہ سو پچاس ہجری میں

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص۸۲ و ص۸۳

اللہ تعالےٰ نے اس خاکسار گنہگار ہیچمدان محمد سلطان کے دل میں ارادہ اس کے ترجمہ کا ڈالا سو اس دوسرے باب کا ترجمہ ہندی بولی میں شروع کیا اور "تذکیر الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان" اس کا نام رکھا۔[1]

ہمارے پیش نظر اس کا وہ ایڈیشن ہے جو مطبع افتخار دہلی سے منشی محمد ابراہیم کے زیر اہتمام ماہ رجب ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس کی ضخامت ۲۲۶ صفحات ہے۔ کاغذ میلے رنگ کا ہے۔ کتابت و طباعت درمیانی ہے۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم کے والد گرامی علامہ سید اولاد حسن قنوجی نے راہِ سنت کے نام سے اس پر نہایت مفید حواشی لکھے ہیں۔ فہرست عنوانات کا التزام نہیں کیا گیا۔ آخر میں ابواب کے نام درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن اس سے بھی پرانا ہماری نظر سے گذرا ہے۔ یہ ۲۵ ر جمادی الثانی ۱۲۷۱ھ کو سید عنایت اللہ کے زیر اہتمام مطبع صدیقی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کی ضخامت ۲۰۰ صفحات اور سائز ۲۰×۲۶/۸ ہے۔ کاغذ میلا قلم جلی اور کتابت و طباعت درمیانی ہے۔ یہ ترجمہ بھی مولانا سلطان محمد خاں مرحوم کا ہے۔

"تقویۃ الایمان" کو "تذکیر الاخوان" کا مقدمہ سمجھنا چاہئے کیونکہ شاہ اسماعیلؒ نے تقویۃ الایمان میں شرک و بدعت کے متعلق اصولی بحث کی ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں شرک کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ اور پھر قرآن و حدیث سے ہی انکار کیا گیا ہے۔ "تذکیر الاخوان" میں ان ہی کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اتباعِ سنت کی اہمیت، حقیقتِ ایمان، صحابہ اور اہل بیت کے مراتب بدعات کی تفاصیل۔ بزرگوں سے عقیدت میں غلو، اپنے حسب و نسب پر فخر، اسراف بیجا اور نکاح ثانی کی فضیلت پر تفصیل کے ساتھ نہایت مدلل بحث کی گئی ہے اور اپنے دعاوی کے ثبوت میں کلام اللہ اور ارشادات رسول کو پیش کیا گیا ہے۔ ان مباحث میں شاہ اسماعیلؒ کا طرزِ استدلال نہایت منطقی اور انداز بیان بہت سلجھا ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں "تذکیر الاخوان" کی حیثیت "تقویۃ الایمان" سے بھی زیادہ بلند ہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں شاہ اسماعیلؒ کی وسعتِ نظر اور وسعتِ علم کا اندازہ ہوتا ہے وہاں بدعات اور غیر اسلامی رسومات سے نفرت بھی پیدا ہوتی ہے اور قلب انسانی اس سادہ مگر پرکشش تعلیم کی طرف کھنچتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کی تھی اور جس کا نہایت خوبصورت نقشہ تذکیر الاخوان میں کھینچا گیا ہے۔ کسی نے ان دونوں کتابوں پر کیا خوب تبصرہ کیا ہے کہ "تقویۃ الایمان لا الٰہ الا اللہ کی تشریح

---

[1] تذکیر الاخوان ص۲ مطبوعہ در مطبع افتخار دہلی۔

ہے اور تذکیر الاخوان محمدؐ رسول اللہ کی توضیح" ——— اس کتاب کی ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس میں شاہ اسماعیلؒ نے ان رسومات کی نشاندہی کی ہے جو اس زمانے میں عام تھیں اور جن کی کیفیت پڑھ کر آج بے اختیار ہنسی بھی آتی ہے اور دکھ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً لڑکے کی پیدائش کے فوراً بعد ایک بکرا ذبح کیا جاتا تھا۔ زچہ کی چارپائی پر تیر اور قرآن کریم رکھ دیا جاتا تھا۔ جس بچے کا ختنہ ہوتا تھا اسے مزارات اور بڑے پیر صاحب کے جھنڈے کو سلام کی غرض سے لے جایا جاتا تھا۔ اس کی کلائی میں بال کا کنگنا باندھا جاتا اور ہاتھ میں لوہا رکھا جاتا تھا۔ شادی کے موقع پر مکان کے دروازے پر نیل یا چونے سے ٹیکے لگائے جاتے تھے۔ محرم میں اپنی بیویوں سے ہم بستری ترک کر دی جاتی تھی۔ چارپائی پر سونا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ماہ سفر کے تیرہ دن نامبارک سمجھے جاتے تھے۔ جس چارپائی پر کوئی شخص فوت ہوا ہو اسے منحوس سمجھا جاتا تھا۔ عزرائیل کے نام اور سورۂ لیسین کو بدشگونی خیال کیا جاتا تھا۔ میت دفن کرتے وقت قبر میں قل کے ڈھیلے اور شجرۂ نسب رکھا جاتا تھا۔ بدھ اور ہفتہ کے دنوں کو منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ مسلمان ہولی اور دیوالی کی رسم میں شریک ہوتے تھے۔ اونٹ گدھے اور خچر پر سوار ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ چھوٹے بڑوں کو اور بڑے چھوٹوں کو السلام علیکم کہنا ادب کے خلاف سمجھتے تھے۔ یہ بیہودہ رسوم بیان کرنے کے بعد شاہ اسماعیلؒ نے اپنے عہد کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ان رسوم کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصف اور حاکم بنانا چاہیئے کیونکہ حضرتؐ کے وقت میں بھی لڑکے پیدا ہوتے تھے۔ عورتیں زچہ ہوتی تھیں اور لڑکوں کے ختنے بھی ہوتے تھے۔ لوگوں کے نکاح بھی ہوتے تھے۔ لوگوں کو بیماریاں بھی ہوتی تھیں اور لوگ مرتے بھی تھے اور قبریں بھی بنتی تھیں۔ چالیس دن اور برس روز بھی گذرتا تھا اور محرم اور صفر وغیرہ کے مہینے بھی آتے تھے۔ پس سوچنا چاہیئے کہ ایسے وقت میں حضرتؐ کیا کیا کرتے تھے اور کیا فرمایا کرتے تھے اور حضرتؐ کے اصحاب کس طرح عمل میں لاتے تھے۔ پھر اگر ان کاموں کا برا ہونا حضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور فعل اور تقریر سے ثابت ہو تو چاہیئے کہ مسلمان خوش ہو کر دل سے قبول کرے اور ویسا ہی حضرتؐ کی مرضی کے موافق عمل میں لاوے[1] اس کے بعد آپؒ نے نہایت مستند احادیث سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ان رسوم کا نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ حضورؐ نے اس قسم کی رسومات کی سختی سے مخالفت فرمائی ہے

---

[1] تذکیر الاخوان صد ۱۱ - ۱۲

۱۴ ۔ منصبِ امامت (فارسی)

یہ کتاب شاہ اسماعیلؒ کی تصانیف میں نہایت بلند پایہ ہے صاحب "نزہتہ الخواطر" کے بقول "زمانہ ماسبق میں اس موضوع پر ایسی محققانہ کتاب کسی نے نہیں لکھی"[۱] اس کا ایک نسخہ ریاست بھوپال کے وزیر اعظم مولوی محمد جمال الدین خاں صاحب بہادر کی فرمائش پر مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اب یہ نسخہ عنقا ہے۔ اس کا سائز ۲۶×۲۰ ہے۔ کاغذ میلا اور سیالکوٹی ہے۔ کتابت و طباعت دونوں عمدہ ہیں۔ ضخامت ۱۱۴ صفحات ہے ۔ ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں، اس زمانے کے ذوق کے مطابق صفحۂ اول کو نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے۔ خاتمہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیلؒ کا ارادہ تھا کہ اس کا دوسرا حصہ بھی تالیف کریں گے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "عنقریب انشاء اللہ تعالےٰ احکام امام در ابواب آئندہ بالاستیعاب مذکور خواہد گردید واللہ یہدی من یشاء الی السواء السبیل و ہو حسبی و نعم الوکیل"[۲]۔ مگر افسوس کہ آپؒ کا ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

اس کا ایک اور نسخہ متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ "درجاتِ امامت" کے نام سے مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ ترجمہ مولوی عبداللطیف قریشی نے ۱۳۰۶ھ میں کیا تھا۔ اس کی ضخامت ۱۴۴ صفحات اور سائز ۲۹×۲۲ ہے صفحے کے نصف اول میں دائیں طرف فارسی متن ہے اور نصف ثانی میں بائیں طرف اردو ترجمہ۔

کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور باب کی بجائے "تنبیہہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلا باب پانچ حصوں پر مشتمل ہے ۱۔ وجاہت ۲۔ ولایت ۳۔ بعثت ۴۔ ہدایت ۵۔ سیاست، اس باب میں انبیاء کے ان کمالات کا احاطہ کیا گیا ہے جو شانِ امامت سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ثابت کیا گیا ہے کہ انبیا میں امامت کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ دوسرے باب یا "تنبیہہ" میں ولایت کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے، یہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ معاملاتِ صادقہ ۲۔ مقاماتِ کاملہ ۳۔ اخلاقِ فاضلہ۔

تیسرے باب میں حقیقتِ بعثت پر بحث ہے۔ چوتھے باب میں حقیقتِ ہدایت پر، پانچواں باب سیاسیات کے تذکرہ پر مشتمل ہے اور بلاشبہ اس کتاب کی جان ہے۔ اس کے

---

[۱] نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۵۹ مولفہ مولانا سید عبدالحئی مرحوم [۲] منصبِ امامت ص ۱۱۴ مطبوعہ در مطبع فاروقی دہلی۔

مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیلؒ اسلامی سیاسیات پر کتنی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اس باب میں انہوں نے سیاست کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر شعبے پر بڑی فکر انگیز اور مدلل بحث کی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے سیاست کے دو حصے کئے ہیں۔ ایک سیاست ایمانی اور دوسرا سیاست سلطانی۔ سیاست کے پانچ بنیادی اصول متعین کئے ہیں: ۱۔ فراست، ۲۔ امامت ۳۔ عدالت، ۴۔ حفاظت، ۵۔ نظامت۔ سلطنت کے باب میں آپ نے چار درجے مقرر فرمائے ہیں: ۱۔ سلطنت عادلہ، ۲۔ سلطنتِ کاملہ، ۳۔ سلطنتِ ناقصہ، ۴۔ سلطنتِ جابرہ اور پھر ہر قسم سلطنت کی تعریف بیان کی ہے۔

(۵)۔۔۔ رسالہ درعلمِ منطق (فارسی)

سر سید احمد خاں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "آثار الصنادید" میں شاہ اسماعیلؒ کے ایک ایسے رسالے کا ذکر کیا ہے جو علم منطق سے تعلق رکھتا ہے۔ اس رسالے میں دیگر امور کے علاوہ شکل اوّل اور شکل رابعہ پر نہایت عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ منطقیوں کی اکثریت کا نظریہ ہے کہ شکل اول کا نتیجہ بغیر کسی دلیل کے نکل آتا ہے اور شکل چہارم کا نتیجہ بغیر دلیل کے نہیں نکلتا اور غیر یقینی ہوتا ہے۔ شاہ اسماعیلؒ نے اپنی غیر معمولی قابلیت اور ذہانت و فراست سے اس کے برعکس ثابت کیا ہے۔ صاحبؒ "نزہتہ الخواطر" کا بیان ہے کہ "اپنے اس دعوے پر آپ نے ایسے دلائل پیش کئے ہیں جن کو توڑنے کی آپ کے معاصرین میں سے کوئی بھی جرأت نہیں کر سکا[۱]"

(۶) "تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی)

اس کتاب کے کئی نسخے شائع ہوئے ہیں، صرف عربی متن بھی اور ترجمے کے ساتھ بھی ہمارے پیش نظر اس کا وہ نسخہ ہے جو ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۷۹ھ کو مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع ہوا تھا اور مطبع رحمانی کلکتہ کے مطبوعہ نسخے سے نقل کیا گیا تھا۔ یہ نسخہ ۱۲۵۶ھ میں شائع ہوا تھا۔ مطبع مجتبائی کا یہ نسخہ اردو ترجمے کے ساتھ چھپا تھا۔ صفحات ۴۸ ہیں۔ ایک سطر عربی متن کی اور دوسری ترجمہ کی ہے۔ حاشیے میں نہایت مفید اشارے کئے گئے ہیں۔ اس رسالے میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، شاہ صاحبؒ نے متعدد احادیث سے نماز میں رفع یدین کا جواز

۱۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷ صہ ۵۹

پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ تقلید اور عدم تقلید کے مسئلے پر بھی بحث کی ہے اور اس مسئلے کو وسعتِ نظر سے بیان کیا ہے۔ بیجا تعصب اور تنگ نظری کی بجائے ایسا اسلوب اختیار کیا ہے جو عقل و فکر کو اپیل کرتا ہے۔ اس رسالے کے مطالعے سے شاہ صاحبؒ کی علمی دیانت کا نقش دل پر نہایت گہرا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جہاں ایسی احادیث پیش کی ہیں جن سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے وہاں ایسی احادیث بھی درج کر دی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدا میں رفع یدین کیا کرتے تھے مگر بعد میں ترک فرما دیا تھا۔ اسی طرح بعض صحابہ کے متعلق صراحت فرمائی ہے کہ وہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ ان اہل علم میں سے نہ تھے جو اپنے عقائد و نظریات پیش کرتے ہوئے صرف اپنے مطلب کے حوالے درج کرتے ہیں اور جو عبارتیں ان کے موقف کے خلاف جاتی ہوں انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں بلکہ آپؒ نہایت دیانت داری سے تصویر کے دونوں پہلو پیش کر دیتے تھے اور نتیجہ قارئین پر چھوڑ دیتے تھے۔

(۷) ایضاح الحق الصریح فی احکام المیّت والضریح (فارسی)

یہ کتاب پہلی بار ۱۲۲۷ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ دوبارہ ۱۳۵۶ھ میں کتب خانہ اشرفیہ دہلی نے نئے اردو ترجمے کے ساتھ شائع کی۔ ترجمہ مولانا عبداللطیف سونی پتی نے کیا تھا۔ کاغذ سپید اور کتابت و طباعت نہایت عمدہ اور روشن ہے۔ صفحات ۱۶۰ ہیں۔ یہ کتاب شاہ اسماعیلؒ کی نہایت معرکۃ الآرا کتابوں میں سے ہے۔ اس کے نام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے گویا یہ میت اور اس کی رسوم کے متعلق ہے مگر دراصل اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ شاہ صاحبؒ نے آغازِ کتاب میں اس کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "میرے مشفق و مکرم مولوی تفضل علی صاحب کو رسوم مذکورہ میں سنت اور بدعت کے درمیان فرق و امتیاز کی خواہش ہوئی تو بندۂ ضعیف احقر العباد محمد اسماعیل عفی عنہ سے اس کو دریافت و استفسار فرمایا۔ بندۂ ضعیف نے ان مسائل مستفسرہ کے جوابات کو چند اوراق میں مفصل اور مدلل طور سے بیان کر کے اس کو ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح کے نام سے موسوم کیا۔"[1]

---

[1] ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح ص ۳ مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دہلی۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ کتاب کا مرکزی خیال ردِّ بدعت ہے۔ اس میں شاہ صاحبؒ نے بدعت کی مختلف شاخیں بیان کی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّت کو اصل دین قرار دیا ہے۔ بدعت کی ان شاخوں کو آپ نے دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اول بدعتِ اصلیہ۔ دوم بدعت وصفیہ۔ بدعت کی ان دونوں قسموں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تین حدیثوں پر منحصر کیا ہے، یہ حدیثیں بخاری و مسلم کی ہیں۔ قسم اوّل یعنی بدعتِ اصلیہ آپؒ نے اس بدعت کو قرار دیا ہے کہ دین میں کوئی رسم باقاعدہ پہلے سے موجود نہ ہو اور نئی جاری کی گئی ہو۔ بدعت وصفیہ اس بدعت کو قرار دیا ہے جس کے تحت شریعت کے کسی حکم میں کوئی کمی یا بیشی کی گئی ہو۔ اس کے بعد آپؒ نے لفظ بدعت کی لغت سے تشریح کر کے مختلف مثالوں سے اپنا مفہوم اور بدعت کی ان دونوں قسموں کی وضاحت کی ہے اور بلاشبہ یہ بیان نہایت مدلل اور بہت دلنشیں ہے۔ اس کتاب کا وہ بیان بھی نہایت افادی اور قیمتی ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے امورِ سنت اور امورِ غیر سنت کا فرق واضح کیا ہے۔ اسی طرح تقلید اور اجتہاد کے مباحث بھی اس کتاب کی جان ہیں اور ہمارے خیال میں ان لوگوں کے لئے تو نہایت مفید ہیں جو ان مباحث سے دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ ہر مسلمان کو اس باب کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ تقلید اور اجتہاد کا فرق سمجھ میں آسکے۔ ایک فصل علومِ نافعہ کی تکمیل کے لئے مخصوص ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے بتایا ہے کہ کون کون سے علوم دینی لحاظ سے نفع بخش ہیں اور ان کی تحصیل ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور کون کون سے علوم وقت اور انسانی صلاحیتوں کے ضیاع کا باعث بنتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ایک روحانی خزانہ ہے اور اس کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ کی توحید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت، آپ کی سنّت کی پیروی کی اہمیت اور شرک کی باریک سے باریک شاخوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی سے استنباط کر کے شاہ صاحبؒ نے اس کتاب کو نہایت وقیع اور مدلل بنا دیا ہے۔

۸) — العبقات (عربی)

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مولانا عبید اللہ سندھی کی فرمائش پر دیوبند سے شائع ہوا تھا۔ مگر اس پر نہ مطبع کا نام درج تھا نہ طباعت کا سنہ۔ دوسرا نسخہ حال ہی میں مجلس علمی کراچی کی طرف سے ٹائپ میں نہایت خوبصورت شائع ہوا ہے سنہ طباعت ۱۳۸۰ھ ہے صفحات کی تعداد ۲۳۷ سائز ۲۰×۲۶ / ۸

عنوانات کی فہرست آخر میں ہے۔ اغلاط نامہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب شاہ اسماعیل رح کی تصانیف میں سب سے ادق اور مشکل تصنیف ہے۔ اس میں تصوف کے نازک ترین مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ مگر شاہ صاحب رح کی دوسری تصانیف کی طرح اس کا دائرہ بھی صرف ایک موضوع یعنی تصوف تک محدود نہیں بلکہ اس میں بہت سے موضوعات آگئے ہیں جن میں نفس، علم کے اقسام، علم کلام، حصول علم کے ذریعے، ہستی باری تعالیٰ، عالم امثال، عالم لاہوت اور تجلیات، غرض متعدد علمی نظری اور عقلی مباحث کو سمیٹ کر شاہ صاحب رح نے اس کتاب کو گنجینۂ علوم بنا دیا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، چار اشاروں اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز اس بحث سے ہوتا ہے کہ انسان کے نفسی اور حواسی علوم کی تعداد کتنی ہے اور یہ کس نوعیت کے ہیں۔ اس کے بعد مسئلہ وجود پر بحث کی گئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس بحث میں عہد حاضر کیلئے فلسفہ اور علم طبعیات کے لیے بنیاد فراہم کر دی گئی ہے۔ اس ضمن میں یونانی اور سوفسطائی نظریات کو بھی موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔ اس سے شاہ اسماعیل رح کی وسعتِ نظر اور وسعتِ معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کا وہ باب خاص طور سے قابلِ مطالعہ اور نہایت فکر انگیز ہے جس میں نفس کے مراتب۔ حقیقت روح اور حقیقت عالم کے نازک مسائل کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیئے یہ امر کافی ہے کہ آج کل جرمنی کے بڑے بڑے عالم اور فلسفی اس پر تحقیق کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب رح کا ارادہ اس کی شرح لکھنے کا بھی تھا مگر افسوس کہ وہ اپنے اس ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے اور راہِ خدا میں جان دے کر اس سے بھی بڑا کارنامہ سر انجام دے گئے۔ اگر وہ اس کی شرح لکھ جاتے تو بلا شبہ اس کتاب کے ایسے ایسے اسرار و معانی کھلتے کہ عہدِ جدید کے بڑے بڑے فضلا اور فلسفیوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکا ہے جو مشہور عالم مولانا مناظر احسن گیلانی نے کیا تھا۔ اصل کی طرح یہ ترجمہ بھی شرح کا محتاج ہے۔

(۹) —— صراطِ مستقیم (فارسی)

یہ کتاب دراصل حضرت سید احمد شہید رح کے ارشادات کا مجموعہ ہے۔ شاہ اسماعیل رح نے صرف اس کی تدوین میں حصہ لیا۔ مولانا عبد الحئی رح بھی اس تدوین میں شریک تھے۔ اس کے چار باب ہیں۔ صرف پہلا باب شاہ صاحب رح نے قلمبند کیا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ سید صاحب رح بولتے جاتے تھے اور

شاہ صاحبؒ لکھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد عبارت سید صاحبؒ کو سنائی جاتی تھی اگر مفہوم ان کی منشا کے مطابق ہوتا تھا تو شامل کتاب کر دیا جاتا تھا ورنہ اس میں تبدیلی کی جاتی تھی۔ بعض عبارتیں سید صاحبؒ نے پانچ پانچ مرتبہ تبدیل کروائی ہیں۔ اس لئے اصلاً یہ کتاب سید صاحبؒ کی ہے پہلے فارسی میں چھپی تھی۔ پھر اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔ یہ ترجمہ مختلف ناشروں نے شائع کیا۔

(۱۰) یک روزی (فارسی)

یہ شاہ صاحبؒ کا مختصر سا رسالہ ہے اور "تقویۃ الایمان" پر اعتراضات کے جواب سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک روز شاہ صاحبؒ نماز کی غرض سے مسجد کو جا رہے تھے کہ راستے میں کسی نے مولانا فضل حقؒ خیر آبادی مرحوم کا رسالہ دیا جس میں مسئلہ امکانِ نظیر پر شاہ صاحبؒ کے نظریات کا رد لکھا گیا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر شاہ صاحبؒ مسجد میں بیٹھ گئے اور ایک نشست میں اس کا جواب لکھ دیا اس لئے یک روزی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ رسالہ سب سے پہلے "ایضاح الحق" کے پہلے ایڈیشن کے ساتھ بہ طور ضمیمہ چھپا ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن ۱۲۲۷ھ میں مطبع فاروقی دہلی نے شائع کیا تھا۔ اب مکتبہ صدیقیہ ملتان نے اسے الگ شائع کر دیا ہے۔ اختصار کے باوجود یہ بہت جامع اور مدلل رسالہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے مباحث اور دلائل کا جواب اب تک کسی سے نہ بن پڑا۔

(۱۱) اصولِ فقہ (عربی)

یہ شاہ اسماعیلؒ کا نہایت مختصر سا رسالہ ہے۔ پہلی بار مجتبائی پریس دہلی سے ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا تھا۔ ۳۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کا ایک ایڈیشن حال ہی میں دائرۃ المعارف لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے، جو عام کتابی سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ پر مشتمل ہے۔ اس رسالے میں شاہ صاحبؒ نے فقہ کے مسائل پر نہایت اختصار سے گفتگو کی ہے اور ضمناً حدیث متواترہ اور تقلید و اجتہاد کے مباحث بھی آ گئے ہیں۔ عقل کی حدود و اختیارات پر بھی بحث کی گئی ہے اور بلاشبہ یہ اس رسالے کی جان ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حاکم نہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ پیدا کرنے اور اپنے احکام جاری کرنے کا اختیار اسی کے لئے مخصوص ہے یعنی اس میں

کوئی اس کا شریک نہیں۔ مخلوقات میں سے کوئی بھی خواہ عقل ہی کیوں نہ ہو احکام میں سے کوئی حکم اپنے لئے ثابت نہیں کر سکتی .... شرع نے جو احکام دیئے ہیں وہ مستند ہیں، یہ کسی اور کی طرف سے نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقل کسی شے کے متعلق اس کی اچھائی یا برائی کا حکم لگا کر نہ تو اسے فرض قرار دے سکتی ہے اور نہ حرام ٹھہرا سکتی ہے۔"

(۱۲) ــــــ حقیقتِ تصوّف (فارسی)

شاہ اسماعیلؒ کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب "حقیقت تصوف" کا نام بھی آتا ہے۔ اب ناپید ہو گئی ہے۔ اس کا ذکر صرف ایک مصنف صاحب "الحیاۃ بعد المماۃ" نے کیا ہے یہ کتاب فارسی میں ہے۔ موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تصوف اور اس کی حقیقت ہے اس میں آپ نے سچے صوفیا کی تعریف بیان کی ہے۔ تصوف کے نام پر جو من گھڑت باتیں اس طریقے میں داخل ہو گئی ہیں ان کی مذمت کی ہے۔" اس کتاب سے طبقہ صوفیا کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔"[۱]

(۱۳) ــــــ الاربعین فی احوال المہدیین

یہ شاہ اسماعیلؒ کی وہ کتاب ہے جس کا ذکر ان کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا۔ یہ صرف ایک بار مصری گنج کلکتہ سے ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اب قریب قریب ناپید ہے اس کا ایک نسخہ آکسفورڈ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کا موضوع امام مہدی کا نزول ہے۔ اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے وہ احادیث جمع کی ہیں جن سے امام مہدی کا نزول ثابت ہوتا ہے۔ آخر میں مشہور صاحبِ کشف و کمالات بزرگ حضرتِ شاہ نعمت اللہ ولیؒ کا فارسی قصیدہ بھی شامل کر دیا ہے۔ کتاب ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۴۰ صفحات نثر کے اور چار صفحات نظم (قصیدے) کے ہیں۔ ایک سطر میں ۱۸ الفاظ ہیں۔ کچھ حصہ عربی میں ہے۔ بین السطور میں اردو ترجمہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما کی عنایت سے ہمیں اس کتاب کے چند صفحات کے عکس موصول ہوئے ہیں۔

چونکہ اب یہ کتاب عنقا ہو گئی ہے اس لئے ذیل میں ہم ان صفحات کا عکس شائع کر رہے ہیں۔

---

[۱] الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۱۱

عکس کتاب "الاربعین فی احوال المہدیین"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ فِيْ اَحَادِيْثَ جَامِعَةٍ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ

پہلی فصل میں وہ حدیثیں ہیں جو شان میں ہے ہادی مہدیوں کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آوینگے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِيْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

روایت ہی ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا ان حدیثوں میں کہ ا ر کھتا ہوں میں رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ

صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہ بیشک اللہ اٹھاویگا اس امت کے واسطے ہو سو کے

كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ هٰكَذَا

سر پر اس شخص کو کہ نیا کر دکھاویگا اس امت کو دین اُسکا روایت کیا اس حدیث کو ابو داؤد نے

فِي الْمِشْكٰوةِ فِيْ كِتَابِ الْعِلْمِ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

ایسا ہی مشکوۃ کے کتاب العلم میں آتا ہے روایت ہی جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے

ت رو لراخت شده بود
در حواشی بیرون از جدول تحریر شد
بوقت طیار کردن جلد از بی احتیاطی تراشیده بود نیز در
فوائد آن مضامین محروم خواهند ماند بنابران مضامین
را ثانیاً درین صفحه نوشته میشود که ای وقت اگر اتفاق طبع
این رساله افتد این مضامین را در موقع آنها که نشان داده
نوشته میشود نشانیده طبع فرموده شود

قدرت کردگار می بینم	حالت روزگار می بینم
از نجوم این سخن نمیگویم	بلکه از کردگار می بینم
در خراسان و مصر و شام و عراق	فتنه و کارزار می بینم
همه را حال میشود دیگر	گر یکی در هزار می بینم
قصهٔ بس غریب میشنوم	غصهٔ در دیار می بینم
غارت و قتل لشکر بسیار	از یمین و یسار می بینم
بس فرومایگان بیحاصل	عالم و خونه کار می بینم
مذهب دین ضعیف می یابم	مبدع افتخار می بینم
دوستان عزیز هر قومی	گشته غمخوار و خوار می بینم
منصب و عزل و تنگی عمال	هر یکی را دوبار می بینم
ترک و تاجیک را بهم دیگر	خصمی و گیر و دار می بینم

مکر و تزویر و حیله در هر باب
از صغار و کبار می بینم

بقعهٔ خیر سخت گشت خراب
جای جمع شرار می بینم

اندکی امن گر بود امروز
در حد کوهسار می بینم

گرچه می بینم این همه غم ها
شادی غمگسار می بینم

بعد امسال و چند سال دگر
عالمی چون نگار می بینم

پادشاه تمام دانائی
سروری با وقار می بینم

حکم امسال صورتی دگرست
نه چو پیرار و پار می بینم

غین ری سال چون گذشت از سال
بوالعجب کار و بار می بینم

گرد در آئینهٔ ضمیر جهان
گرد و زنگ و غبار می بینم

ظلمت ظلم ظالمان دیار
بی حد و بی شمار می بینم

جنگ و آشوب و فتنه و بیداد
درمیان و کنار می بینم

بنده را خواجه وش همی یابم
خواجه را بنده وار می بینم

هر که او بار پار بود امسال
خاطرش زیر بار می بینم

سکهٔ نو زنند بر رخ زر
درهمش کم عیار می بینم

هر یک از حاکمان هفت اقلیم
دیگری را دچار می بینم

ماه را روسیاه می نگرم
مهر را دل فگار می بینم

تاجر از دور دست بی همراه
مانده در رهگذار می بینم

حال هندو خراب می یابم
جور ترک و تتار می بینم

بعض اشجار بوستان جهان
بی بهار و ثمار می بینم

همدلی و قناعت و کنجی
حالیا اختیار می بینم

غم مخور زانکه من درین تشویش | خرمی وصل یار می بینم
چون زمستان بی چمن بگذشت | شمس خوش بهار می بینم
دور او چون شود تمام بکام | پسرش یادگار می بینم
بندگان جناب حضرت او | بسر تاجدار می بینم
بادشاه تمام هفت اقلیم | شاه عالی تبار می بینم
صورت و سیرتش چو پیغمبر | علم و حلمش شعار می بینم
ید بیضا که باد تابنده | باز با ذوالفقار می بینم
گلشن شرع را همی بویم | گل دین را ببار می بینم
تا چهل سال ای برادر من | دوران شهسوار می بینم
عاصیان از امام معصوم | خجل و شرمسار می بینم
غازی دوستدار دشمن کش | همدم و یار غار می بینم
زینت شرع و رونق اسلام | محکم و استوار می بینم
گنج کسری و نقد اسکندر | همه بر روی کار می بینم
بعد ازان خود امام خواهد بود | بس جهان را مدار می بینم
اح م و دال می خوانم | نام آن نامدار می بینم
دین و دنیا از و شود معمور | خلق زو بختیار می بینم
مهدی وقت و عیسی دوران | هر دو را شهسوار می بینم
این جهان را چو مصر می نگرم | عدل او را حصار می بینم
هفت باشد وزیر سلطانم | همه را کامگار می بینم

ترجمہ قصیدہ

شاہ نِعمتُ اللہ ولیؒ

شعر ۱ : میں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ رہا ہوں اور حالاتِ روزگار کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔

شعر ۲ : میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ علم نجوم کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ لئے مجھے ان امور کا مشاہدہ کرا رہا ہے۔

شعر ۳ : میں دیکھ رہا ہوں کہ خراسان، مصر، شام اور عراق میں فتنہ اور جنگ و جدل کا ظہور ہوگا۔

شعر ۴ : یہ حالات کسی ایک ملک میں نہیں پیش آئیں گے بلکہ میں ہر طرف اور ہر ملک میں یہی حال دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۵ : میں عجیب و غریب قصہ سن رہا ہوں یعنی ساری دنیا میں غیظ و غضہ اور اختلال دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۶ : میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے لشکر ہیں جو دائیں اور بائیں قتل و غارت گری کر رہے ہیں۔

شعر ۷ : میں دیکھ رہا ہوں کہ عالم حقیر اور اساتذہ بے فیض ہو چکے ہیں۔

شعر ۸ : میں دیکھ رہا ہوں کہ دین اسلام میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے اور لوگ اس حالت پر افسوس کرنے کی بجائے فخر کر رہے ہیں۔

شعر ۹ : میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر قوم کے صاحبِ عزت لوگ غم زدہ اور ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

شعر ۱۰ : میں عمالِ حکومت کو اپنے مناصب پر فائز ہوتے اور پھر معزول ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس عزل و نصب سے رنجیدہ اور پریشان حال ہیں عزل و نصب کا یہ عمل دوبارہ ہوگا۔

شعر ۱۱ : میں دیکھ رہا ہوں کہ ترک اور تاجیک آپس میں دست و گریباں ہیں اور ان میں باہم جنگ و جدل ہو رہی ہے۔

شعر ۱۲ : میں چھوٹوں اور بڑوں دونوں کی طرف سے ہر جگہ مکر و فریب اور حیلہ جوئی دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۱۳ : میں دیکھ رہا ہوں کہ خیر کا چمن ویران ہو گیا اور وہاں شریر اور مفسد جمع ہو گئے ہیں۔

شعر ۱۴ : اگر آج میں کسی جگہ امن و امان دیکھتا ہوں تو وہ پہاڑوں کی حدود میں ہے۔

شعر ۱۵ : اگرچہ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں مگر غم نہ کرو کیونکہ اس کے ساتھ ساتھ میں ایسی مسرت بھی دیکھ رہا ہوں جو یہ غم و الم کی صورتِ حال ختم کر دے گی۔

شعر ۱۶ : یہ سال گذرنے اور اس کے بعد چند سال اور گذرنے کے بعد ساری دنیا کو معشوق کی طرح (خوبصورت) دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۱۷ : میں ایک ایسے بادشاہ کو دیکھ رہا ہوں جو نہایت ہوشیار دانا اور صاحبِ عز و وقار ہے۔

شعر ۱۸ : امسال کی صورت کچھ اور ہی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میں یہ باتیں عالم بیداری میں نہیں دیکھ رہا۔

شعر ۱۹ : بارہ سو سال گذرنے کے بعد میں عجیب و غریب کام ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۲۰ : میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کے درمیان اور اس کے کناروں تک ظلم و ستم اور جنگ و جدل پھیل گیا ہے۔

شعر ۲۱ : میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کے ظالموں کے ظلم کا اندھیر احد و شمار سے بڑھ گیا ہے۔

شعر ۲۲ : میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کے درمیان اور اس کے کناروں تک ظلم و ستم اور جنگ و جدل پھیل گیا ہے۔

شعر ۲۳ : میں دیکھ رہا ہوں کہ (اس فتنہ و فساد اور ان تغیرات کے نتیجے میں) غلام آقا اور آقا غلام ہو جائیں گے۔

شعر ۲۴ : میں دیکھ رہا ہوں کہ گذشتہ سال جس شخص کا بوجھ دوسروں نے اٹھا رکھا تھا اس سال وہ خود دوسروں کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہے۔

شعر ۲۵ : میں دیکھ رہا ہوں کہ نیا سکہ ڈھالا گیا ہے جو قدر و قیمت میں پہلے سکے سے کمتر ہے یعنی پرانے بادشاہوں کی بادشاہتیں ختم ہو جائیں گی۔

شعر ۲۶ : ہفت اقلیم کے بادشاہوں میں سے ہر ایک کو میں دوسرے سے برسرِ پیکار دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۲۷ : میں دیکھ رہا ہوں کہ چاند کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے اور سورج کا دل زخمی ہے۔ (اشارہ ہے چاند اور سورج کو گہن لگنے کی طرف)

شعر ۲۸ : میں دیکھ رہا ہوں کہ دور دراز ممالک کے تاجر تھکے ہارے بے یار و مددگار رستوں میں پڑے ہیں۔

شعر ۲۹ : میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندو کا حال خراب ہے اور ترک ظلم کر رہے ہیں۔

شعر ۳۰ : میں دیکھ رہا ہوں کہ باغ جہاں کے بہت سے درخت بہار سے محروم رہیں گے اور پھل نہیں دیں گے (یعنی اکثر ممالک میں قحط پڑے گا)

شعر ۳۱ : میں دیکھ رہا ہوں کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ تنہائی، قناعت اور گوشہ نشینی میں عافیت ہو گی۔

شعر ۳۲ : اس فتنے اور شورش کے زمانے کی وجہ سے پریشان و فکرمند نہ ہو کیونکہ اس کے ساتھ ہی میں وصلِ یار کی شادمانی بھی دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۳۳ : جب اس کا عہد کامیابی کے ساتھ ختم ہو جائے گا تو میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا بیٹا اس کی یادگار کے طور پر موجود ہو گا۔

شعر ۳۴ : میں دیکھ رہا ہوں کہ جو لوگ اس کی جناب میں حاضر ہوں گے وہ غلام ہونے کے باوجود بادشاہی کریں گے

شعر ۳۵ : میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ اور نہایت عالی مرتبہ ہو گا۔

شعر ۳۶ : میں دیکھ رہا ہوں کہ سیرت اور صورت دونوں کے اعتبار سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نمونے پر ہو گا۔ وہ نہایت صاحبِ علم اور دل کا حلیم ہو گا۔

شعر ۳۷ : اس کے ساتھ چمکنے والا ہاتھ ہو گا اور پھر میں اسے ذوالفقار کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۳۸ : میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے ذریعے سے شرع کے باغ پر بہار آگئی اور دین کی شاخیں گل بار ہو گئیں۔

شعر ۳۹ : میں دیکھ رہا ہوں کہ اے میرے بھائی اس شہسوار کا دور چالیس سالہ ہو گا۔

شعر ۴۰ : میں اس امام معصوم کے دشمنوں اور گناہ گاروں کو نادم اور شرمسار دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۴۱ : میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ غازی دوستوں کا دوست ہو گا اور دشمن اس کے ہاتھ سے قتل ہوں گے۔ میں اسے دوستوں کا ہمدرد اور خیر طلب پاتا ہوں۔

شعر ۴۲ : میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے ذریعے شریعت زینت پائے گی۔ اسلام کو رونق ہو گی اور

اس کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی۔

شعر ۴۳: میں دیکھ رہا ہوں کہ کسریٰ کے خزانے اور سکندر کی ساری دولت اس کے ذریعے سے کام میں لائی جا رہی ہے۔

شعر ۴۴: میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے بعد وہ خود امام بن جائے گا اور دنیا کا انحصار صرف اسی پر ہوگا۔

شعر ۴۵: میں ا ح م د پڑھ رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ اس نامدار کا نام یہی ہوگا۔

شعر ۴۶: میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے آنے سے دین اور دنیا دونوں پر رونق آجائے گی اور مخلوق بھی بلند اقبال ہو جائے گی۔

شعر ۴۷: وہ مہدیٔ وقت بھی ہوگا اور اپنے زمانے کا عیسیٰ بھی ۔ میں اس شہسوار کو دونوں صفات سے متصف دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۴۸: میں اس دنیا کو مصر کی طرح دیکھ رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ اس کا انصاف لوگوں کے لئے جائے پناہ بن جائے گا۔

شعر ۴۹: میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے اس سلطان کے سات وزیر ہوں گے ۔ میں ان سب کو کامیاب و کامراں دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۵۰: میں اس ساقیٔ وحدت کے ہاتھ میں شرابِ خوشگوار کا جام دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۵۱: میں سنگ دل لوگوں کی تلوار کو زنگ آلود کند اور بے کار دیکھ رہا ہوں۔

شعر ۵۲: میں ہوشیار ترکوں کو سست دیکھ رہا ہوں اور ان کے دشمنوں کو مخمور پاتا ہوں۔

شعر ۵۳: میں نعمت اللہ کو ایک گوشے میں سب سے الگ تھلگ بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔
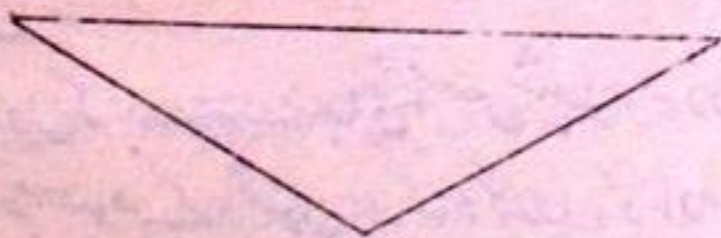
شاہ اسماعیلؒ کی منظومات

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے سماجی و دینی مصلح، اپنے وقت کے عظیم جرنیل، جیّد عالم اور ممتاز مفکر کی حیثیت سے تو شہرت پائی مگر بہت لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ شاعر بھی تھے ۔ گو انہوں نے شاعری کو فن کی حیثیت سے اختیار نہیں کیا اور نہ اس کے اسرار و رموز سیکھنے کی طرف کبھی توجہ دی ۔ مگر اس کے باوجود ان کا کلام شاعرانہ خوبیوں سے مملو ہے ۔ خصوصًا ان کی فارسی شاعری میں بلندی بھی ہے، گہرائی بھی ہے، حسین تشبیہات بھی ہیں اور نازک استعارات بھی ۔ انہوں نے بے مقصد شاعری نہیں کی بلکہ اپنی نظموں سے اخلاقی و دینی اصلاح کا کام لیا ۔ انہوں نے اپنے قلم کو دنیا کے سلاطین و امراء کی تعریف سے آلودہ نہیں کیا بلکہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو سلطانِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و توصیف کے لئے وقف کیا یا اپنی شاعری سے اپنے عہد کے مسلمانوں کی سماجی و روحانی خدمت کا فریضہ انجام دیا ۔ اب تک شاہ اسماعیلؒ کی جن نظموں کے نام معلوم ہو سکے ہیں ان میں ایک نعت (فارسی)، ایک مثنوی "سلک نور" (اردو) ایک مثنوی "سلک نور" (فارسی) ایک قصیدہ بحضور سید احمد شہیدؒ (فارسی) اور ایک مثنوی

؎ کراچی کے ایک اہل علم جناب اسماعیل میمن نے روزنامہ انجام کراچی کے ۹ اپریل ۱۹۵۹ء کے شمارے میں "الاربعین فی احوال المہدیین" کے متعلق صراحت کی ہے کہ یہ کتاب حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف ہے ۔ راقم الحروف کو میمن صاحب کے اس مضمون سے الاربعین کے اس نسخے کا سراغ لگا ۔ (مولف)

(فارسی) جس میں ایک حدیث کی تشریح و توضیح کی گئی ہے شامل ہیں۔ ان نظموں میں سے ہمیں صرف تین نظمیں مل سکیں۔ اندیشہ ہے کہ یہ نظمیں بھی ضائع نہ ہو جائیں اس لیے ذیل میں ان کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ اس کے مطالعے سے شاہ صاحبؒ کے رنگِ سخن کا بھی اندازہ ہو سکے گا اور ان کے بعض نظریات کا بھی۔ ان میں سے پہلی نظم شاہ صاحبؒ کا وہ فارسی قصیدہ ہے جو آپؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو حضورؐ سے کس درجہ عشق تھا اور آپؒ کے دل میں حضورؐ کی کس قدر عظمت تھی۔ ہم نے اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے تاکہ جو لوگ فارسی نہیں جانتے وہ اس کے مطالب سے آگاہ ہو سکیں۔ یہ قصیدہ نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب "اتحاف النبلا" میں درج کیا ہے۔ اور شاہ صاحبؒ پر لکھی جانے والی کسی اردو کتاب میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ اس نعتیہ قصیدہ کو درج کرتے ہوئے ہم نے اقتباس و انتخاب سے کام نہیں لیا ہے بلکہ مکمل درج کر دیا ہے۔

قصیدہ در مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

هزار حمد برب حکیم صاحبِ جود — ظهور کرد کمالش ز جزجزِ هر موجود
ز آفتابِ جمالش بتافت ذره صفت — ز سمک قعر زمین تا سماکِ چرخِ کبود
ز اقتضائے ظهور جمالِ لم یزلی — بخواست تاکه شود عکس آں جمالِ نمود
ز بهر جلوهٔ آں عکس ساخت آئینه — لقب نهاد مراں را محمد و محمد و
چو در عجائبِ آفاق انفس و آفاق — بغور فکر تامل کنی بلوحِ وجود
عجیب تر ز همه غیر ازیں نخواهی یافت — که شد ز حکم حکیم جواد ربِ ودود
شروق نورِ مقدس به تیره دانِ زمین — بروقِ بارقِ غیبی زمتنِ اسحب سود
نزول نور الٰهی بعالم قدسی — ظهور احمد مرسل در اہل کفر و جحود
تمام کون و مکان مفتخر ازو گردید — همه بروج و کواکب باد شده مسعود
نوید مولد او چون بگوشِ عرشِ مجید — رسید گفت زہے مولد و زہے مولود
ز شورِ تهنیت قدسیانِ کروبی — بجنبش آمده ایوانِ جابرانِ عنود

ز ارض تا بسما پر شد از علاماتش　　خبر بداد ازاں مخبر مجوس و یہود
طلوع اختر او بود نحس بر کسریٰ　　چنانکہ اخترِ جدش خلیل بر نمرود
مہندسِ فلکی از کمال فرح و سرور　　شمار تا بدہم خانہ چار بار نمود
چو یافت نقطۂ نصرت نشستہ پہلو چار　　بدید کوکبِ اقبال برکمالِ صعود
غرض کہ عدسنینش باربعین چو رسید　　ز لطف و جودِ الٰہی برغم انفِ حسود
نمود گشتت بخاک دلش عجائبِ قدس　　کہ سرِ غیب بہایں جلوہ چہ خوش فرمود
ظہور روحِ قدس ہیں بصورتِ بشری　　سطوعِ نورِ ازل در تجلیاتِ شہود
نزولِ وصفِ الٰہی بکسوتِ الفاظ　　بروز فیض مقدس برنگِ گفت و شنود
چو آفتاب تفرد بذروۂ جبروت　　بچشمِ خاک نشینان جہل شد مشہود
ز نور تابش آں آفتابِ عالمتاب　　تمام ظلمت و الحاد و کفر شد نابود
اگر بفرِ شکوہِ محمدِ عربی　　بغور فکر تامل کنی بغیرِ صدود
یقین کنی کہ نہ از جنسِ شوکتِ بشری ست　　کہ سرکشانِ جہاں زیر اوچو خوار و غنود
گروہِ اہل یقیں ہمرکاب آں شہِ دیں　　بزم و رزم مجرب بجزم بس منقود
بصرف مال حریص و ببذل جاں راغب　　بہر بلائے مصادم بہرِ قضا خوشنود
مصابرانِ قتال و مبارزانِ مصاف　　مصارعانِ معارک مساورانِ اسود
بحملہ شیر زبان و بزورِ پیل دماں　　بکید و جست پلنگ و بکینہ مست وقعود

بسرعت آب رواں و بفتک باد دواں
بحدتِ آتشِ سوزاں بصبر خاکِ خمود[1]

(شاہ اسماعیل شہیدؒ)

اردو ترجمہ

شعر ۱ : رب حکیم و سخی کی ہزار تعریفیں جس کے کمال نے ہر چیز کی تہہ میں سے ظہور کیا۔
شعر ۲ : اللہ تعالےٰ آفتاب جمال سے زمین کی گہرائی سے لے کر نیلگوں آسمان کی بلندی تک ہر ذرہ چمک اٹھا۔
شعر ۳ : اس ذاتِ لم یزل کے جمال کے ظہور نے چاہا کہ اس کا عکس ظاہر ہو۔

---

[1] اتحاف النبلا المتقین ۱۴۱۳ ، ص۱۹۱۴

شعر ۴ : سو اللہ تعالےٰ نے اپنے جلوے کے عکس کی خاطر ایک آئینہ بنایا جس کا لقب محمد و محمود رکھا۔

شعر ۵ : جب تو اپنے وجود کے ذریعے عالمِ انفس و آفاق کے عجائبات پر غور کریگا۔

شعر ۶ : تو اس سے زیادہ عجیب تر وجود تو اور کوئی نہیں پائے گا جو خدا نے حکیم کے حکم سے ظاہر ہوا۔

شعر ۷ : ظلمت کدۂ زمین سے مقدس نور کا ظہور ہوا۔ سیاہ بادلوں کے پیچھے سے غیبی بجلی چمکی۔

شعر ۸ : عالمِ قدس میں خداوند تعالیٰ کا نور نازل ہوا۔ وہ احمد مرسل کا ظہور تھا جو کفار کے درمیان ضوفشاں ہوا۔

شعر ۹ : تمام جہان اس کے باعث فخریاب ہو گئے۔ اس کی برکت سے تمام ستاروں کے برج سعادت مند ہو گئے۔

شعر ۱۰ : آپؐ کی ولادت کی خوشخبری جب عرش مجید کے کانوں میں پہنچی تو وہ پکار اٹھا کہ مبارک ہے وہ ہستی جو پیدا ہوئی اور مبارک ہے وہ جگہ جہاں پیدائش ہوئی۔

شعر ۱۱ : فرشتوں کی مبارک باد کے شور سے بڑے بڑے سرکشوں اور جابروں کے ایوان بھی لرز اٹھے۔

شعر ۱۲ : آپؐ کی نشانیوں سے زمین سے آسمان تک ساری فضا معمور ہو گئی۔ آپؐ کی بعثت کے متعلق مجوسیوں اور یہودیوں کے بزرگوں نے خبر دی۔

شعر ۱۳ : آپؐ کے ستارے کا طلوع کسریٰ کے حق میں منحوس ثابت ہوا جیسا کہ آپؐ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ستارہ نمرود پر منحوس ثابت ہوا تھا۔

شعر ۱۴ : علم فلکیات کے ماہر نے نہایت مسرت و فرحت سے دسویں خانے تک چار مرتبہ شمار کیا۔

شعر ۱۵ : جب اس چوتھے پہلو پر فتح و نصرت کا نقطہ پایا تو آپکے کوکبِ اقبال کو انتہائی عروج پر دیکھا۔

شعر ۱۶ : غرض یہ کہ جب آپؐ کی عمر کا عدد چالیس کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاسد دشمن کی ناک رگڑنے کی خاطر . . . . . .

شعر ۱۷ : خاکی وجود سے عجائبِ قدسی ظاہر ہوئے ، غیب کے بہترین اسرار کس عمدگی سے نمودار ہوئے ۔

شعر ۱۸ : بشری صورت میں قدسی روح کا ظہور دیکھ ۔ عالمِ شہود کی تجلیات میں ازلی نور ظاہر ہوا ۔

شعر ۱۹ : الفاظ کی پوشاک میں الہٰی اوصاف کا نزول ہوا ۔ گفت و شنید کے رنگ میں مقدس فیض کا ظہور ہوا ۔

شعر ۲۰ : وہ آفتابِ بے نظیر کی مانند عالمِ جبروت کی بلندی سے سرزمین جہل کے مکینوں کی آنکھ میں ظاہر ہوا ۔

شعر ۲۱ : اس آفتابِ عالمتاب کی تمازت کے نور سے الحاد و کفر کی تمام ظلمتیں نابود ہو گئیں ۔

شعر ۲۲ : اگر تو محمدِ عربی کی شان و شوکت پر غور کرے ۔

شعر ۲۳ : تو تجھے یقین ہو جائے گا کہ یہ بشری شوکت کی جنس سے نہیں ۔ دنیا کے بڑے بڑے سرکش آپؐ کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو گئے ۔

شعر ۲۴ : اس شاہِ دینؐ کے ہم رکاب وہ گروہ بھی تھا جو ایمان و یقین سے بھرپور تھا ، جو مجالس اور میدانِ جنگ میں اپنے تجربات اور ارادوں کی پختگی کا مظاہرہ کرتا تھا ۔

شعر ۲۶ : (اس گروہ کے لوگ) حالتِ جنگ میں بڑے ہی صابر ۔ لڑائی کے وقت سینہ سپر معرکہ آرائی میں بڑے بڑے دشمنوں کو زیر کر لینے والے اور شیروں کی طرح دھاڑنے والے تھے ۔

شعر ۲۵ : یہ گروہ راہِ خدا میں جان و مال کی قربانی کرنے کی طرف راغب اور اس کیلئے بڑا حریص تھا ، ہر مصیبت میں سینہ سپر اور قضا و قدر پر راضی رہتا تھا ۔

شعر ۲۷ : حملہ کرنے میں شیر کی طرح بہادر اور طاقت میں قد آور ہاتھیوں کی طرح ، تدابیرِ جنگ اور جست کرنے میں چیتے کی طرح ، اس مست اونٹ کی مانند بیٹھے ہوئے جو انتقام لینے کی فکر میں ہو ۔

شعر ۲۸ : حملے کے وقت تیزی میں آبِ رواں کی طرح ، دشمن کا زور توڑنے میں طوفان کی طرح ، حدت میں آتشِ سوزاں کی طرح ، اور صبر کے وقت پسی ہوئی مٹی کی طرح ۔

مثنوی سلکِ نور (اردو)

شاہ اسماعیلؒ کی منظومات میں دوسری قابلِ ذکر نظم "مثنوی سلکِ نور" ہے۔ یہ اردو میں ہے۔ اب کمیاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ مولانا عطا اللہ حنیف مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور کی عنایت سے ہمیں ملا ہے۔ یہ نسخہ مولانا ابو محمد جمیل کی فرمائش پر درگا پرشاد سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ راجپال ۱۳۲۰ھ میں چھپا تھا۔ اس رسالے کی ابتدا میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی وہ تقریر شامل کی گئی ہے جو "حقیقۃ الصلوٰۃ" کے نام سے پہلے ۲۲ جمادی الاول ۱۲۳۷ھ کو کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ مگر ناشر یا مرتب نے غلطی سے اسے بھی شاہ اسماعیلؒ سے منسوب کر دیا ہے۔ اس کے بعد "مثنوی سلکِ نور" درج کی گئی ہے۔ یہ مثنوی دراصل ردِّ شرک اور توحیدِ الٰہی کے مضامین پر مشتمل ہے۔ آغاز حمدِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح ہے۔ اس کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ کو خراجِ عقیدت ادا کیا گیا ہے اور پھر توحید، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی لامحدود وسعت و عظمت بیان کرنے کے بعد شرک و بدعت کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی یہ نظم خالص تبلیغی مقاصد کے تحت لکھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی نظموں کا انداز عام طور پر واعظانہ اور ناصحانہ ہوتا ہے آورد ہی آورد ہوتی ہے۔ شعریت اور فنی نزاکتوں کی طرف چنداں توجہ نہیں دی جاتی، مگر اس نظم میں بہت سلاست اور روانی ہے۔ ایسے اشعار کی کمی نہیں جنہیں شاعرانہ اصطلاح میں آمد سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ نہایت نازک تشابیہ اور استعارات ہیں بعض اشعار پڑھ کر قاری پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ افسوس کہ کتابت کی غلطیاں بے شمار ہیں۔ نظم بہت طویل ہے اور ڈھائی سو اشعار پر مشتمل ہے۔ ان صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ یہ ساری نظم شائع کی جا سکے اس لئے اس کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ انتخاب کرتے ہوئے نظم کا تسلسل برقرار رہے اور شاہ صاحبؒ نے جن مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے انتخاب میں ان سب سے متعلق کچھ نہ کچھ اشعار ضرور آ جائیں۔

حمدِ باری تعالےٰ

الٰہی ترا نام کیا خوب ہے ۔ کہ ہر جان کو تو ہی مطلوب ہے

اسی سے ہے ہر دل کو آرام و چین ۔ وہی سب زبانوں کا ہے زیب و زین

زباں کس طرح حمد تیری کرے ۔ کہ ہے تو تو ادراک سے بھی پرے

ہمیں بس یہی تیرا ادراک ہے ۔ کہ بے شک تو ہر عیب سے پاک ہے

تری ذات میں منحصر ہیں کمال ۔ تجھی میں ہے شانِ جلال و جمال

تو ہے خالقِ ہر مکین و مکاں ۔ تو ہے بادشاہِ زمین و زماں

ترا حسن جب نورِ افشاں ہوا ۔ بساطِ زمین اس سے افشاں ہوا

کہیں لالہ و گل ہوا اس کا نام ۔ کہیں دُرّ و مرجاں ہوا لا کلام

کہیں لعل و یاقوت پایا خطاب ۔ یہ ذرّے ہیں سب اور تو آفتاب

یہ سب ہیں عیاں گو وہی نور تھا ۔ ولے اصل جلوہ تو مستور تھا

جو اتنی بھی رخ پوشی خوش آئی نہ ۔ بنایا وہیں خاک سے آئینہ

پڑا عکس اس میں جو اس پاک کا ۔ تب انسان ہوا نام اس خاک کا

اسی سے ہے مقصودِ اصلی خطاب
وہی ہے گا مضمونِ ام الکتاب

نعتِ سرورِ کونین ؐ

خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے ۔ وہ سارے صحیفوں کا عنوان ہے

وہ انسانِ اکمل ہے سنتے ہو کون؟ ۔ ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون

نبی البرایا رسولِ کریم ؐ ۔ نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

حبیبِ خدا، سیّد المرسلین ۔ شفیع الوریٰ ہادیٔ راہِ دیں

محمد ؐ ہے نام اس کا احمد لقب ۔ بیاں ہو سکے منقبت اسکی کب

دل اس کا جو ہے مخزنِ سرِّ غیب — مبرّا خطا سے ہے بے شک و ریب
زباں اس کی ہے ترجمانِ قدم — ہوا باغِ دیں جس سے رشکِ ارم
بظاہر ہے جو مقطعِ انبیاء — حقیقت میں ہے مطلعِ اصفیا
الٰہی ہزاروں درود و سلام — تو بھیج اس پہ اور اس کی امت پہ عام
خصوصاً جو حامل ہیں اس نور کے — کہ ہادی ہیں اس راہِ ماثور کے
انہی سے ہے باغِ جہاں لالہ زار — انہی سے ہے دنیا و دیں کی بہار

وہ سارے غرض حق کے مقبول ہیں
کہ گویا کہ اک ڈال کے پھول ہیں

مدح حضرت سید احمد شہیدؒ

ولے ان میں اب ایک گل ہے کھلا — کہ اس سے ہنسا باغِ دین کھل کھلا
ہنسے کیوں نہ اس گل سے یہ باغ گل — محمد ہے بو اور احمد ہے گل
چمن میں مہکنے لگی مست بو — چہکنے لگیں بلبلیں چار سو
طلسمات سے بھر گیا باغ و راغ — ہما اور طوطی ہے ہر بوم و زاغ
عجب ہے وہ مے اور عجب ہے وہ جام — کہ بھر بھر کے پیتے ہیں ہر خاص و عام
عجب ساقی ہے اور عجب یار ہیں — کہ مستی سے سارے وہ ہشیار ہیں
وہ سرشار کیوں کر نہ ہوں مثلِ گل — ولایت ہے جام اور نبوت ہے مُل
وہ ساقی جو خود ہے امامِ زماں — ہوا مفتخر اس سے ہندوستاں

الٰہی ہمیشہ اس کو تو شاد رکھ
اور اس باغ کو اس سے آباد رکھ

توحید

ہوئی ختم جب حمد و نعت و مدح — تو سن لیجو بجو بہ اک متن و شرح
وہ متنِ متیں ہے عجب اصلِ دین — کہ پڑھتے رہے اس کو سب مرسلین
اس کی تو ہے شرح قرآں تمام — اسی کا تو ایمان و احساں ہے نام

شریعت کا ہے وہ ہی محکم اساس
نہ پھٹکے کبھی جس کے نسخ آس پاس

طریقت کے مقصود کا ہے وہ باب
کہ اس سے ہی اٹھتا ہے پورا حجاب

یہ جو معرفت کے اشارات ہیں
اسی بھید کے سب کنایات ہیں

مراد اس سے خالق کی توحید ہے
وہی اصلِ توحید و تمجید ہے

اسی سے ہے جانِ مقدس کا نور
اسی سے ہے سِرِّ قدم کا ظہور

اور اس سے ہی جو شخص محروم ہے
سو علم و عمل اس کا مذموم ہے

وہ گو ان خیالوں میں مسرور ہے
ولے اپنے رب سے بہت دور ہے

شرکِ عقیدہ

عقیدہ کے اشراک سے میری جاں
بہت دور رکھ اپنے وہم و گماں

یہی جان تو دل سے بے شک و ریب
کہ ہے ذات خالق کی بے نقص و عیب

کمالات ہیں اس کے سب بے عدیل
وہی ہے عزیز اور سب ہیں ذلیل

نہیں اس کی عزت میں کوئی شریک
یہ دعوے ہمارے ہیں سارے رکیک

وہی مالک الملک ہے بے وزیر
وہی نافذ الحکم ہے بے مشیر

اسی کو سمجھنا تو مشکل کشا
کسی اور کا یہ لقب مت بنا

جو چاہے کرے حکم بے قیل و قال
کسی کو نہیں بولنے کی مجال

سفارش کی پروانگی گر نہ دے
تو پھر کون ہے جس کا منہ پڑ سکے

اہانت کرے یا کرے تکریم کچھ
نہ بن آوے واں غیر تسلیم کچھ

اسی کے ہے قبضے میں سب تخت و تاج
اسی کا ہے غیب و شہادت میں راج

فلک اس کے سجدے میں ہے واژگوں
ملک اس کی تسبیح میں سرنگوں

اسی کی ہیں خدمت میں شمس و قمر
شب و روز حاضر ہیں بستہ کمر

کواکب جو شب بھر یہ بیدار ہیں
سو سب دید میں اس کے ہشیار ہیں

یہ آب و ہوا، آتش و خاک سب
اطاعت میں اس کی ہیں چالاک سب

جو قوس قزح میں اشارات ہیں
سو اہلِ جنوں کے کنایات ہیں

گل و لالہ و نسترن بے گماں — یہ سب مثلِ سوسن ہیں رطب اللساں
یہ جو بات لوگوں میں مشہور ہے — اور اشعار میں اس کا مذکور ہے
کہ بلبل جو یوں عشق میں زار ہے — سو گل کی محبت میں سرشار ہے
سو یہ بات ہے شاعروں کی فقط — خیالات ہیں ان کے سارے غلط
حقیقت میں ہے کچھ وہ سرِ قدم — جسے کہتے سنتے ہیں دونوں بہم
وہ کہہ کہہ کے روتا ہے زار و نزار — یہ سن سن کے ہنستا ہے دیوانہ وار
زباں اس کی جاری ہے گر ذکر میں — تو دل اس کا مشغول ہے فکر میں
صبا اس سے کہتی ہے جب سرِّ پاک — تو سن سن کے کرتا ہے وہ سینہ چاک
اسی سے چہکتا ہے مرغِ چمن — اس سے مہکتی ہے بوٹے سمن
غرض ذکر میں سب ہیں رطب اللساں — ہر اک مثلِ طوطی ہے شیریں بیاں
سو ہر وقت ان کا یہ پیغام ہے — کہ ہم بندے ہیں بندگی کام ہے
ہزاروں عبادت کے انواع ہیں — کہ یاد ان کو ان سب کی اوضاع ہیں
سو یہ سب ہے تسبیح انسان کی — جو خالص ہے تسبیح رحمان کی
رہے اس کی خدمت میں حاضر مدام — نہ دے غیر کو اپنے دل میں مقام
اسی کے کمالات دیکھا کرے — اسی کے اشارات سمجھا کرے
سو پائی ہے جس نے یہ توحید یار — عبادت ہی ہے اس کا ہر کاروبار
جو وہ بات کرتا ہے سو ذکر ہے — وہ جو غور کرتا ہے سو فکر ہے
وہ جو کام کرتا ہے سو ہے قبول — کہ رحمت کا ہے اس پہ ہر دم نزول
حضورِ مقدس کا ہے وہ امیر — بظاہر ہے گو نام اس کا فقیر

اقسامِ شرک

کمالات سب حق کے ہیں بے حصار — تو اقسام ہیں شرک کے بے شمار
سو اول تو اشراک فی العلم ہے — کہ آئینہ دل کا یہ جرم ہے
سو یہ جان تو دل سے بے شک و ریب — کہ ہے شانِ خالق کی بے نقص و عیب :

شریک اس کا کوئی نہیں اس میں یار ۔۔۔ فرشتے ہوں یا انبیائے کبار
وہ الحق کہ دانائے اسرار ہے ۔۔۔ کہ ہر چیز کا وہ ہی مختار ہے
حقیقت ہے ہر چیز کی واں عیاں ۔۔۔ وہ ظاہر ہے یا ہووے ہر نہاں
سو سب کچھ ہے حاضر وہاں رو برو ۔۔۔ وہ ہر چیز کو دیکھے ہے مو بہ مو
لگا رکھا ہے اس نے سب کا حساب
بنا رکھی ہے اس نے سب کی کتاب

قصیدہ در مدح سید احمد شہیدؒ

شاہ اسماعیلؒ کی منظومات میں ایک فارسی قصیدہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی مدح میں ہے۔ شاہ صاحبؒ کے بہت سے تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے مگر ان میں سے کسی نے اپنی کتاب میں یہ قصیدہ درج نہیں کیا۔ افسوس کہ ہمیں تلاشِ بسیار کے باوجود یہ نہ مل سکا۔ البتہ اس کے کچھ شعر "تواریخ عجیبہ" کے مصنف نے اپنی قابل قدر تصنیف میں درج کئے ہیں۔ ذیل میں یہ اشعار اسی کتاب سے نقل کئے جاتے ہیں۔ ان میں بعض جگہ کتابت کی غلطیاں ہیں جنہیں ہم نے علیٰ حالہٖ رہنے دیا ہے۔ البتہ ایک جگہ (تیسرے شعر میں) جمع کی بجائے جمیع ہونا چاہئیے تھا اسے ہم نے درست کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں کوئی تصرف نہیں کیا۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو اپنے مرشد سے کس قدر عشق تھا اور ان کے دل میں سید صاحبؒ کی کتنی قدر و منزلت تھی۔

بیاد تہنیتِ شجرۂ امامت کن ۔۔۔ کہ بعد گم شدنش ہاں چگونہ گشت پدید
ہزار شکر بہ یزدان پاک کز فضلش ۔۔۔ زنور قدسی غیبش کہ قطرۂ بہ چکید
زفیضِ او بہ قلوبِ جمیع اہلِ یقین ۔۔۔ زدینِ محض حنیفی بنے عجب روئید
زچار سوگند آن قطرۂ جذب دلہا را ۔۔۔ بطرز سنگ کہ معروف شد بہ حدید
بداہتۃً ہمہ احبار ازین زماں دانند ۔۔۔ کہ زاں اوست ازیں عرصہ منصب تجدید
ہمہ کمال تو موروث ز احمد مرسلؐ ۔۔۔ کہ عرق پاک تو اوصاف پاک ازو بکشید

جو نام نامی او بقرعۂ تو رسید　　فلک بگفت گرفتی زہے سہام حدید
دریں زمان توئی جانشینِ پیغمبر
خلیفہ و خلف و وارث و وصی رشید[1]

مثنوی سلکِ نور (فارسی)

یہ شاہ اسماعیلؒ کی وہ مثنوی ہے جس کا ذکر آپ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے مگر ان میں سے کسی نے اس کا کوئی شعر درج نہیں کیا۔ یہ طویل ترین مثنوی ہے جو ۳۶۵ اشعار پر مشتمل ہے اس سے شاہ صاحبؒ کی قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں بڑی آمد ہے۔ جوشِ بیان اور برجستگی اس مثنوی کی قابلِ ذکر خصوصیات ہیں۔ اس میں آپ نے قدیم فلسفۂ تصوّف یعنی وحدت الوجود کی تردید کی ہے۔ توحید و سنت کا اتباع اور شرک و بدعت کی مذمت اس مثنوی کے بنیادی مضامین ہیں۔ یہ مثنوی ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ شاہ اسماعیلؒ کے ایک معصر اور عقیدتمند مولانا عبدالرب ساکن منالا نوالہ تحصیل ایبٹ آباد ضلع ہزارہ نے یہ مثنوی شاہ صاحبؒ سے حاصل کر لی تھی۔ ان کے فرزند مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے آج سے نوّے سال قبل ۱۳۰۸ھ میں اسے نقل کیا تھا۔ اس کی ایک نقل مولوی عبدالصمد صاحب رکن ادارۂ ماہنامہ "ترجمان الحدیث" لاہور کے پاس ہے۔ ہم ان کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ہمیں مطالعہ کرنے کے لئے یہ مثنوی عنایت فرمائی۔ چونکہ مولوی صاحب موصوف اسے خود شائع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اس لئے انہوں نے اس کا ابتدائی حصہ نقل کرنے کی اجازت دی۔ ذیل میں اس مثنوی کا یہ ابتدائی حصہ درج کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ نقل کرتے ہوئے صحت کا خیال نہیں رکھا گیا اس لئے ہم نے بعض اشعار چھوڑ دیئے۔ صرف وہ اشعار انتخاب میں شامل کئے جو ہماری ناچیز رائے میں وزن وغیرہ کے اسقام سے پاک ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لک الحمد اے مالکِ کارساز　　کہ کردی مرا از شناسانِ راز
مرا دم ازاں رازِ توحیدِ تُست　　کہ آں مغز تحمید و تمجید تست
اگرچہ ادائے حقوقش شدن　　محالِ صریح است از مثلِ من

---

[1] تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۴۹

ولے سینۂ من پُر از شور اوست | ہمہ عقل و دینم پُر از نور اوست
خوش آں شعلہ چو سوخت سالوسِ من | چو خور شمع شد جاں بفانوسِ من
چو مستی آنم بہ ہوشم رسید | صدائے ہوالحق بگوشم رسید
ز شادابی دُرّ دریا سرشت | شگفتم ز سر تا قدم چو بہشت
چو تندیٔ آں شعلہ اغیار سوخت | دو چشمم ز اغیار یک بار دوخت
چو انوارِ توحید بر جاں دمید | تو گوئی کہ بنمود صبح امید
چو خورشیدِ توحید از چرخ جاں | درخشید بر جسم خاکی نشاں
شبِ شرک و غفلت گریباں درید | چو یوسف شد از چاہِ کنعاں پدید
شود ہر بن مو ازاں آب و تاب | چو ذراتِ مراتِ آں آفتاب
ز ہر آئینہ رنگ و اشراق نور | دگر گوں بر آید بہ تندی و شور
ہماں نور عُبّاد را زندگی ست | کہ بے او عبادات شرمندگی ست
چو آبِ زلالش چشیدہ زبان | بہ تسبیح و تقدیس شد دُر فشاں
دہن از مذاقش چو نمکیں شود | ہمہ تلخی وعظ شیریں شود
ہماں نور شد افسرِ خسرواں | ہماں نور شد اخترِ خسرواں
ازاں نور سلطان عادل شود | و زاں نور اقبال حاصل شود
چو توحید کیشان شیران دیں | کہ از ہیبتِ شان بہ لرزد زمیں
ہماں نور آموز دست مرحمت | و زاں نور پیدا کنی مکرمت
بمیدان پیکار روزِ نبرد | کہ از شرک کیشاں برارند گرد
ہماں نور شد آبِ شمشیر شاں | ہماں شعلہ برجست از تیغ کماں
بنوک علم ہائے پاکیزہ خوب | ہماں آتش افروخت از تیغ چوب

شاہ صاحبؒ اس نور کی مزید تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

ہمیں نورِ توحید اصلِ کمال | مبراست از نقص و نسخ و زوال
شرائع عبارت ازاں معنی است | طرائق اشارات آں مکنی است
حقائق ز انفاس آں عیسیٰ است | معارف ز اقباس آں موسیٰ است
ہمیں گونہ آں نورِ قدسی اثر | نماید بہر لحظہ طرزے دگر

ہم اسلام و ایماں عبارت ازوست ہم احسان و عرفاں اشارت ازوست
باجمال کردم اشارت برآں باشکال گفتم کنایت ازاں

سخن راندن اینجا زبس ابلہی ست
کہ ادراک آں برتر از آگہی ست

کچھ مکتوباتِ شاہ اسماعیلؒ کے بارے میں

آئندہ باب میں قارئینِ کرام حضرت شاہ اسماعیلؒ شہید کے بعض نادر مکتوبات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان میں سے کچھ خطوط ہمارے کرم فرما قاضی افضل حق صاحب قریشی نے نقل کرکے ہمیں عنایت کئے تھے مگر ان میں بہت غلطیاں تھیں اور بعض جگہ مفہوم بالکل ہی خبط ہوکر رہ گیا تھا اس لئے ہم نے کوشش کی کہ شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا عکس شائع کردیا جائے مگر افسوس کہ انہی قاضی صاحب اور اس مخطوطے کے مالک جناب نفیس رقم کے عدم تعاون کی بدولت ہماری کوشش ناکام ہوئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں سے ایک صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلے میں بیعت ہیں اور دوسرے صاحب اپنے آپ کو شاہ اسماعیلؒ شہید کا عقیدتمند قرار دیتے ہیں مگر ان "عقیدتمندوں" کا حال یہ ہے کہ خود تو کچھ کرنے سے رہے، جو شخص ان عظیم اکابر کے کارنامے منظرِ عام پر لانا چاہتا ہے اس کے راستے میں صرف اس لئے رکاوٹیں کھڑی کررہے ہیں، کہ وہ کتاب لکھتے وقت ان کا نقطۂ نظر کیوں اختیار نہیں کرتا۔ اِنّا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون۔ شاہ صاحبؒ کو بھی کیسے کیسے عقیدتمند ملے۔ اسی تنگ نظری نے ایک دوسرے رنگ میں اُن کی تحریک کو نقصان پہنچایا اور یہی تنگ نظری اب ان کے کام کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

بہرحال ہم اپنے اللہ تعالےٰ کے شکرگذار ہیں کہ اسی کی عطا کردہ توفیق سے حضرت شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اصل مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو معلوم ہوسکے کہ شاہ صاحبؒ نے ان خطوط میں کیا لکھا تھا۔ الحمدللہ کہ وہ مقصد حاصل ہوگیا۔

(مولف)

شاہ اسماعیلؒ کے نادر خطوط

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی بھرپور اور فعّال زندگی میں اپنے دوستوں، دشمنوں، معاصروں، مختلف علاقوں کے علما اور سرداروں کو متعدد خطوط لکھے۔ ان میں سے اکثر خطوط کا موضوع اس زمانے کے سیاسی حالات ہیں۔ بعض خطوط میں شاہ صاحبؒ نے اپنے معاصرین کو احیائے اسلام اور قیامِ جہاد میں حصہ لینے کی تحریک کی ہے اور نزاکت وقت سے مطلع کیا ہے۔ کچھ خطوط انہوں نے اپنے مرشد سید احمد شہیدؒ کو لکھے ہیں۔ یہ ہمارے زمانے کی معروف اصطلاح کے مطابق رپورتاژ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان خطوط کے مطالعے سے حضرت شاہ صاحبؒ کے عہد میں صوبہ سرحد کے سیاسی و سماجی اور دینی حالات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور ان دشواریوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو مجاہدین کو درپیش تھیں۔ خصوصاً صوبۂ سرحد میں اس تحریک کی ناکامی کے اسباب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے اپنے خطوط میں بعض علاقوں کے سرداروں اور علما کے طرزِ عمل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اور مستقبل میں رونما ہونے والے حالات و واقعات کے متعلق جو اندازے لگائے ہیں وہ سو فی صد درست ثابت ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی سیاسی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ انہیں آدمی کو پرکھنے اور حالات کا تجزیہ کرنے کا حیرت انگیز ملکہ حاصل تھا وہ جن علاقوں میں جاتے وہاں کے حالات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے۔ گرد و پیش پر گہری نظر ڈالتے اور اپنی خداداد فراست سے نہایت صحیح نتیجہ نکال کر صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیتے۔ ان کے مکتوبات ان کی ان صلاحیتوں کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ افسوس کہ شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا یہ قیمتی سرمایہ ابھی تک لائبریریوں اور اہل علم کے ذاتی کتب خانوں میں بند ہے۔ یہ سارے خطوط ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور عوام تو کیا خواص کی بھی ان تک رسائی نہیں۔ گذشتہ دنوں جب راقم الحروف اپنی کتاب "شہادت گاہِ بالاکوٹ" کی تالیف میں مصروف تھا تو اسے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مکتوبات کا ایک قلمی نسخہ ملا جس کے سرنامے پر "مکتوباتِ مولوی" کے الفاظ درج ہیں۔ یہ مخطوطہ پاکستان کے نامور خطاط

جناب سید انور حسین نفیس رقم کی ملکیت ہے۔ اس کا اجمالی تعارف "شہادت گاہِ بالاکوٹ" میں کرایا جا چکا ہے۔ اس مجموعے میں بعض اور اصحاب کے بھی خطوط ہیں۔ شاہ اسماعیلؒ کے مکتوبات کی تعداد آٹھ ہے ان میں سے دو خط مولانا جعفر تھانیسری کی کتاب "سوانح احمدی" میں "مکتوباتِ احمدی" کے زیرِ عنوان شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اس لئے ہم نے اسے قلم انداز کر دیا ہے۔ باقی چھ خط اور ان کا اُردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ اس نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے مفہوم کی روح قائم رہے۔

ترجمہ مکتوبِ اوّل

بندہ ضعیف محمد اسماعیلؒ کی طرف سے مخدومی و مکرمی حضرت سید طالب اللہ کی خدمت میں السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ جناب کا گرامی نامہ اس عاجز کے نام موصول ہوا۔ اس منحوس دور میں راستباز شخصیتیں عنقا ہو گئی ہیں اور اکثر زر و جواہر کے بندے ہو گئے ہیں۔ انکے نزدیک اطاعتِ ربانی اور احکامِ قرآنی کی بہ نسبت دنیا کے کاروبار زیادہ اہم ہیں خصوصاً اس زمانے میں ہر شخص زراعت و کاشتکاری میں مشغول ہے۔ ہم لوگوں کو بھی دنیاوی کاروبار کی ضرورت ہے کیونکہ ہم بھی بنی نوع انسان میں سے ہیں۔ فرشتے یا کوئی آسمانی مخلوق نہیں بلکہ ساکنانِ زمین ہیں۔ ہم بھی لوگوں سے بہتر دنیوی تعلقات استوار کرتے اور خود کو زمین و زمان کے بادشاہوں میں شمار کرتے۔ لیکن چونکہ ہم کلمہ گو مسلمان اور حق کی تلاش میں ہیں، جب ہم نے اپنے مولا کی رضا فریضۂ جہاد ادا کرنے میں پائی تو ہم نے اللہ کی خاطر ان تمام بیہودہ مشاغل کو ترک کر دیا۔ چونکہ ہم نے اس علاقے کا نام دارالسلام سنا اسلئے "کشاں کشاں اس کوہستان میں آ گئے" اور اس علاقے کے مسلمانوں کو بھی ہم نے اپنے جیسا سمجھا اور انہیں بھی جذبۂ ایمانی سے سرشار خیال کیا مگر آخر کار یہ معلوم ہوا کہ وہ بظاہر تو کلمہ گو ہیں مگر باطن میں کافرانہ خصلت رکھتے ہیں۔ بظاہر طالبِ حق ہیں مگر حقیقت میں منافقوں کی طرح دنیا کی طرف راغب ہیں۔ انھوں نے شریعتِ ربانی کی بجائے اپنی رسوم کو دین بنا لیا ہے۔ اسلئے آپ کی خدمت میں تحریر ہے کہ جب تک ہمارے جسموں میں روح اور شانوں پر سر موجود ہے ہم ہر طریق سے اسی کام (قیامِ جہاد) میں مشغول رہیں گے۔ ہم خداوند تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کام پر کمر بستہ ہیں اور مخلوقات میں سے خواہ وہ دوست ہوں یا بھائی کسی پر اعتماد نہیں رکھتے بلکہ اپنے مسبب الاسباب پر توکل رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے امام (حضرت سید احمد شہیدؒ) ہفتہ کے روز پشاور کی طرف کوچ فرمائیں گے اور عین وقت پر عام مسلمانوں کے لئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کے متعلق اعلانِ عام فرمائیں گے۔ جس شخص میں ذرہ برابر بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے اور خدا و رسولؐ کی پیروی کو اپنے قبیلے کی پاسداری پر ترجیح دیتا ہے اور مذہب و ملت

کے نام کو بھی منافع کا ذریعہ سمجھتا ہے تو وہ خود بخود اس فرض کی ادائیگی کے لئے حاضر ہو جائے گا اور جو شخص خدا اور رسولؐ کو بھولے بسرے افسانے کی طرح سمجھتا اور دینی خدمت کو محض لغو اور بے فائدہ جانتا ہے پس اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ جانے اور اس کا کام۔ ہمیں اسے شریک کرنے اور اس کی امداد لینے کی قطعاً حاجت نہیں۔ یہ ارشاد الٰہی یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین (اے نبی! تیرے لئے اللہ کافی ہے اور مومنوں میں سے وہ جو تیرے پیروکار ہیں) بیشک نصوص قرآنی میں سے ہے اور یہ ارشاد بھی وکان علینا حقاً نصر المومنین (مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمے حق ہے) بلاشک اللہ تعالےٰ کے وعدوں میں سے ہے اور اللہ تعالےٰ کا وعدہ خلافی کرنا ناممکن ہے اور آپ نے اپنے شفقت نامے میں جو تحریر فرمایا ہے کہ اگر مجھے اس خدمت کے لئے طلب کیا جائے تو میں اپنی جماعت کے ہمراہ حاضر ہونے میں کوتاہی نہ کروں گا تو اے میرے مخدوم! آپ پر واضح ہو کہ یہ کام خدا کا ہے ہم ضعیفوں اور غریبوں کا نہیں۔ خراسان اور ہندوستان کی سلطنت ہمارے باپ دادا کی نہیں جس کی وجہ سے ہم اور ہمارے دوست اس کے موروثی ہونے کا دعوی کریں اور ایسی تکلیف دیکر آپ کا وقت ضائع کریں۔ اگر آپ خدا کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں تو آپ کی ہر لحاظ سے ضرورت ہے اور اگر آپ اس کام کو خدا کا کام نہیں سمجھتے تو پھر ہم ضعیفوں اور کمزوروں سے لیسے امر کے حاصل کرنے کی امید نہ رکھیے جس کے نتیجے میں آپ کو دنیوی مفاد مقصود ہو۔ آپ خدا تعالیٰ سے پوچھئے (دعا و استخارہ کیجئے) اگر آپ سمجھیں تو اس فریضے کی ادائیگی کے لئے آجائیے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔ ہم جس کام میں مصروف ہیں اس کے متعلق ہم نے اپنے اللہ تعالیٰ سے دریافت کر لیا ہے اور اسے فرض عین سمجھ کر اس مقام پر پہنچے ہیں اور آئندہ کیلئے بھی ہمارے عزائم اور ہمتیں نہایت بلند ہیں اور اسے اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اگر ہمارے بزرگ امام (حضرت سید احمد شہیدؒ) مجھے اس لشکر سے نہایت ذلت و خواری کے ساتھ نکال دیں تو پھر بھی میں اس فرشتہ صفت لشکر سے جدا ہونا گوارا نہیں کروں گا اور اپنے آپ کو ہر حیلہ و بہانہ سے انکے خدام میں شامل رکھنے کی کوشش کروں گا۔ آپ کی خدمت میں طویل کلام کرنا لقمان کو حکمت سکھانے کے مترادف ہے۔ والسلام مع الاکرام۔ (ارمغان ۱۵۰ الف تا ۱۵۱ الف)

ترجمہ مکتوب دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فدویان محمد اسماعیل و سید محمد مقیم و شاہ سید کی طرف سے حضرت امام المسلمین امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ

(حضرت سید احمد شہیدؒ) کی خدمت میں بعد سلام مسنون عرض ہے کہ حضور کا گرامی نامہ موضع نکاپانی میں موصول ہوا۔ مضامینِ مندرجہ سے آگاہی حاصل ہوئی جناب سے رخصت ہونے کے بعد سے لے کر دریائے سندھ کو عبور کرنے کے وقت تک سفر کی تفاصیل خدمتِ والا میں ارسال کی جا چکی ہیں۔ امید ہے کہ یہ معروضہ آپ کی خدمت میں پہنچ گیا ہوگا اور آپ کو حالات پر اطلاع ہو گئی ہوگی جس روز ہمیں دریا عبور کرنا تھا اس روز تنگیٔ وقت کی وجہ سے تقاضائے مصلحت یہی تھا کہ رات دریا کے کنارے گذاری جائے لیکن چونکہ یہاں سے دربند کا قلعہ ایک کوس کے فاصلے پر تھا پس اس جگہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے کوچ کر کے اسی روز دو تین کوس کا فاصلہ طے کر کے مقام (......) (......) پر پہنچ کر اتر پڑے۔ وہاں کے گرد و نواح کے لوگ پائندہ خاں کے ایما پر نہایت حسن سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آئے اور تمام رات ہمارے لشکر کی حفاظت کے خیال سے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیدار رہے اور آگ روشن رکھی۔ علی الصبح ہم لوگوں نے وہاں سے کوچ کیا۔ اس نواح کے بہت سے لوگ خان پائندہ خان کی ہدایت پر ہمارے ساتھ ہو کر موضع نکاپانی تک گئے۔ اس مقام پر بھی خان ممدوح کے لوگوں کے علاوہ اس نواح کے مخلصین و مومنین ہمارے ساتھ اسی طرح اخلاص و محبت سے پیش آئے جس طرح گذشتہ مقام پر وہاں کے لوگوں نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنی استطاعت کے مطابق ہمارے خورد و نوش کا انتظام کیا۔ اس علاقے کے بعض علما نے ہم سے ملاقات کی اور اقامتِ جہاد میں شریک ہونے کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر ہمیں فوری طور پر طلب کیا جائے تو سات آٹھ سو مخلص مومنین کی جماعت اسی وقت ساتھ کر دی جائے۔ ہم نے مناسبتِ وقت کے پیش نظر انہیں یہ جواب دیا کہ چند روز کے بعد آپ لوگوں کو طلب کیا جائے گا اور ان سے کہا کہ جس وقت میرا خط آپ لوگوں کو ملے تو اسے دیکھتے ہی روانہ ہو جائیں اور میں جہاں بھی ہوں مجھ سے آملیں۔ انہوں نے یہ بات منظور کر لی اور نکاپانی کے مضافات میں اس کی اطلاع بھیج دی گئی۔ لیکن اب جو آپ کا گرامی نامہ آیا ہے اس سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ ہم لوگ پائندہ خاں سے دوستی منقطع کر لیں اور جلد ہی پکھلی کی طرف روانہ ہو کر محمد علی شاہ اور سربلند خاں کے پاس پہنچ جائیں۔ آپ کا ارشاد بسر و چشم مگر اس وقت آپ کی اس ہدایت پر عمل کرنا مناسب نہیں بلکہ مصلحتِ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ خانِ ممدوح (پائندہ خاں) سے دوستی اور اخلاص کا تعلق اس وقت تک قائم رکھا جائے جب تک کہ پائندہ خاں کے علاقے کے مخلص مومنوں کو اپنا رفیق کار نہ بنا لیا جائے۔ اس کے بعد ہم لوگ پکھلی کی طرف جائیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ انشاء اللہ تعالیٰ

آج ہم حدود اگردریں پہنچ جائیں گے اور جب تک مناسب ہوگا وہاں قیام کریں گے ۔ انشاءاللہ تعالیٰ کچھ لشکر فراہم کروں گا جیسا مصلحت کا تقاضا ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا کیونکہ یہ مقام ایسا ہے کہ یہاں رہ کر پائندہ خاں سے تعلق منقطع کرنے کے نتیجے میں ہم لوگ غیر محفوظ ہوجائیں گے اس وقت تک پائندہ خاں کی طرف سے حسنِ سلوک کے علاوہ اور کوئی امر ظاہر نہیں ہوا ۔ اگرچہ یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ کلی طور پر ہمارے ساتھ شریک ہوجائے گا ۔ چونکہ وہ ظاہرا طور پر وہ ہمارے ساتھ اظہار مخالفت نہیں کرتا ۔ اس لئے ہمارا ابھی اس سے قطع تعلق کرنا مناسب نہیں ملا محمد اسماعیلؒ اخوندزادہ جو نہایت عقلمند اور ہوشیار ہیں اور لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے اور توڑنے کے معاملات میں نہایت دانا اور تجربہ کار ہیں ۔ عوام و خواص میں نہایت مشہور ہیں اور پائندہ خاں کی طرف سے ہماری رفاقت پر مامور ہیں وہ خود بھی لشکرِ مجاہدین کے خیرخواہ اور شریکِ حال ہیں ۔ اسلامی لشکر کی خیرخواہی کے معاملات میں ہر منزل پر سعی بلیغ کرتے ہیں اور اس کام کو اپنے نزدیک افضل عبادت سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ خان ممدوح (پائندہ خان) نے اس علاقے کے معززین کو مجاہدین کی خدمت گذاری کے بارے میں جو خطوط ارسال کئے ہیں وہ بھی دراصل ملا محمد اسماعیل اخوندزادہ کی تحریک کا نتیجہ ہیں اور ان خطوط سے مجاہدین کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ مکرر عرض یہ ہے کہ ان علاقوں میں بڑے بڑے پہاڑ ہونے کی وجہ سے راستے بہت دشوار گذار اور تکلیف دہ ہیں اس لئے جو شخص ہم جیسے حاجت مندوں کا ساتھ دے رہا ہو ایسے مقام پر اس سے ترک تعلق کرلینا مناسب نہیں ، جو شخص امام کی پوری طرح اطاعت نہیں کرتا یا اس اطاعت کو امر مشکل سمجھتا ہے ان حالات میں تو ایسے شخص کو بھی الگ کرنا مناسب نہیں ۔ پس ان کے حق میں یہی مناسب ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ آپ کی تربیت سے مہذب ہوجائیں ۔ خلاصہ یہ کہ میری ناقص عقل میں بہ اعتبار ظاہر جو تدبیر سمجھ میں آتی ہے اس پر عمل پیرا ہوں ۔ باقی ہر کام کا انجام اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے ۔ فی الحال تو ظاہری لحاظ سے اس جگہ کوئی دگرگوں نظر نہیں آتا اور اب تک میں نے کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے دل میں کوئی تردد پیدا ہو ۔ اس علاقے میں مجاہدین کی امداد کے لئے مفید ترین تدبیر یہی ہے کہ سامانِ جنگ مثلاً تلوار ، بندوق ، بارود اور گولیاں آہستہ آہستہ ارسال فرمائیں اور ایسا انتظام فرمائیں کہ مجاہدین کی جماعتیں پے در پے ایک ایک دو دو یا تین تین دن کے وقفے سے پہنچتی رہیں ۔ ان امور سے مومنین کو تقویت حاصل ہوگی اور منافقوں اور کافروں پر رعب قائم ہوگا ۔ زیادہ تعظیمات ۔

(از ص ۹۸ ب تا ص ۱۰۱ الف)

ترجمہ مکتوب سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فدوی محمد اسماعیل کی طرف سے حضرت امیر المومنین امام المسلمین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بعد ادائے تسلیمات مسنونہ عرض ہے کہ جس وقت ہم مشورے کی خاطر کمال خان برادر عبدالغفور خاں رئیس اگرور کے موضع کلکئی میں پہنچے تو محمد علی شاہ اور خانِ عالی و ناصر خاں کی طرف سے ایک شخص جناب کے نام ایک عریضہ لے کر فدوی کے پاس پہنچا۔ اس عریضے کے مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ ان معزز خوانین کا مقصد یہ ہے کہ لشکرِ اسلام چندروز اگرور یا اس کے نواح میں قیام کرے یعنی فی الحال ان کے قرب وجوار کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس سے ان کی غرض بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ فی الحال بعض دنیوی مصلحتوں کی خاطر کفار کے ساتھ تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں اور لشکرِ اسلام کے غلبہ کا خیال بعض ظاہری اسباب کی بنا پر ان کے دل میں جاگزیں نہیں ہوا اور حضور کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی شہرت دینا ان کے نزدیک مصلحتِ وقت کے لحاظ سے مناسب نہیں۔ اس لئے انہوں نے لشکرِ اسلام کو اپنے علاقوں میں آنے کی اجازت دینے میں کمزوری دکھائی۔ لہذا ہمارے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ پائندہ خاں اور خوانینِ اگرور اور حبیب اللہ خاں کے ساتھ اتحاد و دوستی کا تعلق اس وقت تک بظاہر قائم نہ رکھا جائے تاوقتیکہ یہ معزز خوانین اخلاص کے ساتھ وابستگی کا اظہار نہ کریں اور اس کا طریقہ یہ نظر آتا ہے کہ لشکرِ اسلام اگرور کے علاقے میں ٹھہرا رہے اور ظاہر یہ کرے کہ یہ لشکر حبیب اللہ خاں کی امداد کے لئے آیا ہے اور اس دستے کے چند افراد ان معزز خوانین سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کریں لیکن خوانینِ اگرور کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ ہم سواتیوں کے اس لشکر کو جمع کرنے جا رہے ہیں جو ان معزز خوانین کے قرب وجوار میں مقیم ہیں تاکہ حبیب اللہ خاں کی امداد کے لئے ایک جماعت کثیر فراہم ہو جائے۔ اسی مقصد کو دل میں پوشیدہ رکھ کر میں عبدالغفور خاں سے ملاقات کرنے گیا اور ان کے بھائی کمال خاں کو بھی ساتھ لے گیا اور ان کے بھتیجے ارسلان خان کو اس جگہ طلب کیا۔ احمد خان رئیس ضلع پکھلی اور سید حیدر شاہ (برادر زادہ محمد علی شاہ) بھی راستے میں مل گئے۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا خوانین سے اس مقام پر ایک جماعت کثیر کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس محفل میں جو گفتگو اور مشورت ہوئی اس کی تفصیل بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ مختصر یہ کہ اگرچہ خوانین مذکورین زبانی جمع خرچ تو بہت کرتے ہیں حتیٰ کہ اس عاجز کے ہاتھ پر حضور کی امامت کی بیعت بھی کی لیکن ان کی باتوں سے ایسا ترشح ہوتا تھا کہ ان میں ایمانی غیرت

اسلامی حمیت دلی اخلاص اور احکامِ الٰہی کی اطاعت مقصود ہے بلکہ ان کا منتہائے مقصود دنیا کے حاکموں کو خوش کرنا اور اپنے ہم عصروں پر انحصار کرنا ہے اور بس۔ یہ باتیں جو میں نے لکھی ہیں ان کے مسلک کے عین مطابق ہیں ......۔ اس تحریر کے دوران بعض باتیں میں نے وعظ و تذکیر کے طور پہ تحریر کردی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بظاہر اتحاد کی کچھ صورت پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد میں اپنا لشکر لیکر موضع کلکئی میں واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ میاں محمد مقیم خاں کے پاس صرف اشرفیاں تھیں روپے نہیں تھے۔ اگرور کے لوگ اشرفیوں کے نرخ سے مطلق واقف نہ تھے۔ اس وجہ سے اشرفیوں کے عوض غلہ خریدنے میں دشواری پیش آرہی تھی اور اس وعدہ پر غلہ قرض لینا کہ اشرفیوں کے بدلے جب روپیہ آجائے گا تو قیمت ادا کردی جائے گی۔ اس علاقے کے روٗسا کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا۔ ان روٗسا کو چونکہ یقین تھا کہ فی الحال لشکرِ مجاہدین حبیب اللہ خاں کی تائید نہ کرے گا اس لئے وہ لوگ مجاہدین کی رفاقت سے پہلوتہی کرتے تھے اور حبیب اللہ کی خدمت کرنے میں دل و جان سے کوشاں تھے۔ اگرچہ ان روٗسا کو بہتیرا سمجھایا لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے نتیجے میں دو دن تک خرچ کی سخت تکلیف رہی۔ اکثر اہلِ لشکر عموماً اور اہلِ رامپور خصوصاً سخت پریشان رہے اور ان کے لئے وہاں ٹھہرنا مشکل ہوگیا۔ ان میں بعض عقلمند افراد نے واپسی کا مشورہ دیا اور بعض تو بغیر اجازت کے چلے بھی گئے۔ میاں مقیم خاں اپنی فطری شجاعت اور جراتِ قلبی کی بنا پر جنگ شروع کرنے میں عجلت کا اظہار کر رہے تھے۔ ہرچند کہ جہاں تک مجھ سے ممکن تھا میں حسن تدبیر سے ان کو ان کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن انہیں ایک دن ایک سال کے برابر محسوس ہو رہا تھا۔ آخر منشی خواجہ محمد کو سربلند خاں کے پاس ایک اشرفی دے کر بھیجا تاکہ خان ممدوح کے پاس جاکر اس بارے میں مشورہ کریں اور ان کی معرفت اشرفی کے عوض روپیہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد ارسلان خاں نے آکر بتایا کہ میں فی الحال اہلِ گرور کے لشکر کے ساتھ حبیب اللہ خاں کی امداد کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ اگر کسی کو شوقِ جہاد ہو اور اس کے دل میں مظلوم مسلمانوں کی امداد کا درد ہو تو وہ میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کے اخراجات میں برداشت کروں گا۔ یہ سن کر اہلِ لشکر میں سے اکثر لوگ خاص طور پر میاں محمد مقیم خاں ان کا ساتھ دینے پر تیار ہوگئے اور اس معاملہ کے نشیب و فراز کو نظر انداز کر کے خان ممدوح کی امداد پہ کمربستہ ہوگئے اور مجھ سے اجازت کے طالب ہوئے۔ ہرچند کہ انہیں اجازت دینا مصلحتِ وقت کے خلاف تھا مگر مجبوراً اجازت دینی پڑی ورنہ رنجش کی صورت پیدا ہو جاتی۔ اس پر میں نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ میاں محمد مقیم خاں کے جلد باز ساتھیوں

کو ان کی قیادت میں روانہ کر دیا اور میں خود باقی ماندہ جماعتِ مجاہدین کے ساتھ ارسلان خان کی جائے سکونت موضع جس کوٹ میں ٹھہرا رہا۔ ارسلان خاں اور میاں محمد مقیم خاں کے جانے کے بعد سربلند خاں نے ہمیں مشورت کی غرض سے طلب کیا چنانچہ میں اپنے چند رفقا کے ساتھ جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی سربلند خاں کی ملاقات کے لئے روانہ ہو گیا۔ محمد اسماعیل اخوندزادہ بھی میرے ساتھ تھے جو اس علاقے کے تمام علما کے استاد، نہایت ہوشیار، معاملاتِ جنگ و پیکار اور نیک و بد کی تالیفِ قلوب میں یگانۂ روزگار ہیں۔ ان کے علاوہ ملا شاہ سید اور ان کی جماعت کے افراد کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ باقی مجاہدین کو مولوی عبداللہ خاں کی سرکردگی میں موضع جس کوٹ میں ہی ٹھہرا دیا۔ پہاڑوں کے نشیب و فراز سے گذر کر ہم لوگ خاں سربلند خاں کے پاس پہنچے۔ ملا عصمت اللہ برادر ملا شاہ سید وہاں پہلے سے موجود تھے۔ اگرچہ سربلند خاں تنولیوں میں سے ہے اور دین دار آدمی ہے مگر چونکہ فی الحال اپنے وطن سے نکلا ہوا ہے اس لئے یہاں مسافرانہ زندگی گذار رہا ہے۔ یہاں کا اصل رئیس ایک شخص شاہی خاں نامی ہے جو سربلند خاں کا دوست ہے اور اس سے رفاقت کا رشتہ قائم رکھنے میں کوشاں رہتا ہے۔ غرض سربلند خاں، شاہی خاں اور ان کے بھائیوں سے ہماری ملاقات ہوئی۔ اگرچہ ان لوگوں سے اتحاد و محبت کی باتیں رہیں۔ لیکن یہ لوگ مجاہدین کا ساتھ دینے میں ہچکچا رہے تھے۔ دو دن اور دو راتیں میں ان کے پاس ٹھہرا اور ان کو لشکرِ اسلام کی اعانت کی ترغیب دینے کی پوری کوشش کی مگر ان کے حالات اور ان کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو گروہ دریائے سندھ کے ساحل پر قابض ہے اس کے ساتھ مل کر اگر مجاہدین پھر کفار پر غلبہ پا لیں تو وہ لوگ ہمارے ساتھ شامل ہوں گے ورنہ درمیان کا راستہ اختیار کریں اور خود کو غیر جانبدار رکھیں گے البتہ اس امر کا یقین ہے یہ لوگ مجاہدین کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اس امر کی بھی توقع ہے کہ یہ لوگ کسی وقت ہماری موافقت میں پامردی و شجاعت کا مظاہرہ کریں۔

اب عرض یہ ہے کہ فی الحال اس علاقے کے لوگوں کا مجتمع ہو کر لشکرِ اسلام کی شوکت کا باعث بننا اور اس کثیر لشکر کے اخراجات کا انتظام کرنا امرِ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ہاں اگر لشکرِ اسلام کی شوکت کی غرض سے اس علاقے کے خوانین اور ان کے ساتھی پیش قدمی کریں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں تو کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان میں سے کوئی ایسا شخص کھڑا ہو جائے جو دشمنوں کے کھلم کھلا مقابلے پر آمادہ ہو اور آنکھیں بند کر کے لشکرِ اسلام کی شان و شوکت میں کوشاں ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض آپ کا ساتھ دینے کی بھی خواہش رکھتے ہیں۔ البتہ فی الحال یہ لوگ دشمنانِ اسلام کی بیخ کنی کرنے کے لئے کلی طور پر ہمارا ساتھ دینے میں تامل کر رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ

یہ لوگ (ان کی اکثریت) ہمارے ساتھ اس وقت ملیں گے جب دشمنوں کا قلع قمع ہو جائے۔ اگر ہم دشمن کی بیخ کنی کا وعدہ کریں تو یہ بھی صرف وعدوں پر ٹرخائیں گے۔ خاکسار ان کے طرز عمل اور گفتگو سے اسی نتیجے پر پہنچا ہے۔ لیکن فی الحال ہم انہیں اپنا موافق بنانے اور ان کا مخلصانہ تعاون حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ لوگ محمد علی شاہ کے ساتھ ہیں اور ان کو خوانین کا سردار سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں خاکسار بعض وجوہ کی بنا پر ان لوگوں سے قطع تعلق کرنے کو مقصد جہاد کے لئے مضر سمجھتا ہے۔ ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ دریائے سندھ پر دونوں اطراف اور ضلع اگرور ان کے قبضے میں ہے۔ اس صورت میں اگر ان لوگوں سے تعلق منقطع کر لیا جائے تو مجاہدین کا وہاں سے گذرنا اور دریائے سندھ عبور کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ یہاں کا سردار اس علاقے کے دوسرے خوانین کے مقابلے میں زیادہ صاحب اقتدار ہے۔ اگر ہم اس سے بگاڑ پیدا کر لیں تو دوسرے خوانین بھی اس کے مقابلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ تیسری وجہ یہ کہ اس سردار اور حبیب اللہ خاں نیز اگرور کے باقی خوانین کے درمیان دوستی اور اتحاد کا نہایت مضبوط رشتہ قائم ہے اور میاں محمد مقیم خاں مع مجاہدین کے حبیب اللہ خاں کے پاس گئے ہوئے ہیں پس اگر ہم اس سردار سے رابطۂ اتحاد منقطع کر لیں تو اس امر کا احتمال ہے کہ خان مذکور اور اگرور کے دوسرے خوانین میاں محمد مقیم خاں کو نقصان پہنچائیں گے یا ہم لوگوں سے قطع تعلق کر لیں گے۔ اس طرح بھی لشکر اسلام کو نقصان پہنچے گا۔ چوتھی وجہ یہ کہ سلطان زبردست خاں جو رؤسائے کشمیر میں سے ایک بڑا سردار ہے حبیب اللہ کا قدیمی دوست ہے۔ اس لئے بھی حبیب اللہ خاں سے موافقت رکھنا ضروری ہے تاکہ میرے اور سلطان زبردست خاں کے درمیان رابطہ دوستی قائم رہے۔ یہ ہیں اجمالی حالات خان سربلند خاں اور اس علاقے کے دوسرے خوانین مثلاً سعادت خاں، احمد شاہ خاں، احمد خاں اور شاہی خاں کے۔ میں نے ان سب کو سربلند خاں کا ہم رنگ پایا۔ ناصر خاں، حسن علی خاں، محمد علی شاہ اور ان جیسے دوسرے غیر حاضر سرداروں سے ابھی تک ملاقات نہ ہو سکی۔ ان کے متعلق بھی میں اپنے قیاس سے جو کچھ معلوم کر سکا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ بھی مجاہدین کے ساتھ شامل ہو کر لشکر اسلام کی شوکت کا باعث نہیں بن سکیں گے اور کفار کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ ہاں اس امر کا احتمال ہے کہ اگر لشکر اسلام کو شان و شوکت حاصل ہو جائے تو یہ اس کی موافقت کریں اور اگر کوئی انہیں جہاد میں شریک ہونے کی تحریک کرے تو شاید مجاہدین کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں یعنی اگر اہل اسلام کا غلبہ ہو جائے تو پھر ان کا موافق ہو جانا یقینی ہے۔ اس صورت میں ان سے لشکر مجاہدین کو کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ لیکن فی الحال انہیں ایسا ضعیف القلب اور ضعیف الایمان دوست

سمجھنا چاہیے جو نہ تو مردانہ وار موافقت کر سکتا ہے اور نہ کھلم کھلا مخالفت کی راہ اختیار کر سکتا ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی ہے جو بین بین رہتے ہوئے دل سے تو غلبۂ اسلام کا خواہاں ہے مگر جنگ کی صورت میں دونوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

سربلند خاں اور شاہی خاں سے مشورے کے بعد میں جس مقام پر ٹھہرا ہوا تھا وہ سعادت خاں اور شاہی خاں کے علاقوں کے درمیان ضلع ٹکری میں واقع ہے۔ جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ اگرچہ اس مقام پر ہمارا قیام چند روز سے زیادہ نہ تھا مگر اس کے باوجود وہاں کے سنگ صفت لوگ ہمارے قیام کو پسند نہ کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ شاید ہمارے لشکر کے ٹھہرنے سے جگہ کی بھی تنگی ہوگی اور ان کی فصلوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ پس اس جگہ چند روز قیام کر کے میں نے سید ممدوح (سید محمد علی شاہ) اور ناصر خاں اور حسن علی خاں کو سربلند خاں کی معرفت ایک خط بھیجا اور اس میں تحریک کی کہ وہ یہاں آکر مجھ سے ملاقات کریں اور اسی مضمون کے چند اور خطوط اپنے رفقا میں سے ایک شخص کے ہاتھ مختلف علاقوں کے سرداروں کے نام روانہ کیے اور ملا عصمت اللہ کو ویشی قوم کے خوانین کی طرف بھیجا تا کہ انہیں اتحاد کی تحریک کریں۔ ایک اور شخص کو علاقہ کوائی کے بزرگ سادات کی طرف بھی روانہ کیا۔ خلاصہ یہ کہ میں اپنی استطاعت اور عقل ناقص کے مطابق کوشش میں مصروف ہوں۔ حق تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے اور ان کا بہتر نتیجہ نکلے میں اپنی سی کوشش کر رہا ہوں اور انجام کار کو خدا کے سپرد کر دیا ہے۔ ان علاقوں میں آکر یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حصولِ مقصد میں کچھ عرصہ درکار ہوگا۔ اب وقت آگیا ہے کہ مجاہدین کے دستے یہاں بھیج دیے جائیں بلکہ جس وقت میں آپ سے رخصت ہو کر یہاں آیا تھا مناسب تو یہ تھا کہ اسی وقت مجاہدین کے لشکر یہاں پہنچ جاتے۔ بعض لوگ کھلم کھلا اور بعض لوگ پوشیدہ طور پر دیہات اور قصبات میں پھیل جاتے۔ اس صورت میں ان علاقوں کے رؤسا ہماری امداد پر مستعد ہو جاتے اور لشکروں کے ٹھہرانے میں مدد دیتے۔ جب یہ لشکر ان علاقوں میں رونق افروز ہوتا تو یہاں کے لوگ بھی کثیر تعداد میں ہمارے ساتھ شامل ہو جاتے اور مخالفت و موافقت سے قطع نظر کرتے علی الاعلان جہاد میں شریک ہو جاتے اور کفار و منافقین پر بے خوف و خطر ٹوٹ پڑتے۔ جو بھی ان کے مقابلے میں آمادہ اس کا نتیجہ بھگت لیتا اور منافقوں کے حیلے بھی درہم برہم ہو جاتے۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اگر میاں محمد مقیم فتح یاب ہو جائیں تو ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا ورنہ چند روز کے بعد تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی حاصل ہو ہی جائے گی لیکن کیا کیا جائے کہ میرے رفقا میں سے اکثر بے صبر اور جلد باز ہیں البتہ

ان میں سے بعض مطیع و فرماں بردار ہیں، جہاد بھی دین کی نصرت کی خاطر اعلیٰ کوششوں کی بجاآوری کا نام ہے خواہ وہ زبان کے ذریعے سے ہو یا تلوار سے۔ ایسا شخص ہر رنگ میں کاروبارِ جہاد میں شریک رہنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ فی الحال یہاں سے واپس لوٹ جانا ہمارے مقاصد کیلئے سخت مضر ہے اور بغیر سوچے سمجھے کنارہ کشی اختیار کر لینا مصلحتِ وقت کے خلاف ہے بلکہ اس امر کا احتمال ہے کہ یہ دونوں باتیں کہیں ممنوعاتِ شرعیہ میں سے نہ ہوں۔ یہی وقت ہے کہ ہم بڑے غور و فکر سے حالات کا جائزہ لیں اور ہر نشیب و فراز طے کرنے کیلئے مستعد ہو جائیں اور عقل و فکر سے کام لے کر مساعی جمیلہ سرانجام دیں اور اسے جہاد کی اعلیٰ قسم میں شمار کریں۔ اللہ تعالےٰ سے امید واثق ہے کہ اس عاجز کے رفقا عموماً اور اہلِ مشورہ خصوصاً اس بارے میں میرا ساتھ دیں گے۔ حصولِ مقصد میں جو رکاوٹیں ہیں انشاء اللہ وہ چند روز میں دور ہو جائیں گی اور اسلام کی نصرت کا جھنڈا لہرانے لگے گا۔ باقی حالات کی تفصیل سید ممدوح اور خوانین مذکور سے ملاقات کے بعد عرض کر دی جائیگی زیادہ حدِ ادب۔

مکرر یہ کہ ملا محمد اسماعیل اخوندزادہ نہایت عقلمند اور دیانت دار انسان ہیں۔ مشاورت و مصالحت کے امور میں بہت تجربہ کار ہیں اور ان علاقوں کے تمام علما و فضلا کے پیشوا ہیں اور ان علاقوں کے خوانین کے بھی معتمد ہیں اور دین کی خدمت میں دل و جان سے مصروف اور تالیفِ قلوب میں مشغول رہتے ہیں۔ امید ہے کہ ملا محمد اسماعیل کے نام ایک فرمان روانہ فرمائیں گے جس میں انکی خدمات کی تعریف و تحسین کی جائے گی۔ زیادہ حدِ ادب۔

مکرّر یہ کہ خان سربلند خاں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن میں نے انہیں روک دیا تاکہ انکے ذریعے سید محمد علی شاہ اور دیگر خوانین سے مفصل ملاقات ہو سکے۔ پس خوشنودی کا ایک فرمان ان کے نام بھی ارسال فرمادیں تاکہ وہ آخر وقت تک ہمارا ساتھ دیتے رہیں۔ فقط (از صا۱۰ الف تا ص۱۲ ب)

ترجمہ مکتوب چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب محمد اسماعیل و محمد مقیم بحضور حضرت امیر المومنین امام المسلمین ایدہ اللہ۔ بعد ادائے تسلیمات عرض ہے کہ قبل ازیں دو عریضے حضور کی خدمت میں بھیجے تھے ایک امب سے اور دوسرا نکاپانی سے جن میں تمام حالات جو پیش آئے تھے درج کر دیئے گئے تھے امید ہے کہ موصول ہو گئے ہوں گے اور حالات سے آگاہی ہو گئی ہو گی۔ اسکے بعد کے واقعات یہ ہیں کہ جب ہم نکاپانی سے کوچ کر کے موضع تیر کوٹ میں ٹھہرے جو نواب پائندہ کے علاقے میں ہے تو وہاں کا ایک جمعدار جسکا نام جانو ہے ہم سے نہایت مدارات اور تواضع سے پیش آیا۔ چونکہ وہاں ٹھہرنا مناسب نہ تھا اس لئے علی الصبح کوچ کا ارادہ کیا اور جانو کے بیٹے کو ہمراہ لیکر عازمِ اگرور ہوئے۔ جس دن کہ ہم موضع تیر کوٹ میں پہنچے تھے تو جانو کے

لڑکے نے عبد الغفور خاں حاکمِ اگرور کو جوان دنوں نواب پایندہ خاں کا معتوب ہے ہمارے آنیکی خبر پہنچائی۔ اس لئے عبد الغفور خاں کا بھائی کمال خاں راستے میں ہمارا استقبال کرنیکی غرض سے پہنچگیا اور ہماری نہایت خاطر مدارات کی۔ باتوں باتوں میں اس نے بیان کیا کہ عبد الغفور خاں علیل ہیں۔ اسلئے وہ آپ کے استقبال کیلئے خود نہیں آئے۔ آخر وہ ہاں سے ہمارے ہمراہ ہوکر موضع کلکئی تک پہنچکر کہنے لگا کہ آپ آج یہاں قیام کریں۔ کل صبح عبد الغفور خاں کے مکان پر چلیں گے۔ مگر مجاہدین کو بے سہارا چھوڑ کر جانا مناسب نہ تھا۔ اسلئے میں نے میاں محمد مقیم کو مجاہدین کے پاس چھوڑا اور ملا محمد اسماعیل اخوندزادہ اور شاہ سید اور چند دوسرے افراد کو ساتھ لیکر کمال خاں کے ہمراہ عبد الغفور خاں کی قیام گاہ پر گیا۔ احمد خاں پکھلی والا بھی وہاں پہنچگیا اور حیدر شاہ برادرزادہ سید محمد علی شاہ (رئیس پکھلی) اور ارسلان خاں برادرزادہ عبد الغفور بھی عبد الغفور خاں کی عیادت کیلئے وہاں پہلے سے موجود تھے ان سب سے ملاقات ہوئی اور ان سب نے اس عاجز کے ہاتھ پر حضور کی امامت کی بیعت کی۔ اثنائے گفتگو میں ہم نے یہ تجویز پیش کی کہ ہمارے لئے کوئی ایسی محفوظ جگہ مقرر کردی جائے جو قلعہ کے طور پر کام آسکے۔ عبد الغفور خاں نے جواب دیا کہ گڑھی میرے قبضے میں نہیں ہے۔ البتہ ایک گڑھی حسن کوٹ جو اس جگہ کے قریب ہے اور دوسری گڑھی شمڑہ جو درہ پکھلی کے متصل ہے میرے قبضے میں ہیں پس یہ دونوں گڑھیاں حاضر ہیں۔ چونکہ گڑھی حسن کوٹ تک پہنچنے کا راستہ خطرات سے پُر تھا اسلئے میں نے اسکی بجائے شمڑہ کو پسند کیا اور کہا کہ کمال خاں کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ ہماری رہنمائی کریں۔ انہوں نے صبح کا وعدہ کیا۔ اس وجہ سے اخوندزادہ محمد اسماعیل کو وہاں چھوڑ کر سید شاہ کو وہاں کے قرب وجوار کے مسلمانوں کو دعوتِ جہاد کی غرض سے روانہ کیا جو عبد الغفور خاں قبیلے میں سے ہیں مگر ان کے تابع نہیں اور میں خود لشکر گاہ میں واپس آگیا۔ اس روز سے لیکر آج تک کہ چوتھا دن ہے ان میں سے کوئی شخص نہیں پہنچا اور ملا محمد اسماعیل بھی واپس نہیں آئے۔ اسی وجہ سے ہم کلکئی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور آج جو ہفتہ کا دن ہے ایک آدمی نے شاہ غلام حسین کی طرف سے آکر زبانی پیغام دیا کہ جب تک مجاہدین کا ایک اور لشکر نہیں آئیگا اسوقت تک یہاں کے لوگ جہاد میں آپکا ساتھ نہیں دیں گے۔ چونکہ آپ کے ساتھ لشکر تھوڑا ہے اسلئے یہ لوگ اعتماد نہیں کرتے۔ اسکے بعد میں نے مولوی عبد اللہ کو مع ملا عصمت اللہ کے صاحبزادہ محمد نصیر کی خدمت میں بھیجا۔ وہ صاحبزادہ صاحب کا جواب لیکر واپس آئے۔ اس میں تحریر تھا کہ یہاں کے لوگ اس قدر قلیل لشکر کے ساتھ جہاد کیلئے کمربستہ نہیں ہونگے۔ ہاں اگر دوسرے لشکر خصوصًا لشکر بنیر انکی کمک پر آجائے تو یہاں کے بہت سے لوگ جہاد کیلئے جمع ہوجائیں گے ورنہ نہیں۔ اس مضمون کی تاکید انہوں نے زبانی بھی کی پس اس علاقے کے حالات کی صورت یہ ہے اور یہاں کے لوگوں کی مرضی یہی ہے کہ آہستہ آہستہ مجاہدین کا مزید لشکر ادھر بھجوایا جائے۔ اس بارے میں حضور کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔ زیادہ والسلام مع الاکرام

(از ص۱۰۱ الف تا ص۱۰۱ ب)

ترجمہ مکتوب پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب فدوی محمد اسماعیل بحضور حضرت امیر المومنین امام المسلمین ایدہ اللہ تعالیٰ۔

بعد از تسلیمات مسنون واضح ہو کہ اس سے پہلے جو عریضہ مقام کلکٹی سے روانہ کیا تھا اسکے بعد یہاں کی سرگزشت یہ ہے کہ ارسلان خان برادر زادہ عبد الغفور خاں .... اپنے چند آدمیوں کے ساتھ حبیب اللہ خاں کی امداد کی غرض سے جا رہا تھا۔ ایک طرح انہوں نے ہم سے بھی التجا کی کہ ان کی مدد کی جائے۔ اس وقت مصلحت وقت یہی تھی کہ مجاہدین کی چھوٹی سی جمعیت حبیب اللہ خاں کی طرف بھیج دی جائے۔ کیونکہ یہاں کے لوگ بغیر ہماری امداد کے اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ جب ہم خود ہمت کریں گے تو سب ساتھ ہو جائیں گے انشاء اللہ تعالےٰ۔ اس وجہ سے میں نے مجاہدین کی ایک جماعت میاں محمد مقیم خاں کی سربراہی میں حبیب اللہ خاں کی امداد کے لئے روانہ کر دی اور خود میرا ارادہ یہ ہے کہ ملا اسماعیل اخوندزادہ کے ہمراہ ہم جلد سواتیوں کی طرف جا کر ان کے سرداروں مثلاً سربلند خاں، ناصر خاں اور شاہ محمد علی وغیرہ کو ترغیب دوں اور ان لوگوں اور حبیب اللہ خاں کے درمیان جو اختلافات ہیں انہیں ختم کر کے ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کر دوں۔ یہ امر بغرض اطلاع حضور کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔ پس اگر مناسب ہو تو اس وقت کچھ مجاہدین جنہیں جہاد کا بہت شوق ہو اس طرف بھجوا دیا جائے جو جس کوٹ میں پہنچکر ہمارے ساتھ مل جائے۔ اگر حضور کی رائے میں مناسب ہو تو ایک خط پائندہ خاں کو بھی ارسال فرما دیں جس میں جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب و تحریک ہو۔ مُلاّ محمد اسماعیل اخوندزادہ بہت ہی نیک اور دین دار مرد ہے۔ اب اس کے سوائے کوئی شخص ایسا نہیں جو دیانت دار، اس ملک کا واقف، اور معین و مددگار اور جرگہ کے قابل ہو اور جو اسلام کی زیادہ سے زیادہ تائید و نصرت میں کوشاں رہتا ہو۔ باقی جو حالات پیش آئیں گے بعد میں عرض کر دوں گا۔ زیادہ والسلام مع الاکرام

(مکتوبات مولوی صلاا الف)

ضمیمہ

"شہادت گاہ بالاکوٹ" میں جہاں بالاکوٹ کی تاریخ بیان کی گئی ہے وہاں خوانین بالاکوٹ کے شجرے بھی درج کئے گئے ہیں۔ کتاب کی اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ دو خاندان ایسے ہیں جن کے مکمل شجرے شائع نہیں ہو سکے۔ اب یہ شجرے حاصل ہو گئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔۔

(شجرۂ نسب جلی خیلی ڈھوڈیاری)

سلطان محمد خان

عبدالرحمٰن خان

محمد فریدون خان

رضا محمد خان — اعجاز حسین خان — منظر حسین خان

(شجرۂ نسب جانس خیل سرخیلی لغمانی)

راجہ خان جانس خیل سرخیلی لغمانی

محمود خان — احمد خان (ان کی اولاد نہیں ہے)

محمود خان: محمد امین خان — محمد فیروز خان — محمد اکرم خان (لاولد)

محمد فیروز خان: آزاد خان

آزاد خان: محمد زمان خان (لاولد)

محمد امین خان: خان امیر اللہ خان (لاولد) — غلام جان خان (لاولد) — آدم خان — نواب خان (لاولد) — جمعہ خان (لاولد) — محمد ایوب خان — نوابزادہ خان

نوابزادہ خان: محمد فرید خان

محمد فرید خان: بابر خان — صابر خان

آدم خان: محمد ریاض خان — محمد شریف خان

محمد ایوب خان: محمد اشرف خان — عبدالمالک خان — محمد مختار خان — محمد ممتاز خان (لاولد)

محمد مختار خان: ساجد مختار خان — عابد مختار خان

محمد شریف خان: محمد شوکت خان — محمد شفیق خان — محمد حنیف خان — محمد افتخار خان

محمد ریاض خان: عالمگیر خان — حق نواز خان — عبدالرشید خان — ہارون الرشید خان

شاہ اسماعیلؒ کے عقائد و نظریات

تاریخِ اسلام میں جو بڑے بڑے المیے رونما ہوئے ان میں سے ایک سنگین المیہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے ملتِ اسلامیہ کے تنِ مردہ میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور اسے حیاتِ تازہ عطا کی وہی سب سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ ستم غیروں نے نہیں بلکہ اپنوں نے کیا۔ اس ظلم و ستم سے وہ عظیم اکابر بھی نہ بچ سکے جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے نہایت ہوش رُبا اور آہن گداز مصائب و آلام برداشت کیے۔ حتیٰ کہ اپنی جان بھی اس راہ میں قربان کردی تاکہ ملتِ اسلامیہ کی کھیتی سرسبز و شاداب ہو اور نہالِ اسلام ثمراتِ شیریں سے بار آور ہو۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ شہید بھی انہی مظلوم اکابرِ اسلام میں شامل ہیں، جنہوں نے راہِ خدا میں اپنی گردن کٹا کر برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کی تخم ریزی کی اور اس کا کسی سے کوئی صلہ نہ مانگا مگر افسوس صد افسوس کہ ان کی زندگی میں بھی اور ان کی شہادت کے بعد بھی ان پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ ان کے اسلام کو نامعتبر قرار دیا گیا، اُن کے مذہبی عقائد کو مشکوک ٹھہرایا گیا۔ انہیں بزرگانِ دین کا دشمن مشہور کیا گیا اور یہاں تک کہہ دیا گیا کہ ان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت نہ تھی وہ حضورؐ کی توہین کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعونؒ

افسوس کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے یہ معترض اپنی کوششوں میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے، اور بہت سے جاہل، کم علم اور سادہ لوح لوگ شاہ صاحبؒ کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس سے بھی زیادہ افسوس اس کا ہے کہ جن اصحاب نے شاہ اسماعیلؒ کی مدافعت کی انہوں نے دقیق علمی بحثیں شروع کر دیں اور مناظرانہ رنگ کی ضخیم کتابیں لکھ کر اپنے مخالفین کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ ان مباحث سے ان لوگوں کو کوئی فائدہ پہنچ سکا

جو مسائل دین کی باریکیوں اور فروعات سے واقف نہ تھے اور مسلہ جہاں تھا وہیں رہا۔ حالانکہ ان لمبی چوڑی بحثوں میں پڑنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ شاہ اسمٰعیل ؒ کی تصانیف موجود ہیں۔ ان کے نظریات و عقائد پر اعتراضات کرنے والوں کو قائل کرنے کا سب سے بہتر اور عام فہم طریقہ یہ تھا کہ شاہ صاحب ؒ کے نظریات کی صحت کا ثبوت ان کی تصانیف سے پیش کر دیا جاتا اور تائید مزید کے لئے جہاں ضرورت ہوتی قرآن و حدیث کا حوالہ دے دیا جاتا۔ اس طرح منصف مزاج لوگ خود فیصلہ کر لیتے کہ شاہ اسماعیل ؒ کے عقائد کیا تھے؟ اور انہیں بدنام کرنے کے لئے ان کے بارے میں کیسی کیسی غلط باتیں مشہور کی گئیں۔ ہم نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور پیچیدہ مسائل پر بحث اور مناظرانہ اندازِ گفتگو سے اجتناب کیا ہے کیونکہ اس وقت ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں وہ حد درجہ نازک ہیں۔ ہر قدم نہایت پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ایک جھگڑا ختم کرنے کی کوشش میں سو نئے جھگڑے کھڑے کر دینا نہ ملک و ملت کی کوئی خدمت ہے اور نہ عقلمندی۔ کفر بازی و کفر سازی کے فتنے نے پہلے ہی مسلمانوں کو کچھ کم نقصان نہیں پہنچایا اور اگر کفر کے اُن فتووں کو اکٹھا کیا جائے جو مسلمانوں کے ایک فرقے کے علما نے دوسرے فرقے کے بارے میں جاری کئے ہیں تو آج روئے زمین پر ایک بھی مسلمان نہیں ملے گا۔ اس لئے ہم ان صفحات میں شاہ اسماعیل ؒ کے اسلام کو معتبر ثابت کرنے کے لئے ان کے مخالفوں کے اسلام کو مشکوک و نامعتبر ثابت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے کہ اس کا ہمیں نہ حق ہے اور نہ ہمارا یہ منصب، بلکہ یہ حق کسی کو حاصل نہیں، ہم صرف شاہ اسمٰعیل ؒ کے وہ عقائد و نظریات پیش کر دیں گے جو خود انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کی طرف وہی عقیدہ منسوب کیا جا سکتا ہے جسے وہ خود اپنا عقیدہ قرار دے۔ اگر ایک شخص اپنے آپ کو خدا کا عاجز بندہ اور اس کے رسولؐ کا حقیر غلام قرار دیتا ہے۔ اپنی زبان، قلم اور عمل تینوں سے اس کا اظہار کرتا ہے تو کون ہے جو اسے خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا باغی قرار دے۔

رفعِ اختلاف کا زرّیں اصول

اسلام کی بنیاد دو امور پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا اقرار اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نبیٔ برحق ہونے کا عقیدہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) اگر غور کیا جائے تو اسلام میں اختلافات انہی دو بنیادی نظریات سے انحراف کرنے کے نتیجے میں

پیدا ہوئے۔ اگرچہ اختلاف کرنے والوں میں سے کسی ایک نے بھی نہ توحید کا انکار کیا نہ رسالت کا مگر اس کے باوجود اسلام کے ان بنیادی عقائد کو ضعف پہنچا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے ہر گروہ نے توحید و رسالت دونوں کی توضیح و تشریح اپنے نظریات کے مطابق کی۔ تفسیر بالرائے کا یہی فتنہ ساری خرابیوں کا سرچشمہ تھا اور ہے۔ شاہ اسماعیلؒ نے صرف بیماری کی علامات ہی کیطرف توجہ نہیں دی بلکہ ایک ماہر نباض کی طرح اس کے اصل اسباب بھی تلاش کئے اور ان کی نشاندہی کر کے ہمارے لئے صراطِ مستقیم تجویز فرما دی۔ انہوں نے ایک اصول مقرر کیا اگر اسے معیار اور کسوٹی قرار دے لیا جائے تو سارے فتنوں کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے:۔

"سننا چاہیئے کہ آدمی سارے، اللہ کے بندے ہیں اور بندے کا کام بندگی ہے، جو بندہ بندگی نہ کرے وہ بندہ نہیں اور اصل بندگی ایمان کا درست کرنا ہے کہ جس کے ایمان میں کچھ خلل ہے اس کی کوئی بندگی قبول نہیں اور جس کا ایمان سیدھا ہے اس کی تھوڑی بندگی بھی بہت ہے۔ سو ہر آدمی کو چاہیئے کہ ایمان درست کرنے میں بڑی کوشش کرے اور اس کے حاصل کرنے کو سب چیزوں سے مقدم رکھے اور اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں۔ کوئی پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں کوئی قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کوئی مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں سند پکڑتے اور کوئی اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں اور ان سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے کلام کو اصل دیکھئے اور اسی کی سند پکڑئیے اور اپنی عقل کو دخل نہ دیجئے اور جو قصہ بزرگوں کا یا کلام مولویوں کا اس کے موافق ہو تو قبول کیجئے اور جو موافق نہ ہو اس کی سند نہ پکڑیئے اور جو رسم اس کے موافق نہ ہو اسے چھوڑ دیجئے۔"[1]

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات دور کرنے کے لئے شاہ اسماعیلؒ نے جو اصول مقرر فرمایا ہمارے خیال میں وہ اتنا معقول ہے کہ اسے تسلیم کرنے میں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ شاہ صاحبؒ تمام معاملات اور تمام عقائد و نظریات میں قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ

---

[1] تقویۃ الایمان ص۲ و ص۳ مطبوعہ مطبع افتخار دہلی

کو حکم و عدل بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ وہ راستہ اختیار کرنا چاہیئے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو اور جو عقیدہ یا رسم قرآن و حدیث کے مطابق نہ ہو اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ آیئے خود ان کے مقرر کئے ہوئے اصول کے مطابق ان کے نظریات کا جائزہ لیں۔

شاہ اسماعیلؒ کا تصورِ توحید

شاہ اسماعیلؒ پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے توحید کا غلط تصور پیش کیا اور اس پردے میں توہینِ رسالت اور اہانتِ اولیا کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے مشکلات و مصائب کے وقت پیغمبروں، پیروں اور شہیدوں کو پکارنے اور ان سے مرادیں مانگنے کو شرک قرار دیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم غیب کا انکار کیا اور لکھا کہ حضورؐ کو غیب کا علم نہ تھا۔ بلاشبہ شاہ اسماعیلؒ نے خداوند تعالےٰ کے سوائے کسی اور سے خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہستی کیوں نہ ہو حاجت روائی کو شرک اور عقیدۂ توحید کے منافی قرار دیا۔ لاریب کہ انہوں نے عالم الغیب صرف خدا کو ٹھہرایا، مگر ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں جس سے ان پر توہینِ رسالت یا اہانتِ اولیا کا الزام عائد ہوتا ہو۔ ان کے یہ نظریات خود ساختہ نہ تھے بلکہ انہوں نے یہ روشنی کلام اللہ اور ارشادِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حاصل کی۔ چنانچہ خود اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ :-

قل لا املك لنفسی نفعا و ضرا الا ماشا الله و لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یومنون ٥ (سورہ اعراف ۱۸۸)

(اے میرے نبی!) کہہ دے (ان سے کہ) میں تو اپنی جان کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے جو اللہ تعالےٰ چاہے اور اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو بھلائیوں میں سے اکثر اپنے لئے جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی مگر میں تو صرف مومنوں کو ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں"

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اس ارشاد میں بڑی وسعت ہے اور یہ آیت اسلام کے تصورِ توحید و رسالت کی اس خوبصورتی سے وضاحت کرتی ہے کہ ایک منصف مزاج شخص کے لئے اس کے بعد کسی ردّ و کد کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اس حقیقت کا اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام قوتوں اور ہر قسم کے اقتدار کا مالک ہے۔ اس نے اس قوت و اقتدار میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضورِ اقدس کی زبان مبارک سے کبھی یہ نہ کہلوایا جاتا کہ "مجھے تو اپنی جان تک کے لیے کسی قسم کے نفع ونقصان کا اختیار حاصل نہیں، یہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے کہ چاہے وہ مجھے نفع پہنچائے اور چاہے نقصان"۔ پھر اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ اعلان بھی کرا دیا کہ "میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں، یہ علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے"۔ اس دعوے کی دلیل بھی حضورؐ ہی سے دلوائی گئی اور وہ یہ کہ "اگر مجھے غیب کا علم حاصل ہوتا تو میں اپنے لیے اتنی بھلائیاں جمع کر لیتا کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی"۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ حضورؐ کو شدید ترین تکالیف پہنچائی گئیں، اس طرح قرآنِ حکیم نے حضورؐ کے عالم الغیب نہ ہونے پر حضورؐ ہی کے دستِ مبارک سے مہرِ تصدیق ثبت کرا دی۔ آگے چل کر اسی آیت میں حضورؐ کا مرتبہ بھی متعین کر دیا گیا اور اس مرتبے کا اعلان بھی حضورؐ ہی سے کرایا گیا، وہ یہ کہ "میں تو صرف ہوشیار کرنے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں"۔ یعنی میں صرف اللہ کا نبی ہوں جس کا کام مومنوں کو خداوند تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرانا اور اس کی رضا کے حصول میں مصروف رہنے والوں کو خوشخبری سنانا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کام پر مامور کیا جائے گا وہ خود صاحبِ اختیار نہیں ہو سکتا۔ اصل اختیار کا مالک تو وہ ہو گا جس نے اسے اس کام پر مامور کیا ہو گا۔ پس قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی ان قوتوں میں کوئی شریک نہیں۔ اگر کسی کی شرکت کا گمان ہو سکتا تھا تو وہ دنیا کی سب سے بڑی اور خدا کے بعد بزرگ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی مگر آپؐ نے اعلان فرما دیا کہ مجھے تو اپنی ذات پر بھی کوئی اختیار حاصل نہیں۔ پس جب دنیا کی اس سب سے عظیم ہستی کو بھی نفع و نقصان کے معاملے میں اپنی ذات تک پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا تو اس مقدس ہستی کو دوسروں پر کسی قسم کا اختیار کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اور جب حضورؐ اقدس کو دوسروں کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں دیا گیا تو کسی بڑے سے بڑے ولی، قطب، غوث یا ابدال کو یہ اختیار کیسے مل سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم کا یہی وہ ارشاد تھا جس کی روشنی میں حضرت شاہ اسماعیلؒ نے فرمایا کہ "جو لوگ پیروں کو، پیغمبروں کو، اماموں کو شہیدوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں۔ ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کی منتیں مانتے ہیں، یہ سب دعویٰ ایمان کا رکھنے کے باوجود شرک میں گرفتار ہیں"۔ اور قرآن حکیم کے مندرجہ بالا ارشاد نے ثابت کر دیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی۔ یہ ان کا خود ساختہ نظریہ نہ تھا بلکہ اس کی اساس قرآن حکیم پر تھی۔

شاہ اسماعیلؒ صاحب پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بزرگانِ دین کے مزارات پر جانے کو شرک قرار دیا حالانکہ یہ اعتراض قطعاً غلط ہے۔ آپ نے بزرگان دین کے مزارات پر حصولِ برکت اور دعائے مغفرت کی غرض سے جانے کو ہرگز منع نہیں فرمایا اور نہ اسے شرک قرار دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

"اصل زیارت قبر کی بے قید دن اور تاریخ اور سال اور وقت اور اجتماع کے مرد کے واسطے جائز بلکہ مستحب بلکہ سنّت ہے اس نیت سے کہ قبروں کو دیکھنے سے موت اور آخرت یاد آوے اور دنیا کی محبّت جاوے[1]"

آپؒ کو اعتراض ان لوگوں پر تھا جو بزرگانِ دین کے مزارات پر جا کر مرادیں مانگتے۔ سجدے کرتے اور قبروں سے ماتھے رگڑتے تھے۔ انہی لوگوں کو آپؒ نے قبر پرست اور بدعتی کے الفاظ سے موسوم کیا۔ آپؒ کی اس سرزنش کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا گیا اور کہا گیا کہ شاہ صاحبؒ کی یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ مسلمانوں کا کوئی طبقہ مشرکوں کی طرح "قبر پرستی کرتا" قبروں پر سجدے کرتا یا اولیاء سے مرادیں مانگتا ہے۔ حالانکہ یہ بات شاہ صاحبؒ نے اپنی طرف سے نہیں کی۔ ان کے عہد میں ان مشرکانہ رسوم نے سارے معاشرے کا احاطہ کر رکھا تھا اور اب بھی مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو قبر پرستی کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے پیش گوئی فرمائی تھی کہ :۔

لا تقوم الساعة حتیٰ تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتیٰ تعبد قبائل من امتی الاوثان[2]

اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک میری امت میں سے بعض قومیں مشرکین سے نہیں مل جائیں گی اور پوجنے لگیں گی استھانوں کو۔

عربی لفظ "اوثان" "وثن" کی جمع ہے۔ وثن کے معنی استھان اور جگہ کے ہیں۔ اس سے مکان بھی مراد ہوتا ہے۔ اس میں قبر بھی شامل ہے۔ کسی بزرگ کی نشست گاہ کو ادب کی جگہ سمجھ کر اس کی پرستش کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ کسی طاق کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس میں فلاں بزرگ کی روح آتی ہے' اس لئے اس میں پھول رکھنا اور چراغ روشن کرنا چاہیئے، یہ بھی استھان میں شامل ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

---

[1] تذکیر الاخوان صد ۱۲۴ مطبوعہ مطبع افتخار دہلی
[2] مشکوٰۃ کتاب الفتن صد ۴۶۴ و صد ۶۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی

صدیوں پہلے یہ حقیقت منکشف فرما دی تھی کہ قیامت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آئے گا جب مسلمان کھلم کھلا شرک تو نہیں کریں گے یعنی پتھر یا لکڑی کی مورتیاں بنا کر انہیں تو نہیں پوجیں گے مگر ان میں سے ایک صورت استھان کی پرستش ہو گی یعنی ان میں سے بعض قبروں پر جا کر مرادیں مانگیں گے اور سجدے کریں گے۔ بعض کسی مکان یا طاق کے متعلق یہ اعتقاد رکھیں گے کہ یہ فلاں بزرگ کی روح یا فلاں جن کی قیام گاہ ہے اور پھر اس کا اس درجہ ادب و احترام کریں گے کہ پرستش کا سا انداز پیدا ہو جائے گا۔ ان سب امور کو حضورؐ نے منع فرمایا۔ اسے شرک قرار دیا اور ان امور کا ارتکاب کرنے والوں کو زمرۂ مشرکین میں شامل کیا۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت کی ایک اور دلیل ہے کہ حضورؐ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا جس نے اس قسم کی بدعتیں اختیار کر لیں جنہیں حضورؐ نے عربی میں "اوثان" کے لفظ (اردو میں استھان یعنی جگہ) سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ آج خود بالاکوٹ میں ایک زیارت "بالا پیر" اور "زندہ پیر" کے نام سے موسوم ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں بالا پیر نامی ایک بزرگ نے کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ چنانچہ یہ قیام گاہ اب زیارت گاہِ عوام بن چکی ہے اور ہر جمعرات کو دیہات کے سیکڑوں سادہ لوح مرد عورتیں اور بچے اس "زیارت" پر حاضری دیتے اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ پس یہ کہنا واقعات کے خلاف ہے کہ شاہ اسمٰعیلؒ نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو قبر پرست اور بدعتی کہہ کر زیادتی کی اور کوئی مسلمان نہ کسی قبر یا استھان کو پوجتا ہے نہ بدعت کرتا ہے۔ ایسا کہنا نہ صرف واقعات کے خلاف ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور حضورؐ کی اس پیش گوئی کا انکار ہے جو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اور صاف طور پر پوری ہو چکی ہے۔ شاہ اسمٰعیلؒ کا اگر کوئی جرم ہے تو اتنا کہ آپؒ نے قبر پرستی اور بدعت کی مذمت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کو تازہ کیا۔ آپؒ نے اپنے عہد کے مسلمانوں کو حضورؐ کی پاکیزہ تعلیم یاد دلائی اور انہیں توحید کی طرف دعوت دی۔ آپؒ کا یہ نظریہ بھی خود ساختہ نہ تھا بلکہ اس کی اساس بھی ارشادِ رسولؐ پر تھی۔

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ اسمٰعیلؒ توحیدِ خالص کے علمبردار تھے۔ وہ صرف اور صرف خداوند تعالیٰ کو لائقِ عبادت قرار دیتے تھے۔ اس کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنا ان کے نزدیک اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ تمام قوتوں اور طاقتوں کا سرچشمہ اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے اختیارات میں سے کوئی اختیار کسی کو عطا نہیں کیا۔ عالم الغیب

اللہ تعالےٰ کے سوائے اور کسی کی ذات نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق غیب کی وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دی تھیں بلا شبہ حضورؐ ان کا علم رکھتے تھے۔ یہ علم محدود تھا اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ۔ غیب کا لا محدود علم صرف اللہ تعالےٰ کے پاس ہے۔ خود حضورؐ کا ارشاد ہے اور حضرت امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

واللہ لا ادری واللہ لا ادری و انا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم[1]

قسم ہے خداوند تعالیٰ کی (جو کچھ کہتا ہوں، قسم ہے خداوند تعالیٰ کی کہ مجھے نہیں معلوم۔ حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ کیا معاملہ ہوگا مجھ سے اور کیا معاملہ ہوگا تم سے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ اس عالم میں تصرف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اسکی عظمت و کبریائی کے معاملے میں شاہ اسماعیلؒ بہت غیرت رکھتے تھے۔ انہوں نے شرک کے چھوٹے سے چھوٹے سوراخ کو بند کر دیا۔ وہ پیروں، اماموں، شہیدوں اور نبیوں کی عظمت کے معترف تھے مگر ان میں سے کسی کے متعلق یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے حضور بندوں کے متعلق سفارشیں کرتے ہیں اور ان کی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انبیاء میں سے سفارش کرنے کی اجازت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی گئی ہے مگر وہ بھی اللہ تعالےٰ کے اذن کے ساتھ مشروط ہے، چنانچہ خود خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ :۔

قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرۃ فی السموٰت ولا فی الارض ومالھم فیھما من شرک ومالہ منھم من ظھیرہ ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہٗ حتیٰ اذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم قالو الحق وھو العلی الکبیر ۝

(سورہ سبا ۲۲، ۲۳)

(اے میرے نبی ان سے) کہدے کہ جن لوگوں کو تم اپنے خیال کے مطابق اللہ کے سوائے پکارتے ہو ان کو (اپنی امداد کے لئے) بلا لو۔ انہیں آسمان اور زمین میں ایک ذرہ برابر بھی کسی قسم کا اختیار نہیں اور ان دونوں (زمین و آسمان کی ملکیت) میں ان کو (کوئی) شراکت حاصل ہے اور نہ ان (غیر اللہ) میں سے کوئی اللہ کا بازو ہے اور اس (اللہ تعالیٰ) کے حضور اس شخص کی سفارش کے سوائے جسے اس نے

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۰ مطبع مجتبائی دہلی

اجازت دی ہو کسی کی سفارش کام نہیں آتی ۔ یہاں
تک کہ جب گھبراہٹ دور ہوتی ہے ان کے دلوں
سے تو کہتے ہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے ۔ کہتے
ہیں کہ حق ۔ اور وہی ہے بلند اور بڑی شان والا)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان فرمادیا کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں ۔ ان کے سوائے کسی کو ذرہ برابر اختیار حاصل نہیں ۔ اس کے حضور کوئی شخص سفارش نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ اجازت دے ۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ اجازت صرف حضورؐ کو عطا فرمائی ہے اور آپؐ اسی شخص کی سفارش فرمائیں گے جس کی سفارش اللہ تعالےٰ چاہے گا ۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ جب قرآن حکیم کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں حضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ ڈراؤ اپنے اہل قبیلہ کو اور ان لوگوں کو جو آپ سے قرابت رکھتے ہیں تو حضورؐ اپنے قرابت داروں کو پکارا ، اکٹھا بھی اور الگ الگ بھی ۔ آپ نے فرمایا :۔

یابنی کعب بن لوی انقذوا انفسکم من النار فانی لااملک لکم من اللہ شیئاً اوقال فانی لآ اغنی عنکم من اللہ شیئاً ویابنی مرۃ بن کعب ...... الخ[1]

(اے اولاد کعب بن لوئیؑ ! بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ بیشک میں اختیار نہیں رکھتا تمہارا اللہ کے ہاں کچھ یا یوں فرمایا کہ بے شک میں نہیں کام آنے کا تمہارے اللہ کے ہاں کچھ اور اے اولاد مرۃ بن کعب ! بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ میں بے شک نہ کام آؤں گا تمہارے اللہ کے ہاں کچھ ۔ اے اولادِ عبدشمس ! بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ میں بے شک کام نہ آؤں گا تمہارے اللہ کے ہاں کچھ ۔ اے اولادِ عبدالمطلب ! بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ بے شک میں کام آؤں گا تمہارے اللہ کے ہاں کچھ اور اے فاطمہؓ ! بچاؤ تم اپنی جان کو آگ سے ۔ مانگ لے مجھ سے جتنا چاہے میرا مال ۔ نہ کام آؤں گا میں تیرے اللہ کے ہاں کچھ)

یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ اسماعیلؒ نے اپنے عہد کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ " کان کھول کر سن لینا چاہیئے کہ اکثر لوگ اولیا و انبیا کی شفاعت پر بھول رہے ہیں اور اس کے معنی غلط سمجھ کر اللہ کو

---

[1] مشکوٰۃ ص۴۶۰ مطبع مجتبائی دہلی

بھول گئے ہیں" اس کے حضور نہ "شفاعت وجاہت" ممکن ہے، نہ "شفاعت محبت" بلکہ اس کے حضور جو شفاعت ممکن ہے اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروانگی سے ہوتی ہے۔ سو اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں گ" اللہ صاحب کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہ سمجھے کہ بڑے بڑے کام تو آپ کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام اور نوکروں چاکروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ سو لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں ان کی التجا کرنی ضرور پڑتی ہے سو اللہ کے ہاں کا کارخانہ یوں نہیں بلکہ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ ایک ہی آن میں کروڑوں کام چھوٹے اور درست کر سکتا ہے[۱]"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کے اختیارات کی لامحدود وسعت اور اس کے حضور سفارش کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ ان کے خود ساختہ نہ تھے بلکہ ان خیالات کی اساس قرآن حکیم اور ارشادات نبوی پر تھی۔

شاہ اسماعیلؒ کا تصوّرِ رسالت

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر جو سب سے بڑا الزام عائد کیا گیا وہ یہ تھا کہ آپؒ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت نہ تھی اور آپؒ حضورؐ کو عام انسانوں جیسا قرار دیتے تھے۔ بلکہ بعض معترضین نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر آپ کو اس رنگ میں پیش کیا گویا نعوذ باللہ آپ نے حضورؐ کی اہانت کا ارتکاب کیا اس مقصد کیلئے شاہ صاحبؒ کی تحریروں میں قطع وبرید کی گئی اور انہیں غلط معنی پہنائے گئے مثلاً کہا گیا کہ شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں یہ لکھ کر آنحضرتؐ کی توہین کی کہ :۔

"جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دیدیا۔ جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجئے۔ اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہوگی ؟ اور یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق خواہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے[۲]"

حقیقت یہ ہے کہ اس مقام پر شاہ صاحبؒ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے مقابلے میں انسان کی عاجزی و بے بسی اور کم مائیگی کا ذکر کر رہے ہیں اور انہوں نے ایک عام بات

---

[۱] تقویۃ الایمان صفحہ ۳۔ [۲] تقویۃ الایمان صفحہ ۳۴

کی ہے۔ ان کا روئے سخن کسی خاص شخصیت کی طرف ہرگز نہ تھا لیکن آپؒ کے مخالفین نے ان الفاظ کو کھینچ تان کر وہ معنی پہنائے جو شاہ صاحبؒ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے، حالانکہ شاہ صاحبؒ سے سیکڑوں سال قبل مشہور روحانی پیشوا اور اولیاء و صوفیا کے امام حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ استعمال کر چکے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

لا یکمل ایمان المرء حتی یکون الناس عندہ کالاعر ثم یرجع الی نفسہ فیراھا اصغر صاغر۔

(کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ اسکی نگاہ میں تمام لوگ اونٹ کی مینگنیوں کے برابر نہ ہو جائیں۔ پھر جب وہ اپنے نفس کی طرف رجوع کرے تو اسے مینگنی کے حقیر ترین حصے سے بھی حقیر و ذلیل دیکھے)

اگر شاہ اسماعیلؒ نے دنیا کے تمام بڑے اور چھوٹے انسانوں کو اللہ کی شان کے مقابلے میں چمار سے بھی زیادہ ذلیل قرار دیا تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے کسی شخص کو اس وقت تک کامل صاحب ایمان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ وہ دنیا کے تمام لوگوں کو (جن میں چھوٹے اور بڑے سب شامل ہیں) اونٹ کی مینگنیوں کے برابر نہ سمجھے۔ چمار تو پھر بھی انسان ہوتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے تو اللہ تعالیٰ کی شان کے مقابلے میں دنیا کے عام لوگوں کو اونٹ کے فضلے کے برابر قرار دیا جس سے زیادہ حقارت کا کوئی درجہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر شاہ اسماعیلؒ نے یہ الفاظ لکھ کر کسی جرم کا ارتکاب کیا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہی جرم حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت شہاب الدین سہروردیؒ دونوں کے پیش نظر یہ الفاظ لکھتے وقت کوئی خاص شخصیت نہ تھی۔ انہوں نے ایک عام بات کہی۔ یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق تھے۔ یوں بھی یہ اعتراض عقلاً غلط ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور کلمہ گو ہونے کا مدعی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ گھٹا کر حضورؐ کی اہانت کر کے یا آپؐ کی عظمت کا انکار کر کے دین اور دنیا میں کیا فائدہ حاصل کر سکتا ہے؟ اس کے بعد تو وہ مسلمان ہی نہیں رہ سکتا۔

شاہ اسماعیل تو وہ بزرگ تھے جن کی زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ اسلام سربلند ہو۔ خداوند تعالیٰ کی توحید قائم ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا احیا عمل میں آئے اور مسلمان حقیقی معنی میں مسلمان بن جائیں۔ اگر ان کے دل میں حضورؐ کی محبت و عظمت نہ ہوتی تو وہ حضورؐ کے دین کی

؎ عوارف المعارف از حضرت شہاب الدین سہروردیؒ جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ باب ۶۳ مطبوعہ مصر

سربلندی کیلئے میدانِ عمل میں کیوں اترتے اور اپنی زندگی اس کیلئے وقف کر کے اپنی جان تک راہ خدا میں کیوں قربان کر دیتے۔ افسوس کہ معترضین نے ان میں سے کسی بات پر غور نہ کیا اور صرف اس لئے آپؒ کے متعلق یہ بے سر و پا الزام عاید کر دیا کہ بعض مسائل میں شاہ صاحبؒ کو ان سے اختلاف تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شاہ اسماعیلؒ نے تحریر اور تقریر نظم اور نثر ہر رنگ اور ہر میدان میں حضورؐ سے جس والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے اس کی مثالیں کم ہی ملیں گی۔ گذشتہ صفحات میں شاہ صاحبؒ کا وہ فارسی قصیدہ درج کیا جا چکا ہے جس میں آپؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس کا ایک ایک مصرعہ عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کے ایک ایک لفظ سے حضورؐ کی عظمت آشکارا ہوتی ہے۔ اپنی اردو مثنوی "سلکِ نور" میں بھی آپؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے کچھ شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

نبی البرایا رسولِ کریم! نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
حبیبِ خدا سید المرسلین شفیع اور ہادیٔ راہِ دین
محمدؐ ہے نام اس کا احمد لقب بیاں ہو سکے منقبت اس کی کب
دل اس کا جو ہے مخزنِ سرِّ غیب مبرا خطا سے ہے پاک از ریب
زباں اس کی ہے ترجمانِ قدم ہوا باغِ دیں جس سے رشکِ ارم
بظاہر جو ہے جو مقطعِ انبیا حقیقت میں ہے مطلعِ اصفیا

الٰہی ہزاروں درود و سلام
تو بھیج اس پہ اور اس کی امت پہ عام

اس نظم میں حضرت شاہ اسماعیلؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "انسانِ اکمل" قرار دیا ہے۔ پورا شعر یوں ہے۔

وہ انسانِ اکمل ہے سنتے ہو کون ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں "کون"

خدا کا محبوب اور تمام نبیوں کا سردار تسلیم کیا ہے۔ راہِ دین کا رہنما بتایا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے حضور شفاعت کرنے والا ٹھہرایا ہے۔ فرمایا ہے کہ آپ کی تعریف سے زبان و قلم عاجز ہیں۔ آپؐ کے قلب کو چھپے ہوئے رازوں کا خزانہ قرار دیا ہے۔ آپ کو معصوم تسلیم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ

ا؎ مثنوی سلک نور صہ ۸ مطبوعہ پرکاش اسٹیم پریس لاہور (۱۳۰۰ھ)

کے حضور التجا کی ہے کہ حضورؐ اور آپؐ کی امت دونوں پر ہزاروں درود اور ہزاروں سلام بھیج۔
اس میں ہم نے اپنی طرف سے ایک لفظ کا اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ یہ شاہ اسماعیلؒ کے ان اشعار کا مفہوم ہے جو سطورِ بالا میں درج کئے گئے ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت وعقیدت رکھتا ہو کیا اسے حضورؐ کا مخالف یا آپؐ کے مرتبے کو گھٹانے والا قرار دیا جا سکتا ہے؟ جس شخص کے دل میں حضورؐ کی محبت وعظمت نہ ہو اس کی زبان یا قلم سے ایسے الفاظ نکل ہی نہیں سکتے۔ پھر آپؒ نے اپنی تصانیف میں حضورؐ کا ذکر جس محبت وعقیدت سے کیا ہے اس کے پیش نظر تو ایک منصف مزاج شخص تصور بھی نہیں کر سکتا کہ آپ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت نہ تھی۔ شاہ صاحبؒ کی تصانیف کے چند اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اپنی کتاب "تذکیر الاخوان" میں فرماتے ہیں:۔

"جب کسی عبادت یا دنیا کے معاملہ یا رسم اور عادات کی بابت لوگوں کے آپس میں جھگڑا اٹھے۔ ایک کہتا ہے یوں کیا چاہیئے اور دوسرا کہتا ہے یوں نہیں یوں کیا چاہیئے۔ کوئی کہے یہ کام یا رسم و عادت بد ہے کوئی کہے نیک ہے تو ایسے وقت میں چاہیئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصف بدیں (مقرر کریں) اور حاکم ٹھہراویں پھر جو حکم حضرتؐ فرمادیں یا حضرتؐ کی حدیث سے ثابت ہو اس حکم کو خواہ وہ اپنی مرضی کے موافق ہو، خواہ خلاف جان و دل سے خوش ہو کر قبول کریں اور مان لیں تب مسلمانی کا دعویٰ سچا معلوم ہو اور جو شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصف اور حاکم نہ بدے (یعنی نہ قرار دے) یا حضرتؐ کے حکم سے دل میں ناخوش ہو اور حکم کو نہ مانے اور چون وچرا کرے وہ ہرگز مسلمان نہیں بلکہ کافر و منافق ہے۔"[1]

اسی کتاب میں آگے چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آدمی جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ماں باپ سے اور اولاد

---

[1] تذکیر الاخوان صنا، صلا مطبوعہ مطبع افتخار دہلی۔

سے اور تمام مخلوقات سے زیادہ دوست جانے اور سب کی دوستی سے زیادہ
ان کی محبت دل میں رکھے اور سب کی مرضی سے زیادہ ان کی مرضی کے کام مقدم
کرے اور حضرتؐ کی حدیث کو سب کے قول سے زیادہ مقدم جانے اور
حضرتؐ کے فرمودے (کے) موافق سب کے حکم سے زیادہ عمل کرے تب
مسلمان ٹھہرے۔ نہیں تو نہیں۔ اور محبت اسی کا نام ہے کہ محبوب کی مرضی
(کے) موافق کام کیجئے۔ اس کا نام محبت نہیں کہ صرف زبان سے کہہ دیا کہ ہم
کو محبت ہے اور محبوب کا کہنا نہ مانے یا محبوب کی مرضی کے خلاف کام کرے۔[1]

شاہ صاحبؒ کی تحریروں کے ان دو اقتباسات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آپؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ صرف دینی بلکہ دنیوی امور میں بھی حکم وعدل اور منصف قرار دیتے تھے۔ آپؒ کے ارشاد کو تمام حکموں پر مقدم رکھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ حضورؐ کے حکم میں ذرہ برابر چون وچرا کرنے والے کو منافق اور کافر کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ رسالت کے متعلق آپ کا تصور یہ تھا کہ جب تک کوئی شخص آنحضرتؐ کو اپنے ماں باپ اولاد اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب اور دوست نہ رکھے اس وقت تک وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ آپؒ کے خیال میں یہ دعویٰ صرف زبان کی حد تک محدود نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جو شخص حضورؐ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے عمل سے بھی اس کا نمونہ دکھائے اور کوئی کام آپ کی مرضی اور حکم کے خلاف نہ کرے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آنحضورؐ سے محبت اور آپ کی فرماں برداری کی اس سے بہتر تعلیم کسی اور بزرگ نے دی ہو۔ جہاں تک ہم نے شاہ اسماعیلؒ کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے شاہ صاحبؒ کا تصور رسالت نہایت واضح اور غیر مبہم نظر آتا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اور مالک وآقا قرار دینے کے بعد آنحضورؐ کی سب سے زیادہ عزت وتکریم کرنے اور اپنی مرضی کو حضور کی مرضی کے تابع کرنے کا درس دیا اور اپنے تمام دینی ودنیوی معاملات میں حضورؐ کو حاکم، ثالث اور منصف بنانے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد بھی آپؒ پر توہین رسالت کا الزام لگانا حد درجہ ناانصافی ہے۔ اس موضوع کو ختم کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اقتباس آپ کی عربی کتاب "العبقات" سے اور پیش کر دیا جائے جس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہایت عقیدت ومحبت سے کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

---

[1] تذکیر الاخوان ص۳۴

"اے میرے رب میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ درود و سلام نازل فرما اس پر جو تیرا اسم اعظم ہے جو تیرا کامل نور ہے (یعنی) درود و سلام نازل فرما اپنے واجب الاحترام اور صاحب عظمت محبوبؐ پر جس سے ساری کائنات جگمگا رہی ہے اور جو نسل آدم کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ جو وسیلہ ہے ان لوگوں کا جو تیری راہ پر گامزن ہیں اور جو ان لوگوں کے لئے سکون و ایمان کا باعث ہے جو تیری تلاش میں لگے ہوئے ہیں یعنی محمدؐ پر اور اُن کی آل پر[1]۔"

شاہ اسماعیلؒ اور محبتِ اہلِ بیت

شاہ اسماعیلؒ پر جو بے سروپا الزامات عائد کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک بے بنیاد الزام یہ ہے کہ وہ اہل بیت رسولؐ کے مخالف تھے۔ ان کے دل میں حضور کی اولاد کی محبت نہ تھی اور وہ ان کی اہانت کرتے تھے۔ حالانکہ شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب "تذکیر الاخوان" میں صحابہ اور اہل بیت کی شان میں ایک باب قلمبند کیا ہے جس میں احادیث کے مشہور مجموعے "مشکوٰۃ" سے نو حدیثیں صرف اہل بیت کی فضیلت میں نقل کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ جو شخص اہل بیتِ رسول سے محبت نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں اور اس کا ایمان ناقص ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

"غدیر خم ایک مقام ہے کہ وہاں پیغمبر خدا صلعم اصحابوں کے ساتھ اترے بعضے منافقوں نے علیؓ کے حق میں کچھ برائیاں مشہور کیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی۔ حضرتؐ نے سب کو جمع کر کے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے فرمایا کہ بموجب آیت النبی اولیٰ بالمومنین انفسھم کے کیا سب مسلمانوں کی جان سے زیادہ میں ان کا دوست نہیں ہوں؟ اصحابوں نے عرض کیا ہاں سچ ہے۔ جب سب نے اس بات کا اقرار کیا تب حضرتؐ نے دعا کی کہ خدایا جیسا میری دوستی کا مسلمانوں کو حکم کیا ویسا ہی ہر مسلمان علیؓ کو بھی دوست رکھے اور جو علیؓ سے دوستی رکھے اس سے تو بھی دوستی رکھ اور جو علیؓ سے دشمنی رکھے اس سے تو بھی دشمنی رکھ[2]۔"

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد شاہ اسماعیلؒ فرماتے ہیں کہ "معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو جیسی

---

[1] العبقات ص۱ مصنفہ شاہ اسماعیلؒ شہید [2] تذکیر الاخوان ص۹۷ و ص۹۸

پیغمبر کی دوستی اپنی جان سے زیادہ چاہیئے یعنی پیغمبر کے حکم بجالانے کو اپنی جان سے زیادہ مقدم سمجھے ویسی علیؓ کی دوستی اپنی جان سے زیادہ مقدم سمجھے اور کبھی اس محبت میں فرق نہ آوے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علیؓ کی سچی تعریف اور مدح سُنتے تو خوش ہو جیسے عمرؓ خوش ہوئے تھے اور علی رضی اللہ عنہ کو مبارک بادد ی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو علیؓ سے محبت رکھے وہ خدا کا دوست ہے اور جو علی سے عداوت رکھے وہ خدا کا دشمن ہے[1]"

اسی کتاب میں آگے چل کر سیدۃ النسا حضرت فاطمہؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک حدیث درج کرتے ہیں کہ" بخاری اور مسلم نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؓ ایک ٹکڑا ہے میرے بدن کا تو جس نے غصہ کیا اس کو تو غصہ کیا مجھ کو۔ بری لگتی ہے مجھ کو وہ چیز جو ستاوے اس کو[2]"

اس کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی فضیلت میں ایک اور حدیث درج کرتے ہیں کہ بخاری اور مسلم نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہؓ نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اے فاطمہؓ کیا تو خوش نہ ہووے کہ جو تو سردار ہووے بہشت کی سب عورتوں کی۔ حدیث کا ترجمہ درج کرنے بعد شاہ صاحبؒ ان الفاظ کا اضافہ فرماتے ہیں" یعنی اے فاطمہؓ تو سب بہشت کی عورتوں کی سردار ہے[3]"۔ آگے چل کر حضرت عائشہؓ کی ایک روایت درج کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کی صحت کا اقرار کرتے اور اسے درست تسلیم کرتے ہیں کہ" سب آدمیوں سے زیادہ دوست تھیں رسولِ خدا کو بی بی فاطمہؓ[4]"

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بعد اہل بیت رسول میں سب سے بلند مقام حضرات حسنینؓ کو حاصل ہے۔ شاہ اسماعیلؒ نے باغ رسالت کے ان دونوں پھولوں کو جنت کے دو پھول قرار دیا اور حضورؐ کی متعدد ایسی احادیث اپنی کتاب میں درج کیں جن سے ان بزرگ اور رسولِ خدا کی محبوب ہستیوں کے بلند مرتبے کا تعین ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"بخاری اور مسلم نے ذکر کیا کہ ابو ہریرہؓ نے نقل کیا کہ میں نکلا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھوڑے سے دن میں جب آئے فاطمہؓ کے ڈیرے میں تو فرمایا کہ یہاں لڑکا ہے یعنی حسنؓ۔ یہ فرمایا دو بار تو دیر نہ کی کہ آئے حسن دوڑتے یہاں تک کہ گردن میں باہیں ڈالیں ہر ایک نے ان دونوں (حسنؓ و حسینؓ) میں سے اپنے صاحبؐ کے

---

[1] تذکیر الاخوان صفحہ ۱۰۸ [2] تذکیر الاخوان صفحہ ۱۰۸ [3] تذکیر الاخوان صفحہ [4] تذکیر الاخوان صفحہ ۱۰۹

پھر فرمایا پیغمبر خدا نے کہ خدایا میں محبت رکھتا ہوں اس سے تو بھی محبت رکھ اس سے اور محبت رکھ اس سے جو شخص محبت رکھے اس سے[1]

ایک اور مقام پر حضرت امام حسنؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"رسولِ خدا صلعم لیے ہوئے تھے حسنؓ ابن علیؓ کو اپنے کاندھے پر سو کہا ایک شخص نے خوب سواری ہے جس پر سوار ہوا اے لڑکے۔ تو فرمایا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ خوب سوار ہے وہ[2]"

اس کے بعد شاہ اسماعیلؒ اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

"ایسا مرتبہ اور کسی کا کاہے کو ہوگا کہ محبوبِ خدا کے کاندھے پر سوار ہو[3]"

یہ مرتبہ تو حضرت امام حسنؓ کا تھا۔ حضرت امام حسینؓ کی فضیلت کے متعلق بھی شاہ اسماعیلؒ نے متعدد احادیث درج کی ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں نواسۂ رسولؐ کی کتنی عظمت تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہے۔ دوست رکھے اللہ اس کو جو دوست رکھے حسینؓ کو۔ حسینؓ ایک سبط ہے سبطوں میں سے[4]"

آگے چل کر ایک اور حدیث درج کرتے ہیں کہ :-

"پیغمبر خدا صلعم نے حسن اور حسین علیہما السلام کے حق میں فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ الٰہی میں دوست رکھتا ہوں ان دونوں کو، سو تو بھی دوست رکھ ان کو اور دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے ان کو[5]"

سطور بالا میں شاہ اسماعیلؒ کی تحریروں سے جو اقتباسات درج کئے گئے ہیں۔ ان سے بخوبی ثابت ہوجاتا ہے کہ انہیں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے قلبی لگاؤ تھا۔ ان کے دل میں اس بزرگ ترین خانوادے کی بے انتہا محبت تھی اور وہ ان مقدس ہستیوں کی حد درجہ عزت و تکریم فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کی طرف بری باتیں منسوب کرنے والے

---

[1] تذکیر الاخوان ص۱۰۹ [2] تذکیر الاخوان ص۱۱۰ [3] تذکیر الاخوان ص۱۱۰ [4] تذکیر الاخوان ص۱۱۱

کو منافق قرار دیتے تھے۔ ان کے خیال میں کوئی شخص اس وقت تک مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک وہ حضرات اہل بیت کی محبت سے سرشار نہ ہو۔ حتیٰ کہ آیہ تطہیر جس کے متعلق مختلف لوگوں نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کی بھی شاہ صاحبؒ نے ایسی تفسیر کی ہے جس سے اہل بیت رسولؐ کی بزرگی، پاکیزگی اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"باہر آئے پیغمبر صلعم صبح کو اوڑھے ہوئے کملی کہ اس پر سیاہ بالوں کے نقش تھے۔ پھر آئے حسنؓ تو لے لیا ان کو، پھر آئے حسینؓ تو لے لیا ان کو، پھر آئیں فاطمہؓ تو لے لیا ان کو، پھر آئے علیؓ تو لے لیا ان کو یعنی کملی کے اندر، پھر فرمایا کہ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندگی اے اہل بیت اور پاک کرے تم کو ستھرائی سے"۔[1]

شاہ اسماعیلؒ اور واقعۂ کربلا

کربلا کا سانحہ نہایت دلدوز سانحہ تھا اور بلاشبہ حضرت امام حسینؓ کو یزید اور اس کے جرنیلوں نے بلا کسی قصور کے نہایت سفاکی اور درندگی سے شہید کیا۔ اس واقعے کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے اور گذشتہ ساڑھے تیرہ سو سال سے عالم اسلام اس کی مذمت کر رہا ہے۔ افسوس کہ شاہ اسماعیلؒ کے بعض متعصب ناقدوں نے اس واقعے کے متعلق بھی شاہ صاحبؒ کے نظریات کو غلط رنگ میں پیش کیا اور مشہور کیا کہ وہ ان کے معتقدین حضرت امام حسینؓ کے مقابلے میں یزید کو حق پر سمجھتے ہیں اور یزید کے معاملے میں خاموش رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ صرف علم دین کے جید عالم اور دینی مفکر ہی نہ تھے بلکہ تاریخ اسلام کے ہر گوشے پر بھی ان کی نہایت گہری نظر تھی۔ تاریخ کے وسیع مطالعے کے بعد وہ جس نتیجے پر پہنچے وہ یہ تھا کہ سیدنا حسینؓ حق پر تھے۔ انہیں نہایت سفاکی سے مظلومانہ شہید کیا گیا۔ یزید اس قتل میں برابر کا شریک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے اس کی اور اس کے جرنیلوں کی سخت مذمت کی اور اسے بہت سخت الفاظ سے یاد کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"مسلمان کو چاہیئے کہ جب امام علیہ السلام کا حال سنے تو افسوس کرے اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور جانے کہ عبداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد

---

[1] تذکیر الاخوان صـ ۱۱۲

اور شمر اور خولی وغیرہ نامردوں نے باجازت یزید پلید کے حضرت امام کو رنج پہنچایا اور نہایت بری حرکت کی۔ مسلمان کو لازم ہے کہ ایسی حرکت نہ کرے جس میں حضرتؐ کو اور حضرتؐ کے اہل بیت کو دنیا میں یا آخرت میں رنج پہنچے۔"[1]

حضرت شاہ اسماعیل شہید کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضرت امام حسینؓ کے واقعہ شہادت کو اندوہناک اور قابل افسوس قرار دیتے تھے اور اس واقعہ کا ذمہ دار یزید کو سمجھتے تھے اور اس کی اور اس کے جرنیلوں کی آپ نے سخت مذمت فرمائی ہے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے اہل بیت کی ہتک ہوتی ہو۔۔۔۔ اہل بیت رسول کا اس درجہ ادب واحترام حضرت امام حسینؓ کی اس درجہ تکریم واقعۂ شہادت پر اس قدر رنج واندوہ اور یزید کو اس واقعہ کا ذمہ دار قرار دینے کے بعد اس کی اتنی مذمت کیا وہ شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں اہل بیت رسول کا ادب واحترام نہ ہو؟ منصف مزاج لوگ خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

شاہ اسماعیلؒ اور صوفیا

شاہ اسماعیلؒ پر ایک اعتراض اس قدر عام ہے کہ اسے دہرانے کی بھی ضرورت نہیں اور وہ یہ کہ آپ صوفیا کے دشمن تھے اور اس گروہ کی سخت مذمت فرماتے تھے۔ اسے اسلام سے باغی اور گمراہ قرار دیتے تھے۔ بلاشبہ انہوں نے صوفیا کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے اور انہیں خلاف شریعت افعال کا مرتکب قرار دیا مگر آپ کے یہ خیالات ان صوفیوں کے متعلق ہیں جنہوں نے تصوف کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنایا اور اس پردے میں بے دینی اور گمراہی پھیلائی۔ مگر وہ صوفی جو اس لفظ کے حقیقی معنی میں مستحق ہیں آپ کے نزدیک حد درجہ قابل احترام ہیں۔ ان پر آپ نے سلام بھیجا اور انہیں آسمانِ رشد و ہدایت کے ستارے قرار دیا۔ افسوس کہ ان کے معترضین نے ان کی کسی کتاب کی چند سطریں پڑھ لیں اور انہیں لے اڑے۔ اس کے بعد ان میں اپنی طرف سے طرح طرح کے اضافے کئے۔ اس طرح ان لوگوں نے آپ کے عقائد و نظریات کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا۔ اگر یہ لوگ شاہ اسماعیلؒ کی تمام تصانیف کا جائزہ لیتے تو یقیناً انہیں اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنی پڑتی۔ ذیل میں آپ کی بلند پایہ کتاب "العبقات" سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے اس کے مطالعے سے اندازہ ہو سکے گا کہ

---

[1] تذکیر الاخوان ص ۱۱۱

حقیقی صوفیا کا آپ کے نزدیک کیا مقام ہے۔

"عرض کرتا ہے امیدوارِ رحمتِ ربِ جلیل محمد اسماعیل کہ حق تعالیٰ کی اجمالی معرفت بنام طاعتوں کے بیج ہے اور نیکیوں کے مرغزاروں کا وہ پانی ہے اسی طرح ذات الٰہی کی تفصیلِ معرفت عبادتوں کے باغ کا ثمرہ ہے اور بھلائیوں کے سبزہ زاروں کی بلند چوٹی ہے۔ اس معرفت کی یافت و تحصیل کے لئے احرار کی جماعتیں کھڑی ہوتی رہی ہیں۔ اور مختلف اقوام کے شہ سواروں نے اس میدان میں مقابلے کئے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا، چشمۂ شیریں پر لوگوں کا اژدھام ایک قدرتی بات ہے۔ خصوصاً صوفیہ صافیہ کے طبقے کا ان لوگوں میں بڑا عالی مقام ہے۔ اس سلسلے میں انہیں بالادستی کا امتیاز حاصل ہے۔ قوم کے شہ سواروں میں ان بزرگوں کے حدود تک پہنچنے میں کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا خواہ جتنی بھی تدبیروں سے انہوں نے کام لیا ہو اور ہزار ہا قسم کے میدان میں اترتے ہوں سچ تو یہ ہے کہ خبروں کے سننے کا جسے شوق ہو چاہیئے کہ ان ہی بزرگوں (صوفیا) کی وہ خبریں سنے اور دوسروں کے نقشِ قدم پر جو چلتا ہو وہ ان ہی (صوفیا) کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ہم نشیں کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوئے اور ان (صوفیا) کے وابستوں میں جو شریک ہوا اس نے کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا[1]"

صوفیا کے متعلق شاہ اسماعیلؒ کی تحریروں میں سے یہ صرف ایک اقتباس ہے جو بطور نمونہ یہاں درج کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تصانیف میں اس مقدس گروہ کو متعدد مقامات پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ خصوصاً ان کی تصنیف "العبقات" کا تو موضوع ہی تصوّف ہے۔ اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے تصوف کے نہایت باریک رموز بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوّف کے عاشق اور خود بہت بڑے صوفی تھے۔ جو شخص تصوّف کے باریک در باریک نکات بیان کرے اور تصوف کو اسلام کا جزوِ اعظم قرار دے وہ تصوّف اور صوفیا کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات واقعتہً ہی نہیں عقلاً بھی درست نہیں۔

---

[1] العبقات ص۳ مصنفہ شاہ اسماعیل شہیدؒ۔ مترجم مولانا مناظر احسن گیلانی۔

شاہ اسماعیلؒ کا تصورِ خلافت

شاہ اسماعیلؒ اپنی فکر و نظر کے لحاظ سے نہایت منفرد بزرگ تھے، انہوں نے اپنے غیر معمولی علم و فضل اپنی روحانی بصیرت اور اپنی جرات فکر سے دین کے بہت سے گوشوں کو نکھارا اور تقلید کے جمود کو توڑا۔ انہوں نے بعض معتقدات کو بڑی جرات اور ناقابلِ شکست دلائل سے چیلنج کیا اور انہیں غلط ثابت کر کے امتِ مسلمہ کے لئے فکر و تدبر کی نئی راہیں دریافت کیا۔ ان معتقدات میں سے ایک عقیدہ خلافت کے تصوّر سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے اکابر اور مفکرین کی اکثریت نے یہ نظریہ اختیار کر لیا تھا کہ خلافت اور خلافت راشدہ دونوں کا حضرت علیؓ پر خاتمہ ہو گیا۔ یہ نظریہ یقیناً نظرِ ثانی کا محتاج تھا اور یہ سعادت حضرت شاہ اسماعیلؒ کے حصے میں آئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس سب سے بڑی نعمت کے متعلق ثابت کیا کہ یہ مسلمانوں میں قیامت تک کیلئے جاری و ساری رہے گی۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب "منصب امامت" میں اس مسئلے پر نہایت مدلل بحث کی اور لکھا کہ :-

"خلیفہ راشد عبارت ست از شخصے کہ صاحبِ منصبِ امامت باشد و ابوابِ سیاست ایمانی ازو ظاہر شود پس ہر کہ بایں منصب رسید ہماں ست خلیفہ راشد خواہ در زمانِ سابق ظاہر شود خواہ در زمانِ لاحق خواہ در و اائل امت باشد خواہ در اواخر آں[1]"

خلیفہ راشد وہ شخص ہے جو منصب امامت رکھتا ہو اور سیاستِ ایمانی کے امور کا جس سے ظہور ہو۔ پس جس شخص کو یہ منصب عطا ہو وہی خلیفہ راشد ہے۔ خواہ اس کا ظہور زمانۂ گذشتہ میں ہوا خواہ زمانۂ موجودہ میں، خواہ اوائل امت میں ظاہر ہو خواہ آخری زمانے میں۔

یہ شاہ صاحبؒ کا خود ساختہ نظریہ نہ تھا بلکہ اس کی اساس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ارشادات پر تھی، چنانچہ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے اس ضمن میں حضورؐ کی ایک حدیث پیش کی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے کہ تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علیٰ منھاج النبوۃ الخ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ رہے گی نبوت تم میں جب تک چاہے اللہ تعالیٰ پھر اٹھالے گا اس کو اور پھر ہو گی

---

[1] منصبِ امامت صفحہ مولفہ شاہ اسماعیل شہیدؒ

خلافت نبوت کے طریق پر جب تک چاہے اللہ تعالےٰ پھر اٹھالے گا اللہ تعالیٰ۔ پھر ہوگی بادشاہی پس رہے گی جب تک چاہے اللہ تعالےٰ پھر اٹھالے گا اس کو اللہ تعالیٰ پھر بادشاہی زیادتی کی ہوگی اور رہے گی جب تک چاہے اللہ تعالیٰ۔ پھر اٹھالے گا اللہ تعالےٰ۔ پھر ہوگی خلافت طریقِ نبوت پر۔ پھر آپ چپ ہو رہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت علےٰ منہاج النبوۃ صرف خلفائے راشدین تک محدود نہیں بلکہ زمانے کے طویل فصل کے بعد پھر امت میں جاری ہو جائے گی اور اس کے بعد اس کا انقطاع عمل میں نہیں آئے گا کیونکہ حضور یہ خوشخبری سنا کر خاموش ہو گئے اور اس کے انقطاع کا اعلان نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ اسماعیلؒ نے اپنی اسی گراں قدر تصنیف میں آگے چل کر ایک بار پھر فرمایا کہ :۔

"ونیز ایں گمان نباید کرد کہ زمانہ خلافت راشدہ یا اوائل امت است یعنی زمانۂ خلفائے اربعہ یا اواخرِ امت"[1]

اور یہ خیال کرنا درست نہیں کہ خلافت راشدہ کا زمانہ صرف خلفائے اربعہ تک محدود ہے یا آخر زمانے تک اور ان دونوں زمانوں کے درمیان اس کا انقطاع ہے ایسا نہیں۔

اس خلافت کی عظمت و اہمیت واضح کرتے ہوئے آپؒ نے امتِ مسلمہ کو بشارت دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے جس خلافت کا وعدہ کیا ہے وہ معمولی چیز نہیں بلکہ :

"خلیفۂ راشد بمنزلۂ فرزند و ولی عہدِ رسول ست و دیگر ائمہ دین بمنزلۂ فرزندانِ دیگر پس چنانکہ مقتضائے سعادتمندی سائر فرزندان ہمیں است کہ آنچہ مراتب پاسداری و خدمتگذاری کہ بہ نسبت والد کردنی است ایں ہمہ بہ نسبتِ برادرِ جانشین پدر بجا آرند و او را بجائے والد خود شمارند"[2]

(خلیفہ راشد کا مرتبہ رسولؐ کے فرزند اور ولی عہد کے برابر ہے اور دوسرے ائمہ دین اس کے دوسرے بیٹوں کی مانند ہیں۔ اس لئے جس طرح کہ دوسرے تمام فرزندوں کی سعادت مندی کا تقاضہ ہے کہ جو پاسداری اور خدمت گذاری وہ اپنے والد بزرگوار کی بجالاتے ہیں اسی طرح وہ اپنے اس بھائی کی خدمت انجام دیں جو ان کے والدِ گرامی کا جانشین ہے اور اسے بمنزلہ باپ سمجھیں) شاہ صاحبؒ نے خلیفہ راشد کی

---

[1] منصب امامت صہ ۸۰
[2] منصب امامت صہ ۸۰

ایک اور صفت بیان فرمائی اور اس کی ذات سے وابستگی کو مسلمانوں کے لئے بہت بڑی روحانی نعمت قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ :-

چنانکہ در ذاتِ با برکات امامِ حقیقی صفت نبوتِ تامہ می نہند[1]	اللہ تعالےٰ نے امام حقیقی کی ذاتِ بابرکت میں نبوتِ تامہ کی صفت رکھی ہے

اس طرح شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ جب تم میں خلیفۂ راشد ظاہر ہو تو تمہارے اکابر علما اور بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی اطاعت فرزند رسولؐ اور ولی عہد رسولؐ کی طرح کریں اور اس سے پوری طرح تعاون کریں تاکہ زمین پر آسمان کی بادشاہت قائم ہو جائے۔ شاہ صاحبؒ کو اس نعمت کے حصول میں کامیابی کی ایسی قوی امید تھی کہ وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ :-

از ظہورِ خلافت راشدہ ہرگز مایوس نہ باید شد و آں راز از مجیب الدعوات طلب باید کرد و براجابت دعائے خود چشم باید داشت و در تفحص خلیفہ راشد و ہر زمان ہمت باید گماشت[2]	خلافتِ راشدہ کے ظہور سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور دعائیں قبول کرنے والی ہستی کی بارگاہ میں اس کی طلب جاری رکھنا چاہیئے اور امید کرنی چاہیئے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی اور ہر وقت خلیفہ راشد کی تلاش میں کمربستہ رہنا چاہیئے۔

شاہ اسماعیلؒ قرآن حکیم کے بہت بڑے عالم اور شارح تھے۔ یقیناً ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوگا کہ :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ الخ (سورۃ النور آیت ۵۵)	اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دئے کہ وہ ان میں سے زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں مثلاً حضرت نوحؑ کی امت اور حضرت موسیٰؑ کی امت میں خلفاء مقرر کئے اسی طرح اس نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ وہ ان میں بھی مومن اور صالح بندوں کو اپنا خلیفہ مقرر کرے گا۔

---

[1] منصب امامت صفحہ ۸۱

[2] منصب امامت صفحہ ۸۱

قرآن حکیم کے اس ارشاد سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں خلافت جس کے ساتھ بہت سی بشارات وابستہ ہیں صرف خلفائے اربعہ تک محدود نہیں رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے مومنوں اور اعمالِ صالح انجام دینے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان میں سے زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کرے گا۔ اگر امتِ مسلمہ میں صاحب ایمان اور اعمالِ صالح انجام دینے والے لوگ صرف عہد صحابہ تک تھے اور اس کے بعد مسلمانوں میں منافق اور بدعمل لوگ ہی پیدا ہوں گے پھر تو خلافت، خلفائے اربعہ تک محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اعمالِ صالح انجام دینے والے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نعمتِ عظمیٰ بھی قیامت تک باقی رہے گی۔

قرآن حکیم کا یہی ارشاد اور اس کی یہی تفسیر حضرت شاہ اسماعیل شہید کے پیشِ نظر تھی جس کی بنا پر انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ خلافتِ راشدہ منقطع نہیں ہوئی بلکہ اس کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا اور انہوں نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا میں مصروف رہو اور اس نعمت کی تلاش میں لگے رہو۔ یہ دعا ضرور قبول ہوگی اور مسلمانوں کو خلافتِ راشدہ کی نعمت ضرور ملے گی۔

شاہ اسماعیلؒ کے اختلافی مسلک

شاہ اسماعیلؒ علم کے بحر ناپیدا کنار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب فکر و نظر بزرگ تھے انہوں نے اسلامی علوم کا مطالعہ نہایت باریک بینی اور دقتِ نظر سے کیا تھا۔ ان کا ذہن بہت رسا تھا۔ وہ بڑے طباع انسان تھے۔ غور و فکر ان کی فطرت کا جوہر تھا وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو آنکھ بند کر کے اپنوں سے پچھلوں کی تقلید کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ ہر مسئلہ پر غور کرتے تھے اسے قرآن و حدیث اور سنت کے معیار پر پرکھتے تھے اور پھر اسے قبول کرتے تھے۔ انہوں نے حق کے معاملے میں کبھی اس امر کی پروا نہ کی کہ ان کی رائے کسی بڑے سے بڑے امام سے متصادم ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسولؐ کے علاوہ فکری غلطی ہر شخص سے سرزد ہو سکتی ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا امام اور مفکر کیوں نہ ہو۔ البتہ ایک امر کا انہوں نے ہمیشہ خیال رکھا کہ ان کا کوئی اجتہاد اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور فرمودۂ رسولؐ کے خلاف نہ ہو۔ انہوں نے جو نظریات قائم کیے اگرچہ وہ خود ان پر سختی سے قائم رہے مگر دوسروں کو اس کی پابندی پر

مجبور نہیں کیا اور نہ یہ حکم لگایا کہ جو شخص ان کے قائم کردہ نظریات سے اختلاف کرے وہ کافر یا عاصی ہے۔ یہ ان کی عالی ظرفی اور وسیع النظری پر دلالت کرتا ہے۔ مولانا عبد الحئی مولفِ "نزہت الخواطر" نے اپنی کتاب میں بارہ ایسے مسائل درج کئے ہیں جن میں شاہ صاحبؒ نے دوسرے ائمہ سے اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے پہلا مسئلہ "رفع یدین" کا ہے۔ آپ رکوع، تومہ اور تیسری رکعت میں سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے مگر اسے سنتِ غیر موکدہ قرار دیتے تھے۔ آپکا نظریہ تھا کہ اگر کوئی شخص ایک بار بھی رفع یدین کرے تو اسے اس کا ثواب ملتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کا ترک کرنے والا قابلِ ملامت نہیں۔

ہمارے بعض فقہا نے "التحیات" کے دوران کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشت شہادت اٹھانے کو ناجائز قرار دیا ہے بلکہ "خلاصہ کیدانی" میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ التحیات کے دوران کلمہ پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ شاہ اسماعیلؒ نے اس سے اختلاف کیا اور اسے مستحب قرار دیا۔ آپ کا عمل بھی یہی تھا کہ التحیات کے دوران کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشتِ شہادت اٹھایا کرتے تھے۔

تیسرا مسئلہ قرأۃ خلفِ امام (امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے) کا ہے۔ اس مسئلے میں بھی علما کے دو گروہ ہیں اور دونوں کے دلائل نہایت قوی ہیں مگر حضرت امام محمد بن حسن شاگرد حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ تھا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ شاہ اسماعیلؒ نے اس نظریہ کو درست قرار دیا اور اس پر عمل پیرا رہے۔

چوتھا مسئلہ آمین بالجہر کا ہے اس مسئلے میں آپ کا مسلک یہ تھا کہ آمین آہستہ کہنے سے بآواز بلند کہنا افضل ہے۔ کیونکہ آپ کی رائے میں جہر کی روایات بکثرت اور اولیٰ ہیں۔

پانچواں مسئلہ سورہ فاتحہ سے قبل بسم اللہ پڑھنے کا ہے۔ بعض علما نے بآواز بلند اور بعض نے آہستہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ شاہ صاحبؒ بآواز بلند پڑھنے کی بجائے آہستہ پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ آپ کے خیال میں آہستہ بسم اللہ پڑھنے کی روایات زیادہ ہیں۔

چھٹا مسئلہ ہاتھ چھوڑ کر یا باندھ کر نماز پڑھنے کا ہے۔ شاہ صاحبؒ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ آپؒ کے نزدیک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت امام مالکؒ نے "موطا" میں لکھا ہے۔

ساتواں مسئلہ نماز میں ناف سے اوپر یا نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے۔ شاہ صاحبؒ دونوں صورتوں کو درست قرار دیتے تھے۔

آٹھواں مسئلہ نماز عشا میں دعائے قنوت پڑھنے کا ہے۔ اس مسئلے میں شاہ صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ اگر دعائے قنوت پڑھ لی جائے تو اچھا ہے اگر ترک کر دی جائے تو گناہ نہیں۔

نواں مسئلہ تقلید اور عدم تقلید کا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی۔ آپ کا

مسلک یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اتنے علم اور ایسی وسعتِ نظر کا حامل ہے جو اجتہاد کرنے کیلئے ضروری ہے تو وہ اجتہاد کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی امام کا مقلد ہے تو اسکی بھی مذمت نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ ایک معین شخص کی تقلید پر قائم ہو جانا اور ہمیشہ اسکی تقلید کرتے رہنا آپکو پسند نہ تھا۔ آپ ائمہ اربعہ کے سوا دوسرے ائمہ کی پیروی کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ آپکے خیال میں مذہب حنفیہ پر عمل کرنیکے معنی یہ نہیں کہ ایک معین شخص کی تقلید کی جائے۔ اس مسلک کی وحدت اختیاری ہے۔ اسی طرح چاروں مذاہب کی وحدت بھی اختیاری ہے پس ان میں سے کسی کے متبع کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ خلاصہ یہ کہ جب کسی شخص کو اپنے امام کے مسلک کیخلاف روایات مل جائیں اور وہ زیادہ قوی اور سنت رسول کے مطابق ہوں پھر بھی اپنے پہلے مسلک پر اڑے رہنا درست نہیں بلکہ یہ خود اس امام کے مسلک کیخلاف ہے جسکی پیروی کا وہ شخص مدعی ہے۔ اس بارے میں آپکا مسلک یہ تھا کہ ائمہ میں سے کسی بھی امام کو چھوڑ کر دوسرے کی تقلید کرنا جائز ہے۔ ایسا کرنے سے آدمی تقلید کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا۔

دسواں مسئلہ رخصتوں کے بارے میں ہے۔ شریعت نے بعض امور میں رخصت دی ہے۔ کچھ لوگ صرف ان رخصتوں کو چن لیتے ہیں اور انہی پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ شاہ صاحب کو یہ طریقہ پسند نہ تھا۔ آپ تنہائی و مجبوری کی حالت میں ان رخصتوں سے فائدہ اٹھانے کے قائل تھے۔ بصورتِ دیگر عزیمت کو پسند کرتے تھے۔

گیارہواں مسئلہ قول صحابہ کی سند سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مسئلے میں آپ کا مسلک یہ تھا کہ صحابی کا قول بھی سنت میں شامل ہے مگر شرط یہ ہے کہ اسکی سند تسلسل کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچتی ہو۔

بارہواں مسئلہ فہم صحابہ کی حجت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس بارے میں شاہ صاحب کا مسلک یہ تھا کہ کسی بھی صحابی کا کوئی ایسا فہم ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتا جو اکابر صحابہ کی آراء کے مخالف ہو۔[1]

یہ ہیں وہ مسائلِ شرعیہ جن میں شاہ اسماعیلؒ نے دوسرے علماء سے مختلف مسلک اختیار کیا۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ آپکا کونسا مسلک درست تھا اور کونسا محلِ نظر؟ جو بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ان مسالک میں سے کسی بھی مسلک پر آپ نے اصرار نہیں فرمایا۔ نہ ان کے اختیار یا ترک کرنیوالوں کو کافر قرار دیا۔ یہ آپ کے ذاتی اجتہادات تھے اور بعض کے متعلق تو آپ نے خود صاف طور پر وضاحت بھی فرما دی تھی کہ دونوں صورتیں مساوی ہیں یا ان میں سے کسی مسلک پر عمل نہ کرنے والے کی مذمت نہیں کرنی چاہیئے۔ شاہ صاحب کا یہ طرزِ فکر اور طریق کار ان علما اور دینی مفکروں کو دعوتِ فکر دیتا ہے جو اپنے نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو گمراہ اور کافر قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ ہمارے خیال میں شاہ صاحب کی یہ علمی خصوصیت انہیں طبقۂ علمائے ربانی میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

---

[1] نزہتہ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۵۰

شاہ اسماعیلؒ کی شخصیت

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت ہر بڑے انسان کی طرح بہت پہلودار اور نہایت ہمہ گیر تھی۔ انہوں نے نہ صرف اپنے عہد بلکہ بعد کے ادوار کو بھی متاثر کیا اور یہ اثر پذیری آج تک جاری ہے۔ انکی سیرت و کردار کی ترکیب جن اجزا سے ہوئی تھی ان میں غیر معمولی ذہانت و فراست، علمی وسعت، مجتہدانہ بصیرت، اخلاقی بلندی، دین سے انتہائی عشق، تقوٰی و پرہیزگاری، اسلام کے لئے غیرت، حیرت انگیز شجاعت، دشمنانِ اسلام کے لئے شدت اور مومنوں کیلئے شفقت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ گذشتہ صفحات میں ان کی داستانِ حیات کا جو مرقع پیش کیا گیا ہے اس میں ان کی شخصیت کے خدوخال نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ اس باب میں انکی زندگی کے کچھ ایسے واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن سے ان کی شخصیت کا جوہر مزید تاباں و درخشاں نظر آئے گا۔

تحمل و بردباری

شاہ اسماعیلؒ کے متعلق عام تاثر یہی ہے کہ وہ بہت سخت گیر اور متشدد آدمی تھے۔ انکی سختی او تشدد کی داستانیں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ اگر ان داستانوں میں سے مبالغہ کا حصہ نکال دیا جائے پھر بھی جو کچھ بچتا ہے اس میں سختی کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں یہ سختی موجود تھی مگر یہ سخت گیری اور تشدد صرف معاملاتِ دین تک محدود تھا یعنی جب معاملہ حق کا پیش آتا تو وہ قطعاً رو رعایت نہ کرتے۔ خواہ انکے اقدام یا ان کی رائے کا اثر ان کے قریب ترین عزیز ہی پر کیوں نہ پڑتا ہو مگر اپنی ذات کے معاملے میں وہ نہایت نرم اور عفو و درگذر کا پیکر تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ کسی مجلس میں وعظ فرمارہے تھے۔ اثنائے وعظ میں ایک بدزبان مخالف اٹھا اور آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ مولوی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اسی وقت آپے سے باہر ہو جاتا

اور اپنے مریدوں کو اشارہ کر کے ایسے بدزبان مخالف کی تکا بوٹی کرا دیتا۔ مگر عفو و درگذر کے اس پیکرِ عظیم نے یہ فحش گالی نہایت صبر و سکون سے سنی اور بہت متانت سے جواب دیا کہ "میاں! تم نے غلط سنا ہے، میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڑھانہ، پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں۔" اور یہ فرما کر پھر وعظ شروع کر دیا۔[1]

اسی قسم کا ایک واقعہ صوبۂ سرحد میں پیش آیا جبکہ نواحِ پشاور کے ایک عالم حافظ دراز صاحب شاہ صاحبؒ کی ملاقات کیلئے آئے۔ اس وقت شاہ صاحبؒ اپنے گھوڑے کو کھریرا کر رہے تھے۔ حافظ دراز صاحبؒ نے اسی حالت میں شاہ صاحبؒ سے چند معقولی سوالات کیے جن کا جواب آپؒ نے نہایت سادگی اور متانت سے فوراً دیدیا۔ حافظ صاحب شافی جواب لیکر واپس جانے لگے تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ صاحبؒ ایک سوال میرا بھی ہے حافظ صاحبؒ ٹھہر گئے اور آپؒ کا سوال سن کر جواب دیا۔ اس جواب پر شاہ صاحبؒ نے شبہ ظاہر فرمایا۔ حافظ صاحب نے اس شبہ کا جواب دیا۔ اس جواب پر شاہ صاحبؒ نے ایک اور شبہ ظاہر کر دیا۔ اس پر حافظ صاحبؒ کو غصہ آگیا اور جواب دینے کی بجائے ہاتھا پائی شروع کر دی جس سے شاہ صاحبؒ کی پگڑی سر سے اتر کر زمین پر گر پڑی۔ آپؒ نے اسی سادگی سے خاک آلود پگڑی اٹھا کر پھر سر پر رکھ لی اور فرمایا کہ "حافظ صاحبؒ! میں نے آپ کے کتنے سوالات کے جوابات عرض کئے مگر آپؒ تو ایک ہی سوال پر خفا ہو گئے۔"[2] یہ کہہ کر پھر گھوڑے کو کھریرا کرنے میں مصروف ہو گئے جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔

صاحبِ "ارواحِ ثلاثہ" کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کا قاعدہ تھا کہ جہاں کوئی میلہ ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی مجلس تو آپؒ وہاں پہنچتے اور کھڑے ہو کر وعظ فرماتے۔ اس کا اثر یہ ہوتا کہ اکثر لوگ محفل چھوڑ کر آپؒ کے وعظ میں آجایا کرتے تھے۔ اکثر نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر بھی جاتے اور وہاں بھی وعظ فرماتے۔ یہی اثر وہاں بھی ہونے لگا۔ جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسماعیلؒ کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیے۔ اس پر ایک شخص نے قتل کا بیڑہ اٹھایا اور کہا کہ میں انہیں قتل کروں گا۔ غرض یہ امر طے پا گیا۔ ایک روز شاہ صاحبؒ جامع مسجد دلی کے زینے کے درمیں وعظ فرما رہے تھے کہ اس شخص نے آپ پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار سے شاہ صاحبؒ تو بچ گئے مگر تلوار ان کے ایک دوست کو لگی جس سے اس کا شانہ زخمی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ کے عقیدت مند حملہ آور کو پٹ گئے مگر آپ نے اسے چھڑا دیا۔[3] یہی نہیں

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صـ۵ [2] ارواحِ ثلاثہ صـ۹۶ [3] ارواحِ ثلاثہ صـ۹۲

بلکہ اس کے خلاف عدالت میں دعویٰ تک دائر نہ کیا۔

شاہ اسماعیلؒ کا یہ حلم اُن کی یہ بُردباری اور عفو و درگذر اکثر اوقات نہایت خوشگوار نتائج پیدا کرتا اور وہ لوگ جو ان کے شدید دشمن ہوتے ان کی عالی ظرفی اور تحمل دیکھ کر نہ صرف ان کی مخالفت سے باز آجاتے بلکہ ان کے عقیدتمندوں میں شامل ہوجاتے چنانچہ ایسا ہی ایک واقعہ دہلی میں اس وقت پیش آیا جب آپ اپنے ایک دوست مولوی رستم علی صاحبؒ کے ساتھ جو اپنے زمانے کے نامور پہلوان تھے چاندنی چوک میں سے گذر رہے تھے۔ اتنے میں سامنے سے ایک پہلوان آگیا اور اس نے شاہ صاحبؒ کو گالیاں دینی شروع کردیں۔ یہ دیکھ کر آپ کے دوست مولوی رستم علی خان تلوار نکال کر اس پر حملہ کرنے کیلئے دوڑے۔ شاہ صاحبؒ نے جھپٹ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا میاں رستم علی کیا کرتے ہو؟ وہ گالیاں بیجا نہیں دیتا بلکہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ وہ یہی تو کہتا ہے کہ" یہ بُرا بے دین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے۔" سو اس میں وہ کیا بیجا کہتا ہے۔" میری باتیں اس کے لئے تو واقعی نئی ہیں۔ علما نے یہ باتیں ان بیچاروں کو کہاں سنائی ہیں۔ پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔ اس واقعے کا پہلوان پر اتنا اثر ہوا کہ اسی روز سے وہ آپؒ کے رفیقوں میں شامل ہوگیا۔[1]

حکمتِ تبلیغ

شاہ اسماعیلؒ اپنے زمانے کے بہت بڑے مبلغ تھے بلکہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اعلائے کلمۃ الحق ہی میں گزرا۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو تبلیغ کی اور تبلیغ کرتے ہوئے قرآن حکیم کی مشہور اصطلاح" مواعظ حسنہ" کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ ان کے مخاطبین مشتعل ہوکر مرنے مارنے کو تیار ہوگئے مگر شاہ صاحبؒ نے ایسے مواقع پر ہمیشہ نرم اور مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ ان کی یہ تبلیغی حکمت نہایت مفید ثابت ہوئی اور بہت سے غیر مسلم بھی ان کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ چنانچہ ان کے ایک تذکرہ نگار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ" مولوی اسماعیل صاحب شہیدؒ اور ان کے کچھ ساتھی شکار کے لئے چلے۔ قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلے پر ایک گسنائیں رہتا تھا اور اس کے چیلے اس کے پاس رہتے تھے۔ اس کی کٹی (کٹیا) کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے۔ ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے۔ شاہ صاحبؒ نے بندوق سے ایک مور کا شکار کرلیا۔ اس پر گسنائیں کے چیلوں میں ایک شور مچ گیا اور گسنائیں سمیت سب کے سب

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۸۶

شاہ صاحبؒ اور آپ کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لئے آگئے۔ شاہ صاحبؒ کے ہمراہی بھی مقابلے کے لئے تیار ہو کر ادھر کو چلے۔ آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جب تک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا کہ تم لوگ ذرا نرمی کرو انشاء اللہ ہم اس کو مور کھلا کر چلیں گے۔ یہ کہہ کر شاہ صاحبؒ مسکراتے ہوئے گشائیں کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گشائیں صاحب ذرا میری بات سن لیجئے، اس کے بعد جو جی میں آئے کیجئے۔ ہم آپ کے پاس ہیں کہیں جاتے نہیں ہیں۔ غرض اس قسم کی ملائم گفتگو سے اس کو نرم کیا۔ اس کے بعد آپ نے مناسب طور پر اسے اسلام کی دعوت دی۔ دونوں جانب سے دیر تک اس معاملے میں گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد وہ گشائیں اور اس کے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہو گئے اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور شاہ صاحبؒ کو بھی برا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ آپ نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا اور مور پکوا کر اسے کھلایا[1]

سلامتیٔ طبع

شاہ اسماعیلؒ اپنے دوسرے اہل خاندان کے برعکس نوجوانی کے زمانے میں ذرا آزاد منش قسم کے انسان تھے۔ کھیل کود اور سیر و تفریح میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ جب کوئی میلہ لگتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا اس میں ضرور شرکت کرتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپؒ ہندوؤں کے میلے میں گئے حضرت سید احمد شہیدؒ جو اس زمانے میں شاہ صاحبؒ سے پڑھتے تھے آپ کے ساتھ تھے جب یہ دونوں میلے میں پہنچے تو سید صاحبؒ پر اچانک ایک جوش کی حالت طاری ہوئی اور آپ کو نہایت غصہ آیا۔ آپؒ نے تیز لہجے میں شاہ اسماعیلؒ سے فرمایا کہ "آپ نے کس لئے پڑھا تھا؟ کیا سوادِ کفار کی رونق بڑھانے کے لئے؟ آپ کو معلوم ہے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا بھتیجا اور کفار کے میلے کی رونق بڑھائے، کس قدر شرم کی بات ہے"۔

سید صاحبؒ کا انداز بہت تلخ تھا۔ پھر اس وقت سید صاحبؒ شاہ اسماعیلؒ کے شاگرد بھی تھے۔ بہ ظاہر یہ اندازِ تخاطب ادب و احترام کے بھی خلاف تھا۔ مگر شاہ اسماعیلؒ نے سید صاحبؒ کی اس تنبیہ پر کسی ناگواری کا اظہار کرنے کی بجائے اس کی بہت قدر کی بلکہ آپؒ کے ایک تذکرہ نگار کے بقول "شاہ صاحبؒ پر اس کا خاص اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ سید صاحبؒ! آپ نہایت بجا فرماتے ہیں۔ واقعی میری غلطی ہے اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی میلے میں نہیں گئے"[2]

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۵

[2] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۹

اس واقعے سے شاہ اسماعیلؒ کی فطری راست روی کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت سلیم الطبع انسان تھے۔ اپنے خلاف سخت سے سخت تنقید کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے اور جب اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تھا تو فوراً اسکی اصلاح فرما لیتے تھے قطع نظر اس سے کہ احساس دلانے والا مرتبے میں ان سے بڑا ہے یا چھوٹا۔

عبادت گذاری

شاہ اسماعیلؒ اس ممتاز دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے جس نے کئی صدیوں تک برصغیر کے مسلمانوں کی روحانی قیادت کی اور ان کے دینی جذبے کو بیدار رکھا۔ خانقاہوں میں علم کی شمعیں روشن کیں۔ مساجد کو سجدوں سے آباد کیا اور گھروں کو عبادت گاہ بنایا۔ یہ شب بیدار لوگ دن کو خلقِ خدا کی خدمت کرتے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے اللہ کو راضی کرتے۔ شاہ اسماعیلؒ بھی اسی خانوادے کے ممتاز فرد تھے اور عبادت و شب بیداری انہیں اپنے اکابر سے ورثہ میں ملی تھی۔ بہت کم ایسا ہوا کہ ان کی نمازِ تہجد قضا ہوئی ہو۔ حتیٰ کہ اثنائے سفر میں بھی وہ اس کا التزام ترک نہ کرتے۔ تحصیل سکندرآباد ضلع بلندشہر میں شاہ اسماعیلؒ کے خاندان کے کچھ گاؤں تھے ان کی آمدنی کی) تحصیل کے لئے شاہ صاحبؒ ہی جایا کرتے تھے ایک مرتبہ آپؒ بیمار ہو گئے اس لئے اس مرتبہ شاہ رفیع الدینؒ کے چھوٹے بیٹے (مولوی موسیٰؒ) کو بھیجنا چاہا۔ روانگی سے قبل انہوں نے شاہ صاحبؒ سے دیہات کے حالات پوچھے۔ آپؒ نے تمام حالات و واقعات بتا دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ میں آتے جاتے غازی آباد میں فلاں بھٹیاری کے ہاں ٹھہرا کرتا ہوں اور اس کو اس قدر (خرچ) دیا کرتا ہوں تم بھی وہیں ٹھہرنا اور اس سے کہدینا کہ میں اسماعیلؒ کا بڑا بھائی ہوں۔ مولوی موسیٰؒ یہ ہدایت لے کر روانہ ہو گئے اور بھٹیاری کے ہاں پہنچے۔ اس نے انکی بھی اسی طرح خاطر کی جس طرح وہ شاہ صاحبؒ کی کیا کرتی تھی۔ رات کے وقت اس نے مولوی موسیٰؒ کی چارپائی کے نیچے دو لوٹے پانی کے اور ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھدی۔ مولوی موسیٰؒ نے کہا تم یہ سامان کیوں کرتی ہو نہ لوٹوں کی ضرورت ہے نہ چٹائی کی اور نہ جانماز کی۔ جب صبح ہوگی مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیں گے — بھٹیاری نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا اور کہا کہ میں تو تمہاری صورت دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ تم مولانا اسماعیلؒ کے بھائی نہیں ہو۔ (کیونکہ مولوی موسیٰ صاحبؒ شاہ صاحبؒ کے خاندان میں سیاہ فام تھے) اور اب تو تمہارے اس کہنے سے یقین ہو گیا۔ مولوی اسماعیلؒ بھی صبح کی نماز مسجد ہی میں پڑھتے تھے مگر وہ تھوڑی دیر سو کر اٹھ بیٹھتے اور وضو کر کے صبح تک نفلوں میں قرآن پڑھتے رہتے تھے اور تم کہتے

ہو کہ مجھے پانی وغیرہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ میں ان کا بڑا بھائی ہوں، میں تو یہ سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو تو عابد بھی ان سے زیادہ ہو گے مگر تم تو کچھ بھی نہ نکلے۔ مولوی موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھتیاری کی باتیں سن کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور مجھے کوئی جواب نہ بن آیا۔[1]

آدابِ نماز کا خیال

شاہ صاحبؒ ابتدائے عمر میں نہایت خوش پوشاک تھے۔ بہت اعلیٰ درجے کا صاف ستھرا لباس پہنتے اور اس کا بڑا خیال رکھتے تھے مگر خانۂ خدا میں داخل ہونے کے بعد یہ خیال دل سے نکل جاتا اور ساری توجہ صرف عبادت کی طرف مبذول ہو جاتی۔ ان کے ایک سیرت نگار نے اس زمانے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اکبری مسجد کے صحن میں پہلی صف میں کسی وجہ سے ایک پتھر نیچے ہو گیا تھا اور برسات کے موسم میں اس میں گارا کیچڑ ہو جاتا تھا، سب نمازی اپنے کپڑوں کو بچانے کے لئے اس کو چھوڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے اور اس وجہ سے صف میں فرجہ (شگاف) رہتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مولوی اسمٰعیلؒ صاحب شہیدؒ خوش پوشاک تھے۔ ایک روز عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اکبری مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے صفِ اوّل میں فرجہ (شگاف) دیکھا۔ آپؒ اسی جگہ گارے کیچڑ میں بیٹھ گئے اور کپڑوں کا ذرا خیال نہ فرمایا۔"[2]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو سنتِ نبوی کی پیروی کا کتنا خیال رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق مبارک تھا کہ نماز شروع ہوتے وقت صفیں درست فرما دیا کرتے تھے۔ آپؐ کی ہدایت تھی کہ صفوں میں جگہ خالی نہ رہے بلکہ ہر شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہو۔ شاہ اسمٰعیلؒ نے مسجد میں داخل ہونے کے بعد دیکھا کہ تھوڑی سی جگہ خالی پڑی ہے اور صف کے درمیان شگاف ہے۔ چونکہ یہ امر آدابِ نماز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے خلاف تھا اس لئے آپ سے ضبط نہ ہو سکا اور یہ خیال کئے بغیر کہ آپ کا صاف ستھرا اور نہایت ہی عمدہ لباس خراب ہو جائے گا اسی کیچڑ میں بیٹھ گئے تاکہ شگاف پُر ہو جائے اور حضورؐ کی ہدایت کی خلاف ورزی نہ ہو۔

رفیقوں کا احساس

شاہ اسمٰعیلؒ اگرچہ مالی لحاظ سے آسودہ تھے مگر جب سے آپ نے دینی اور سماجی خدمت کا کارِ عظیم اپنے ذمے لیا تھا، اس وقت سے کسبِ معاش کی طرف وہ توجہ نہیں رہی تھی جو ہونی چاہیے

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صـ۹۶   [2] ارواحِ ثلاثہ صـ۸

زیادہ وقت درس و تبلیغ میں گذر جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بعض دفعہ کئی کئی روز تک فاقے کرنے پڑتے مگر اپنی فطری خود داری کی وجہ سے کسی سے اس کا ذکر نہ کرتے اور نہ مالی امداد کے طالب ہوتے۔ اگر کوئی بہت مجبور کرتا تو صرف کھانا کھا لیتے اور کسی قسم کی امداد قبول کرنا گوارا نہ فرماتے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ آپؒ اپنے عقیدتمندوں کے ساتھ کسی جگہ درس و تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے۔ لوگ ازراہِ عقیدت آپ کی ضیافت کرتے۔ مگر آپ کو اپنے رفیقوں کا اس درجہ احساس رہتا کہ اس دعوت کے جواب میں فرماتے کہ میں تنہا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ میرے ساتھ میرے رفیق بھی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تو کھانا کھاؤں اور وہ بھوکے بیٹھے رہیں۔ آپ اپنے ساتھیوں کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ان کے آرام کو اپنا آرام سمجھتے۔ ان کی اس ادا نے انہیں اپنے ساتھیوں اور عقیدتمندوں میں بے حد مقبول بنا دیا تھا۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک صاحبؒ نے جو منشی جی کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کو وعظ کیلئے مدعو کیا۔ اثنائے وعظ میں انہوں نے محسوس کیا کہ شاہ صاحبؒ کے وعظ میں وہ جوش اور آواز میں وہ بلندی نہیں جو آپؒ کی تقریر کا خاصا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپؒ کے ایک رفیق مولوی رستم علی خاںؒ سے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا بات ہے آج مولانا کی آواز ابھرتی نہیں۔ مولوی رستم علی خاںؒ نے جواب دیا کہ مولانا پر تین وقت سے فاقہ ہے۔ منشی جی یہ سن کر اٹھے اور شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت اب وعظ موقوف فرما دیجئے۔ مجھے کچھ کام ہے۔ شاہ صاحب نے وعظ ختم کر دیا۔ اس کے بعد وہ آپ کو ایک مکان میں لے گئے اور آپؒ کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ شاہ صاحبؒ یہ دیکھ مسکرائے اور فرمایا "منشی جی! تم سے کسی نے کہہ دیا ہے مگر میں کھانا نہ کھاؤں گا۔" انہوں نے پوچھا کہ "حضرت! کیوں؟" آپ نے فرمایا کہ "میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ کھانا نہیں کھا سکتا" انہوں نے ساتھیوں کو بھی بلایا اور سب کو کھانا کھلایا اور کئی روز تک دعوت کی۔[1]

سید صاحبؒ سے عشق

شاہ اسماعیلؒ کے سخت سے سخت ناقد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بزرگ بھائیوں کے علاوہ اس دور میں کوئی شخص شاہ اسماعیلؒ کے پلڑے کا عالم اور مفکر نہ تھا لیکن اپنے اس غیر معمولی علم و فضل اور شخصی و خاندانی وجاہت کے باوجود انہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور ان کے زمرۂ خدام میں

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صہ ۲۳

شامل ہو گئے حالانکہ حضرت سید صاحبؒ شاہ اسماعیلؒ کے شاگرد رہ چکے تھے اور ظاہری علم و فضل میں بھی شاہ صاحبؒ کے ہم پایہ نہ تھے۔ مگر اس کے باوجود شاہ اسماعیلؒ اپنے مرشد کی اس قدر عزت کرتے کہ اس کی مثالیں کم ہی ملیں گی۔ انہیں اپنے مرشد سے محبت ہی نہیں عشق بلکہ جنون تھا۔ وہ ابتدائے جوانی میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور صوفیا کے طبقے کی طرف ان کا میلان بالکل نہ تھا لیکن سید صاحبؒ کی بیعت کرنے کے بعد ان کے اندازِ فکر اور طرزِ زندگی میں حیرت انگیز تغیر پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ان کے ایک سیرت نگار کا بیان ہے کہ "مولانا شاہ اسماعیلؒ جب سید صاحبؒ کے قافلے میں حج سے واپس ہوئے تو راستہ میں لکھنؤ میں قیام ہوا اور وہیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات کی خبر معلوم ہوئی۔ سید صاحبؒ نے (شاہ اسماعیلؒ صاحبؒ سے) فرمایا کہ آپ ابھی دہلی چلے جائیں اور وہاں پہنچکر تحقیقی اطلاع دیں کہ وفات ہوئی یا نہیں اور مولانا شہیدؒ کو خاص اپنی سواری کا نقرئی رنگ کا گھوڑا دیا۔ مولانا شہیدؒ ادب کی وجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے کہ یہ سید صاحبؒ کا خاص گھوڑا ہے بلکہ لکھنؤ سے دہلی تک اس کی لگام تھام کر آئے[1]۔"

اس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے علمی تبحر کا احساس جو تکبر پیدا کر دیتا ہے شاہ اسماعیلؒ میں نام کو نہ تھا اور انہوں نے جس شخصیت کو اپنا راہبر اور روحانی پیشوا بنایا تھا اس کے سامنے اپنی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ ولیم ولسن ہنٹر کے بقول "شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کی پالکی کے ساتھ ننگے پیر دوڑتے اور اس پر فخر کرتے۔" مشہور مغربی مورخ کننگھم نے بھی اپنی کتاب "ہسٹری آف دی سکھس" میں لکھا ہے کہ "شاہ اسماعیلؒ سید صاحبؒ کے نہایت منکسر اور فدائی پیرو کار تھے[2]۔"
ریاست ٹونک کے سابق حکمران اور سید احمد شہیدؒ کے مخلص مرید نواب وزیرالدولہ نے اپنی کتاب میں شاہ صاحبؒ کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ "حضرت مولانا اسماعیلؒ صاحب سید صاحبؒ کی خدمت میں نہایت ادب سے حاضر ہوتے اور مودبانہ گفتگو کرتے[3]۔"

ایک روز کسی نے ان سے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ تم پر عاشق تھے اور سید صاحبؒ خود شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے خدام میں سے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ پر نہ مٹے اور سید صاحبؒ پر اتنے فریفتہ ہو؟ شاہ اسماعیلؒ نے جواب دیا کہ "میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی (بیوہ) بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاحِ ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاحِ ثانی کرے لیکن جب سید صاحبؒ کی صحبت

---

[1] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۹۸
[2] ہسٹری آف دی سکھس صفحہ ۱۹۰ مولفہ جوزف ڈیوی کننگھم مطبوعہ لندن (۱۸۵۳ء)
[3] الوصایا الوزیر صفحہ ۱۱ نصف ثانی مولفہ نواب وزیرالدولہ مطبوعہ در مطبع محمدی بہ محمد آباد عرف ٹونک

ہوئی تو خود میں نے ہی زور دیکر ان کا نکاح کروا دیا۔ اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحبؒ پر اتنا فریفتہ ہوں؟ اس واقعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاہ اسماعیلؒ کسی ذاتی مقصد کے لئے سید صاحبؒ کے زمرۂ خدام میں شامل نہیں ہوئے تھے بلکہ سید صاحبؒ کی نگاہِ کیمیا اثر نے ان میں ایک حیرت انگیز روحانی انقلاب پیدا کر دیا تھا اس روحانی تغیر کو وہ خود بھی محسوس کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اس مردِ خدا پرست کا تصرف ہے جو اگرچہ علم ظاہری میں ان سے کم مگر خدا شناسی اور معرفت میں ان سے بہت آگے تھے۔ اسی احساس نے ان میں اپنے مرشد کا کمال درجہ ادب اور اس کا حیرت انگیز عشق پیدا کر دیا تھا۔ وہ اپنے مرشد کے ادنیٰ اشارے پر جان قربان کر دینا ایک معمولی بات سمجھتے تھے۔ انکی زندگی خصوصاً عسکری زندگی میں ایسے متعدد مقامات آئے جب وہ جانتے تھے کہ ظاہری لحاظ سے حضرت سید صاحبؒ کے بعض فیصلے درست نہیں اور ان پر عمل کرنے سے خود ان (شاہ اسماعیلؒ) کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی مگر انہوں نے اپنی جان کی قطعاً پروانہ کی اور حکم ملتے ہی خطرات کی آگ میں کود پڑے اطاعتِ امیر کا یہی وہ جذبہ ہے جو اسلام اپنی پیروی کرنے والوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور افسوس کہ اسی جذبہ کے فقدان نے مسلمانوں کو خلافتِ راشدہ کی نعمت سے محروم کر دیا۔

حاضر جوابی

شاہ اسماعیلؒ کی شخصیت کے پیکر کی ترکیب عجیب و غریب عناصر سے ہوئی تھی۔ ان عناصر میں ایک عنصر حاضر جوابی کا بھی تھا۔ شاہ صاحبؒ طبعاً بہت تیز تھے۔ ذکاوتِ طبع کے اس جوہر نے ان میں بہت سے کمالات پیدا کر دیئے تھے۔ بعض دفعہ وہ اپنے معترض کی معقول بات کو بھی اپنی معقول تردید سے کاٹ کر رکھ دیتے تھے اس میں انکے علم منطق کو بھی خاصا دخل تھا۔ چنانچہ ایک روز دہلی کے نامور خطاط میر پنجہ کش نے شاہ صاحب سے کہا کہ آپ نے لکھنا کیوں نہیں سیکھا (شاہ صاحبؒ کا خط اچھا نہ تھا) یہ سن کر آپؒ نے کاغذ پر ایک جیم (ج) لکھا اور ایک جیم میر پنجہ کش سے لکھوایا۔ اسکے بعد میر صاحب کے لکھے ہوئے جیم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ "یہ کیا ہے؟" میر صاحبؒ نے جواب دیا کہ "جیم" پھر اپنے لکھے ہوئے جیم کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے اسے بھی جیم ہی پڑھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "بس اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ لکھا ہوا سمجھ میں آجائے۔ باقی فضول ہے[۲]"

یہ بات شاہ صاحبؒ کی صرف برجستہ گوئی یا حاضر جوابی ہی پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے علم و فن کے متعلق انکا نظریہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ شاہ اسماعیلؒ کسی بھی علم کو منتہائے مقصود نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر علم اور

---

[۱] ارواحِ ثلاثہ صہ ۸۹ [۲] ارواحِ ثلاثہ صہ ۱۰۰

ہر فن کو حصولِ مقصد کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ وہ ایسے علوم و فنون کے مخالف تھے جن کا حصول معرفتِ الٰہی میں ممد و معاون ثابت نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی معرکتہ الآراء عربی کتاب "العبقات" میں بھی اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے اور ملتِ اسلامیہ کو انہی علوم و فنون کی تحصیل کے متعلق تحریک کی ہے جنہیں حاصل کرنے سے انسان کی عقبیٰ درست ہو۔ اسکا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو اور دنیا میں بھی اسلام کی عظمت کا علم لہرانے لگے۔

شاہ اسماعیلؒ کی شجاعت

علم و فضل کے بعد شاہ اسماعیلؒ کی شخصیت کا سب سے زیادہ تابناک جوہر ان کی وہ شجاعت ہے جس کا اعتراف ان کے تمام معاصر حکمرانوں اور حریفوں کو بھی تھا۔ وہ اپنے عہد کے عدیم المثال سپہ سالار، فنِ حرب کے بہت بڑے ماہر اور ذاتی طور پر بہت بڑے شجاع تھے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد کے وہی روحِ رواں تھے۔ سید صاحبؒ نے اپنے حریفوں سے جتنی جنگیں لڑیں ان میں سے اکثر کی قیادت شاہ صاحبؒ ہی کے حصے میں آئی۔ میدانِ جنگ میں جب توپوں کے دہانے آگ اگل رہے ہوتے اور بندوقوں کی نالیاں گولیوں کا مینہ برسا رہی ہوتیں تو شاہ اسماعیلؒ بڑی بے خوفی اور طمانیتِ قلب سے مجاہدوں کی صفوں میں ٹہلتے ہوتے اور انہیں وعظ و نصیحت فرماتے۔ چنانچہ نواب وزیر الدولہ کا بیان ہے کہ "حضرت مولانا اسماعیلؒ کے فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ جب کفار و مشرکین سے گھمسان کی جنگ ہو رہی ہوتی تو اس حالت میں آپؒ متبسم چہرے اور لبِ خنداں سے وعظ و نصائح فرماتے، مجاہدین کو جوش دلاتے، ہمت بڑھاتے تھے اور فتح و نصرت کی تدابیر بھی بتاتے جاتے۔"[1]

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سخت بیماری کی حالت میں کئی کئی روز رات کو نیند نہ آتی یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رہتی مگر جیسے ہی جہاد کے متعلق اپنے امام کا حکم سنتے فوراً اسلحہ جنگ سے مسلح ہو کر شیر کی طرح کھڑے ہو جاتے اور بجلی کی طرح مجاہدین کی صفوں کی طرف دوڑ کر ان میں شامل ہو جاتے اور دشمن پر ٹوٹ پڑتے۔[2]

اتحادِ بین المسلمین کا جذبہ

اگرچہ شاہ اسماعیلؒ نے اپنے عہد کی غیر اسلامی رسوم اور شرک و بدعات کے خلاف زبردست

---

[1] الوصایا الوزیر صہ ۵ (نصف ثانی)

[2] الوصایا الوزیر صہ ۱۰۹ (نصف ثانی)

جدوجہد کی۔ اور اس مہم کے دوران انہیں شدید مخالفت سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے بعض مخالفین نے ان کے قتل کی تدابیر کیں۔ ان پر کفر کے فتوے لگائے اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ مگر اس کے باوجود شاہ صاحبؒ نے حیرت انگیز صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ نہ کسی سے انتقام لینے کی کوشش کی، نہ اپنے مخالف علماء کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا، اتحاد بین المسلمین ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا۔ ایسے متعدد مواقع آئے جب بعض نادان لوگوں نے اپنی سادہ لوحی کی بنا پر انہیں ایسے مشورے دیئے جو افتراق بین المسلمین کا سبب بن سکتے تھے مگر ایسے ہر موقعے پر انہوں نے کمال استقامت اور دینی بصیرت کا مظاہرہ کیا اور ان مشوروں کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ایک موقع ایک سال دہلی میں نماز عید کے موقعہ پر پیش آیا۔ وہاں کی عیدگاہ کے امام حاجی قاسم صاحبؒ شاہ اسماعیلؒ کے شدید مخالف تھے۔ شاہ صاحبؒ کے بعض عقیدت مند آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امام مسجد بدعتی ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں، کسی دوسری جگہ نماز کا بندوبست کیا جائے۔ یہ سُنکر شاہ اسماعیلؒ نے فرمایا کہ "جماعت میں تفرقہ ڈالنے والوں پر لعنت آئی ہے۔ ہم تفرقۂ مسلمین کے باعث نہ ہوں گے۔ مولوی قاسمؒ صاحب ہمارے چچا مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد ہیں، وہ یہ سب باتیں محض اپنی نفسانیت سے کہتے ہیں۔ اپنے عقیدے سے نہیں کہتے"[1]

اس طرح شاہ اسماعیلؒ نے مسلمانوں کی صفوں میں رخنہ ڈالنے کے فتنے کا ابتدا ہی میں قلع قمع کر دیا اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کو یہ درس دیا کہ محض عقیدے کے اختلاف کی بنا پر دوسروں کو کافر قرار دینا اور اُن سے نفرت کرنا اسلامی جمعیت کو منتشر کرنے کے مترادف ہے، یہ اسلام کی خدمت نہیں اس سے دشمنی ہے۔

شاہ اسماعیلؒ کی اثر انگیزی

مولانا فضل رسول صاحبؒ بدایونی شاہ اسماعیلؒ کے ایک شدید مخالف گذرے ہیں بلکہ شاہ صاحب کی مخالفت کی مہم کا آغاز کرنے کی "سعادت" انہی بزرگ کے حصے میں آئی۔ ایک روز وہ اطراف لکھنؤ کے ایک بڑے عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شاہ اسماعیلؒ کے رد میں اپنی بعض تحریریں سنا کر عرض کیا ان کی تصدیق فرما کر مولوی اسماعیلؒ کے خلاف کفر کا فتویٰ لکھ دیجئے۔ اس بزرگ عالم نے

---

[1] سوانح احمدی صفحہ ۱۲۶

مولانا فضل رسول صاحبؒ کی تحریر سن کر فرمایا کہ اب نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ پہلے نماز پڑھ لیں پھر اس کی بابت غور کریں گے۔ مولانا فضل رسول صاحبؒ کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا مگر جب لوگ نماز کے لئے اٹھے تو وہ بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا حقہ پیتا رہا۔ نماز کے بعد جب وہ بزرگ عالم واپس آئے تو اس شخص کو حقہ پیتا دیکھ کر انہوں نے مولانا فضل رسول صاحبؒ سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں۔ اس بزرگ عالم نے پوچھا کہ یہ کب سے آپ کے ساتھ ہیں مولانا فضل رسول صاحبؒ نے مدت بتائی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ :۔

"مولوی اسماعیلؒ کی تکفیر کا ارادہ تو پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا ارادہ تھا کہ آپ کے موافق کچھ لکھ دوں گا مگر الحمدللہ کہ اس وقت نماز کی برکت سے مجھ پر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص تمہارا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمہارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اس کے تم اسے مسلمان (یعنی نمازی) بھی نہ بنا سکے اور مولوی اسماعیلؒ جدھر کو نکل گیا ہے ہزاروں کو دین دار بنا گیا ہے۔ پس قابلِ تکفیر تم ہو نہ کہ مولوی اسماعیلؒ۔ لہٰذا تم میرے پاس سے چلے جاؤ میں کچھ نہ لکھوں گا"[1]

اس پر مولانا فضل رسول صاحبؒ بے نیل و مرام واپس ہو گئے۔

صحابہ کا نمونہ

شاہ اسماعیلؒ کے علم و فضل اور ان کے عسکری کارناموں کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی جن لوگوں نے انہیں دیکھا نہ تھا صرف نام سنا تھا۔ ان کے ذہن میں شاہ صاحبؒ کی عظمت کا عجیب و غریب ہیولیٰ تیار ہو چکا تھا۔ وہ آپ کو ظاہری لحاظ سے بڑی شان و شوکت کا انسان سمجھتے تھے۔ ان کا خیال کہ شاہ اسماعیلؒ اپنے رفقاء میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے ہوں گے۔ بڑے کر و فر سے زندگی گزارتے ہوں گے۔ دروازے پر دربان ہوں گے۔ اردگرد خدام کا ہجوم رہتا ہوگا مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی "جب بہت سے ولایتی (افغانی) مولوی بڑی بڑی پگڑیاں اور جُبّے پہن کر مولوی محمد اسماعیل صاحبؒ کی ملاقات کے واسطے لشکرِ مجاہدین میں آئے۔ اس وقت مولانا شہیدؒ (شاہ اسماعیلؒ) چکی سے اپنے گھوڑے کا دانہ دَل رہے تھے۔ وہ سارے ولایتی مولوی آپؒ کا یہ حال دیکھ کر بے اختیار

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص ۸۳

رو پڑے اور کہنے لگے کہ ٹھیک صحابہ رضی اللہ عنہم کی چال پر یہی شخص ہے اور ہم دنیا کے کتے ہیں[1]"

مقامِ اسماعیلؒ

ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اس باب میں شاہ اسماعیلؒ کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں پر نہایت اختصار سے روشنی ڈال دی ہے اور ان کی ہمہ گیر اور پرکشش شخصیت کے وہ نقوش ابھار دیئے ہیں جو ان کی عظمت کے آئینہ دار ہیں، آخر میں ہم شاہ صاحبؒ کے بزرگ استاد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے مشہور معاصر مولانا فضل حق خیرآبادیؒ کی وہ آراء درج کرتے ہیں جو انہوں نے شاہ صاحبؒ کے متعلق ظاہر فرمائیں اور اسی پر یہ باب ختم کرتے ہیں۔

جب حضرت سید احمد شہیدؒ ہدایتِ خلق کے سلسلے میں لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں کے علما کے کانوں تک وہ باتیں پہنچنے لگیں جو ان کے لئے بالکل نئی تھیں تو ان کے ایک بزرگ مولوی خیرالدین صاحبؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حضور میں ایک فتویٰ بھیجا جس کے آخر میں انہوں نے اصل غرض بھی لکھ دی یعنی مولوی اسماعیلؒ وغیرہ جس سفر پر نکلے ہیں کیا انہوں نے یہ سفر آپ کی اجازت سے شروع کیا ہے یا اپنے ارادے سے؟ اس کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے صرف اس قدر لکھا کہ:

> "برخورداران عبدالحیؒ و اسماعیلؒ درحالے کہ وہاں موجود ہیں تو اس فقیر کو جواب استفتا کی تکلیف دینی فضول ہے۔ جو کچھ دریافت کرنا ہو ان لوگوں سے دریافت کر لیجئے۔ ان کا کہنا عین اس فقیر کا کہنا ہے[2]"

یہ اس بزرگ ہستی کی رائے ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کا فرزندِ اکبر ان کا جانشین اور خود بہت بڑا محدّث تھا جس نے شاہ اسماعیلؒ کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں بہ نفسِ نفیس حصہ لیا تھا اور آپؒ کو سب سے زیادہ قریب سے دیکھا تھا۔

دوسری رائے مولانا فضلِ حق خیرآبادی کی ہے جو شاہ اسماعیلؒ کے سب سے بڑے مخالف بلکہ آپ کے مخالفین کے سرخیل تھے مگر جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس دور میں مخالفت کے بھی کچھ آداب تھے۔ اس کی بھی کچھ حدود تھیں۔ شدید ترین مخالفت کے باوجود اس دور کے اکابر ان حدود سے باہر کبھی نہ نکلتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت شاہ اسماعیلؒ بالاکوٹ کی جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے

---

[1] سوانح احمدی صہ ۱۲۷ [2] کلید ذبعہ اماۃ صہ ۱۰۵

اور اس کی خبر دہلی پہنچی تو اس وقت مولانا فضل حق خیرآبادی درس دے رہے تھے اور مولوی غلام یحییٰ ان سے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ شاہ صاحبؒ کی شہادت کی خبر سنتے ہی انہوں نے کتاب بند کر دی اور سناٹے کے عالم میں دیر تک خاموش بیٹھے روتے رہے۔ اس کے بعد جو تاریخی الفاظ کہے وہ سینۂ قرطاس میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"اسماعیلؒ کو ہم مولوی نہیں جانتے تھے بلکہ وہ امتِ محمدیہ کا حکیم تھا۔ کوئی شے نہ تھی جس کی انیت اور لمیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ امام رازیؒ نے اگر علم حاصل کیا تو دودِ چراغ کھا کر اور اسماعیلؒ نے محض اپنی قابلیت اور استعدادِ خدا سے[1]"

---

[1] الحیاۃ بعد المماۃ ص۱۰۹